کتاب العشر والزکوٰۃ

از

عبدالصمد رحمانی

(نائب امیر شریعت صوبہ بہار واڑیسہ)

غلط نامہ (سب سے پہلے ان غلطیوں کی تصحیح کر لیجئے)

غلط	تصحیح	صفحہ	سطر
دغیرسلمون	غیرسلموں	۱۰	۸
بھروسہ	بھروسہ پر	۱۴	۲
اتوا الزکۃ	اتوا الزکوۃ	۱۶	۱۷
والاخلاف	ولاخلاف	۳۰	۱۴
وجہ	دجہہ	۳۱	۱۲
وہ شدید	شدید	۵۳	۱۳
سُنئے	سننے والا	۵۵	۳
ھذ	ھذا	۶۳	۱
ن قال	ان قال	۶۵	۱۴
الِ	قالِ	//	۲۲
وہ	زکوۃ	//	۲۳
لی	الی	//	۲۴
عشا	عشاء	۶۶	۶
شخص	شخص نے	۶۹	۲
من لک	من قبلک	۸۵	۲۲
ادخواہی	دادخواہی کی	۹۱	۱۳
ابن ذلک	اجل ذلک	۹۸	۴
ہے	سے	//	۶
صــ	ص ۹۴	//	۱۸
ے	سے	//	۲۴
صــ	ص ۱۰۱	۱۰۲ حاشیہ	۳
صــ	ص ۱۰۳	۱۰۳ //	۱۱
مبولا	مبسوط	۱۰۸	۳
چو	جو	۱۱۰	۱۳
تنبحطها	فلیحطها	۱۱۰	۲۳
سہادت	شہادت	//	۱۹
بہت	بحث	//	۱۹
سل	قبل	۱۱۳ حاشیہ	۲۳
تتمنم	رستھم	۱۱۶	۳
	ص ۸۷	۱۱۸	۱۳
	للمکلف	۱۳۹	۱۳

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
نعلت	نقلت	۱۴۰	۲۳
الزین	الذی	۱۴۳	۱۰
متشابہ	متشابہٖ	//	۱۳
دار اسلام	دار الاسلام	۱۴۸	۵
امانت	امرت	۱۶۳	۵
عاقل	بالغ ہو جائے	۱۶۴	۲۰
	مجنون یہاں تک کہ عاقل ہو جائے	۲۰۰ //	سطر کے آخر بڑھا دیجئے
اعترت	اعتبرت	۱۷۰	۱۲
جو	×	۱۷۸	۸
من الحیرب	من الحجوب	۱۷۹	۲۴
عیرمحردشب	غیرمحردشب	۱۸۱	۱۹
صــ	ص ۱۵۱	۱۸۹	۱۳، ۱۴
صــ	ص ۱۵۰ و ۱۵۱	۱۹۰	۱
بیت پرست	بت پرست	//	۹
نگائے	اگائے	۱۹۸	۶
تبدل الحال	تبدل الحال مخلبۃ	۲۰۸	۱
ماتملیک	مالاتملیک	۲۱۲ حاشیہ	۱۰
اجتماعی	اجماعی	۲۱۴ حاشیہ	۲۰
صــ	ص ۸۴	۲۱۶ حاشیہ	۵
ص ۷۶	ص ۸۲	// //	۹
کوئی	×	۲۱۷ //	۹
۵۱۳۰	۵۲۰	۲۲۲ //	۱۵

فہرست مضامین کتاب العشر والزکوٰۃ

[illegible] ۱۶۱

مطبوعہ

برقی مشین پریس

مراد پور۔ پٹنہ

بسم اللہ تعالیٰ

حضرت امیر شریعت صوبہ بہار مدظلہ

کا

طبع ثانی کے متعلق

ارشاد گرامی

اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے لیے مصنف نے جو کچھ اضافے کیے ہیں۔ اُن سب کو اس فقیر نے بغور مطالعہ کیا۔ یہ سب نہایت ضروری تھے جو پس ماندہ رہ گئے تھے۔ ان اضافوں سے افادہ میں بھی مزید اضافہ ہو گیا۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء

محمد محی الدین

۲۱ر جمادی الاولیٰ چہار شنبہ ۱۳۶۵ھ

قاضی امارت شرعیہ صوبہ بہار

حضرت مولٰنا سید شاہ قاضی نور الحسن صاحب کی طبع ثانی کے متعلق

رائے

کتاب العشر والزکوٰۃ کو میں نے از اول تا آخر طبع اول کے وقت بھی بہ غور پڑھا تھا۔ اور اب جب کہ یہ دوبارہ طباعت کو دی جارہی ہے۔ میں نے ان تمام اضافے کو بھی بہ غور پڑھا جو مولٰنا عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت صوبہ بہار نے طبع ثانی کے موقع میں چند جگہ بڑھائے ہیں۔

اپنے افادہ کی حیثیت سے کتاب اپنی نوعیت میں نہایت مکمل ہے زکوٰۃ و عشر کے تمام اہم مسائل پر نہایت عمدگی سے بحث کی گئی ہے۔ اور کتابوں کے حوالہ سے موثق کیا گیا ہے۔ اور ہر قسم کے شکوک و شبہات جو فقہ کی مختلف کتابوں کو سرسری نظر میں دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی تطبیق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور صحیح مسلک اور مفتی بہ مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا ہے۔ کہ اسکو قبول فرمائے۔ اور امت مسلمہ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

بعض حضرات نے غلط فہمی کی بنا پر زکوٰۃ و عشر کے بعض مسائل کے متعلق شبہات کا اظہار کیا تھا۔ ان کا جواب گرچہ اس کتاب میں مذکور ہے۔ مگر مولٰنا ممدوح نے ان شبہات کے متعلق علٰحدہ ایک رسالہ بھی مرتب کر دیا ہے جس کا نام "ازالۂ شبہات از مسئلہ عشر و زکوٰۃ" ہے۔ یہ رسالہ اہل علم کے لئے لائق مطالعہ ہے۔

محمد نور الحسن عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

"کتاب العشر والزکوٰۃ" پہلی مرتبہ ۱۳۶۲ھ میں چھپی تھی۔ آج چوتھے سال ۱۳۶۵ھ میں طبع ثانی کے لیے دوبارہ پریس میں دی جا رہی ہے ملک میں اس کو جو قبول عام حاصل ہوا۔ اور علم کے دربار میں جس ہمت افزائی کے ساتھ اس کو جگہ ملی وہ صرف امتنان الٰہی کا صدقہ ہے —

وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ ؕ

طبع ثانی میں مسودہ پر نظر ثانی کے وقت بہ نظر تشریح چند حواشی۔ اور تیسرے باب میں ایک جگہ چند ضروری مسائل کا اضافہ کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں دوسرے ابواب میں جہاں کمی محسوس ہوئی فقہ کے بعض جزئیات کا اندراج کیا گیا ہے۔ اس طور پر کتاب العشر والزکوٰۃ کی افادی حیثیت میں بڑی حد تک مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ اور مسائل کی خاطر خواہ تشریح اور تشئید بھی ہو گئی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

عبد الصمد رحمانی

۱۳ محرم الحرام ۱۳۶۵ ہجری

حضور امیر شریعت صوبہ بہار مدظلہ
کا
ارشادِ عالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہِ الْھَادِیْنَ اِلٰی سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

مغتنم العلماء مولانا **عبد الصمد صاحب** رحمانی ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار کی تصنیف "کتاب العشر والزکوٰۃ" میں نے شروع سے آخر تک بغور وفکر دیکھا۔ احکام زکوٰۃ وعشر کے جمیع اہم کلیات وجزئیات پر حاوی ہونے کے علاوہ ان بعض مسائل کا حل (جن میں بعض طبقہ علما کا زلت قدم میں مبتلا تھا) بہت کافی طریقہ پر کیا گیا ہے اور ازالۂ شبہات کلی طریقہ پر کر دیا گیا ہے جو اہل انصاف کے لیے کافی تشفی بخش ہے جزاہ اللہ خیر الجزا۔ اللہ پاک اس کو درجۂ قبولیت بخشے اور خلق کو اس سے مستفید ومستفیض کرے۔
اٰمین ثم اٰمین واٰخر دعوٰنا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

فقیر محمد محی الدین قادری پھلواری

یکم صفر یکشنبہ ۱۳۶۲ھ

تعارف

از حضرت الحاج مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی ناظم جمعیۃ علماء ہند۔ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ ومن نصر جندہٗ

یہ ایک حقیقت واقعیہ ہے۔ کہ مقدس دین اسلام نوضویت (انارکی) کی جگہ انسانیت کے پراگندہ شیرازہ کو اخوت اور بھائی چارگی کے نظام میں لانا چاہتا ہے۔ اور جو نظام اس نے پیش کیا ہے وہ دنیا کی بسنے والی مختلف نسل ورنگ قوموں کے فطری افتاد کے عین مطابق اور ہر زمانہ وماحول میں یکساں مفید ہے۔ عقلاء دہر اور علماء اجتماعین نے آج تک اس راہ میں جس حد تک کد وکاوش کی، یا آیندہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے مقابلہ میں اسلام کا پیش کردہ نظام اپنی افادیت اور محکم اصول کی وجہ سے سب سے زیادہ بلند و بالا ہے۔ ولا یاتونک بمثل الا جئناک بالحق واحسن تفسیرا۔ (الفرقان ع پ ۱۹)

یہی وجہ ہے کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل اس نے مفکرین اجتماع کو جو چیلنج کیا تھا آج کی تاریخ تک بحالہٖ قائم ہے اور رہتی دنیا تک بدستور باقی رہے گا۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہٖ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (بنی اسرائیل ع پ ۱۵)

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں میں اسلام کی روح اجتماع محفوظ اور قوی رہی۔ اسوقت تک انسانوں کی دنیا ان ہولناک تباہ کاریوں سے محفوظ رہی۔ جن میں ایک چوتھائی صدی سے مبتلا ہے۔ جس کی ہر مصیبت پیش رفتہ مصائب سے زیادہ ہولناک۔ اور تباہ کاری میں ان سے ہزار درہزار بڑھ چڑھ کر سامنے آتی رہی ہے۔ ومانریھم من اٰیۃ الا ھی اکبر من اختھا واخذناھم بالعذاب لعلھم یرجعون (زخرف ع)

حق تعالےٰ نے اپنے آخری پیغام کی حفاظت کا خود ذمہ لیا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون۔ اور علماء ربانیین کے مقدس گروہ کو بنی امی ابانا وامہاتنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ پر گامزن ہونے اور اسکی نشر و تبلیغ

پر مجبول و مامور فرما کر بقاء دوام کی راہ پیدا کر دیا۔ وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیتنا یوقنون (سجدہ ۶ پ۲۱)

یہی وجہ ہے کہ علماء ربانین ناموافق تر حالات میں شکستہ خاطر ہو کر بھی فریضہ تبلیغ دین۔ اور مسلمانوں کو تمسک بالکتاب والسنۃ اور اسلامی روح اجتماع کی دعوت سے غافل نہ رہے۔ اور ہر طرح کی بے سر و سامانی کے باوجود متوکلاً علی ربہم مسلمانوں کی شرعی تنظیم اور ان کی اصلاح۔ اور مذہبی تعلیم جیسے اہم فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ اگرچہ ان کی رفتار سست ضرور ہے۔ لیکن نامساعد احوال کے دیکھتے ہوئے وہ بھی جب کہ اس جماعت کے وجود کے خلاف کھلی بغاوت کی جا رہی ہے۔ اس جماعت کا نہ صرف زندہ رہنا۔ بلکہ اس کے اعمال کا جاری رہنا۔ اور ان کے نتائج و ثمرات ظہور پانا کرشمۂ قدرت خداوندی ہے۔ اور توفیق الٰہی کی دستگیری اور امداد غیبی کا رہین کرم ہے۔ رہی سست رفتاری تو اس کی ذمہ داری میں علماء کے ساتھ جمہور مسلمان بھی حصہ دار ہیں۔

فقیہ الامۃ حضرت مولٰنا سید ابو المحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی نبض شناسی آج سے بائیس سال قبل خوش نصیب مسلمانان بہار و اڑیسہ کی شرعی تنظیم کے پروگرام کو عملی جامہ پہنایا۔ اور ان کو امیر الشریعۃ صوبہ بہار و اڑیسہ کی سرپرستی میں شرعی زندگی بسر کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔

چنانچہ "امارت شرعیہ" صوبہ بہار و اڑیسہ کے حیطۂ نفوذ و اقتدار میں اقامت جمعہ و جماعات۔ فصل خصومات۔ اور جبایۃ اموال کے اہم اعمال نہایت کامیابی کے ساتھ جاری ہیں۔

نصب امیر کا مسئلہ مسلمانان ہندوستان کے لیے تقریباً ایک صدی سے پوری اہمیت اور قطعی دلائل کے ساتھ قابل عمل تھا۔ اور آج بھی صوبہ بہار کے علاوہ تمام صوبہ جات میں ضروری و ناگزیر ہے۔ نیز مرکزی امیر شریعت کے مسئلہ پر جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے پوری اہمیت کے ساتھ روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اگر جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور سنہ ۱۹۲۱ء عیسوی میں بعض غیر متوقع موانع پیش نہ آئے ہوتے

تو عرصہ سے شرعی تنظیم کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اور التوائے سے جو مزید انتشار پیدا ہوا۔ اس سے مسلمان محفوظ و مصئون ہو جاتے۔

اس وقت میرے پیش نظر اخی فی اللہ حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی حفظہ اللہ تعالیٰ کی اہم تصنیف "**کتاب العشر والزکوٰۃ**" ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ ایک بالغ نظر عالم ہونے کے علاوہ حضرت مولانا سید ابو المحاسن **محمد سجاد** رحمۃ اللہ علیہ کی زیر ہدایت امارت شرعیہ اور دوسرے قومی اداروں کی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے ہیں۔ مولانا رحمانی اہل قلم علماء میں کسی تعارف سے بے نیاز ہیں۔ مولانا کے متعدد رسائل اور تصنیفات حضرات اہل علم کے لیے سرچشمہ بصیرت ہو چکے ہیں۔

آپ کا طرز تحریر عام فہم ہونے کے علاوہ عالم پسند بھی ہے۔ کسی تحریر میں مذکورہ بالا دونوں خصوصیات جمع ہونا نہایت نادر الوقوع ہے۔ یہ خداداد ملکہ حق تعالیٰ نے مولانا کو عطا فرمایا ہے۔ آج کل مولانا موصوف دفتر امارت شرعیہ صوبہ بہار و اڑیسہ میں نظامت کے ذمہ دار فرائض انجام دے رہے ہیں۔ حضرت مولانا رحمانی کی تازہ تصنیف "کتاب العشر والزکوٰۃ" اپنے موضوع کے لحاظ سے جسقدر اہم ہے۔ مواد اور مباحث کے اعتبار سے اتنی ہی زیادہ مفید ہے۔ میں نے اس کے اہم مباحث کو خود مصنف سے براہ راست سماعت کرکے استفادہ کیا۔ میرا یقین ہے۔ مولانا نصوص کتاب و سنت اور ائمہ مجتہدین کی تصریحات سے امام کے لئے زکوٰۃ اموال ظاہرہ و باطنہ اور عشر کے وصول کرنے کی ولایت شرعیہ کو استدلال سے ثابت کرنے میں سو فی صدی کامیاب ہیں۔ فللہ الحمد علیٰ ذالک۔

پھر یہ مسئلہ بھی واضح دلائل کی روشنی میں واضح ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زکوٰۃ و عشر وغیرہ امام کو یا اس کی طرف سے مقرر کردہ عاملین کو ادا کرنی ضروری ہے۔ اس میں کوتاہی ان کو ادائے زکوٰۃ و عشر کی شرعی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کر سکتی۔

علیٰ ہذا ہندوستان میں جو اراضی مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ وہ عشری ہیں۔

یہی مسلک احوط ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کتاب العشر والزکوٰۃ، فی الحال مسلمانان بہار و اُڑیسہ کے لیے دستور العمل ہے۔ اور انشاء اللہ القدیر مستقبل قریب میں تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔

میں سمجھتا ہوں۔ حضرت مولنا رحمانی کا طرز استدلال حضرات اہل علم کو تسکین خاطر کا بھی موجب ہوگا۔ اور اگر ان مسائل کے بعض گوشے صاف نظر نہ آئیں۔ تو علمی برادری کی بنا پر حضرات علماء کرام کی خدمت میں بادب گزارش ہے۔ کہ حضرت شیخ الہند مولنا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ایک زریں مقولہ کو پیش نظر رکھیں، جو بروایت ثقات مجکو پہنچا ہے۔ حضرت نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ ایسے علماء کی کمی نہیں جن کا علم ان کی فکر کے تابع ہوتا ہے۔ کمیاب علماء وہ ہیں جن کا فکر تابع علم ہو۔ اور مسلمانوں کو علماء قسم ثانی کی ضرورت ہے۔

یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ کتاب العشر والزکوٰۃ کے مطالعہ کے ساتھ حضرت مولنا مدظلہ کی ایک دوسری اہم تصنیف "ہندوستان اور مسئلہ امارت" کا بھی مطالعہ کر لیا جائے تو مسائل کو احوال پر منطبق کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوگی۔

آخر میں بارگاہ رب العزت میں دعا کرتا ہوں کہ مولنا کی عمر و علم اور عمل میں برکت عطا فرمائے۔ اور مسلمانوں کو ان کے علم و عمل سے نفع بخشے۔

کتبہ عبد الحلیم الصدیقی

۱۷ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۲ء دھلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ

زکوٰۃ وعشر کا نظام نامہ

زکوٰۃ کی فرضیت کا علم تو ہر مسلمان کو ہے۔ مگر اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں۔ حالانکہ اس کی اہمیت بتانے کے لیے صرف اتنا ہی کہنا کافی ہو کہ قرآن پاک میں ایک دو جگہ نہیں بلکہ ۳۲ مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا حکم ایک ساتھ دیا گیا ہو۔ وجہ ظاہر ہو کہ دین عبارت دو چیزوں سے ہو۔ **حقوق اللہ**۔ اور **حقوق العباد**۔ اول کا سرنامہ نماز ہو اور دوم کا زکوٰۃ۔ یہی سبب ہے کہ اولین محرم شریعت۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے شروع زمانہ میں ارتداد اور منع زکوٰۃ کے موقع پر یہ اعلان فرمایا کہ میں ہر اس شخص سے لڑوں گا جو نماز و زکوٰۃ کو جن کو خدا نے ملایا ہو۔ ایک دوسرے سے الگ کریگا۔ جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ جس طرح نماز کا منکر اور بعض آئمہ کے نزدیک نماز کا تارک قتل کا مستوجب ہو اسی طرح منع زکوٰۃ ایک مذہبی بغاوت ہو۔ جس کے انسداد کے لیے قتال کیا جا سکتا ہے۔

اقتصادیات کے مسائل نے جو آج دنیا میں اہمیت حاصل کر لی ہو۔ اس کا پتہ بھی پہلے نہ تھا۔ مگر اسلام نے جو حقائق ہمارے سامنے پیش کئے ہیں۔ ان کا سرسری مطالعہ بھی یہ راز فاش کر دے گا۔ کہ اسلام نے اپنی تعلیمات میں اقتصادیات کو وہی اہمیت دی ہو۔ جو اس کا مقام ہو۔ اور اس کے مسائل کی وہ تشریح کی ہو۔ اور اس کے متعلق وہ قوانین پیش کیے ہیں۔ جن پر ہر جماعت کی نجات کا مدار ہے۔

سود کی حرمت، قرض سے انتفاع عدم جواز۔ کاشتکاری اور زمینداری کی

صحیح نوعیت کی تعیین۔ محاصل کا عادلانہ تقرر۔ داد وستد، اور خرید و فروخت میں ایسے قواعد کا وضع کرنا۔ جو فریقین کو فریب، دھوکے اور جھگڑے سے محفوظ رکھیں۔

مال و دولت اور آمدنی و جائداد پر مناسب ٹیکس۔ اور ان کے صحیح مصارف کی تعیین بھی انھیں مالی اصلاحات کا ایک جز ہے۔ جو زکوٰۃ، عشر اور خراج و جزیہ کے نام سے موسوم ہے۔

زکوٰۃ یعنی وہ مقررہ رقم جس کو مسلمانوں کے نقد مال اور مویشی اور تجارتی سامان پر اور عشر یعنی وہ مقررہ خیراتی حصہ جس کو ان کے پیداوار زمین پر شریعت نے مقرر کیا ہے۔ اور جزیہ وغیر مسلموں پر شخصاً اور خراج ان کی پیداوار پر عائد ہوتا ہے۔ زکوٰۃ اور عشر کا مصرف نادار مستحق مسلمانوں کی امداد ہے۔ اور خراج اور جزیہ اسلامی حکومت کے قیام فوج کی تنخواہ، و مصارف۔ اور نادار غیر مسلم رعایا کی اعانت کے لئے ہے۔

ظاہر ہے کہ جزیہ اور خراج کی آمدنی اُسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب اسلامی حکومت ہو۔ لیکن زکوٰۃ اور عشر مسلمانوں پر ہر حال میں خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم دار الاسلام میں ہوں یا دار الحرب میں، فرض ہے۔

ہندوستان میں جب اسلامی حکومتیں قائم تھیں۔ تو چند بادشاہوں کو چھوڑ کر۔ اکثر زمانوں میں اسلامی محاصل اسلامی آئین کے مطابق لیے جاتے تھے۔ اکبر کے بعد جب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۹۰ھ میں۔ اسلامی نظام مال۔ و بیت المال کو قائم کیا۔ اور اسلامی نظام کے مطابق اسلامی طریق محاصل کو رواج دیا۔ تو جس طرح ہندوؤں پر جزیہ اور خراج قائم کر کے محصلین جزیہ و خراج کو مقرر کیا۔ اسی طرح مسلمانوں سے زکوٰۃ اور عشر کے وصول کرنے کے لیے محصل مقرر ہوئے۔

لیکن جب سے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی قوت فنا ہو گئی۔ نظام اسلامی کی ہر چیز منتشر و بے قاعدہ ہو گئی۔ نہ منکرات کی بندش رہی۔ نہ فواحش کا انسداد رہا۔ نہ احتساب کی دار و گیر رہی۔ نہ زکوٰۃ اور عشر کے باقاعدہ وصول و تحصیل اور مصارف کا اہتمام رہا۔ اور یہی ابتر اور بے نظام زندگی اب تک چل رہی ہے۔

اس پراگندگی اور انتشار کی حالت میں یہی ممکن تھا کہ مسلمان فرداً فرداً اپنی زکوٰۃ نکال کر خود ہی مستحقین کو تقسیم کر دیں۔ یا کسی نیک و صالح بزرگ کے حوالہ کر دیں کہ

وہ اس کو اپنے صوابدید سے اہل استحقاق کو دیدیں۔

اللہ تعالےٰ جزائے خیر دے۔ اُن چند باہمت مسلمانوں کو جنھوں نے صوبہ بہار میں "امارت شرعیہ" کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ اور یہ کوشش ہے کہ یہاں کے مسلمان اس مردہ سنت کو دوبارہ اس ملک میں زندہ کریں۔ اور فریضہ زکوٰۃ کو مجموعی طور سے "امارت شرعیہ" کے بیت المال میں جمع کریں۔ اور امیر شریعت وارکان کے حسب مشورہ اس کو مستحقین میں تقسیم کریں۔ جیساکہ قرن اول میں مسلمانوں کا طرز عمل تھا۔

عام مسلمانوں کے عمل کے لیے ضروری تھا کہ کوئی ایسا رسالہ لکھا جائے جس میں زکوٰۃ اور عشر کے عام فہم مسائل درج ہوں۔ اور بعض فقہی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا جائے۔ اس ضرورت کو سامنے رکھ کر امارت نے پہلے بھی ایک مختصر رسالہ اس باب میں شائع کیا تھا۔ اور اب کسی قدر تفصیل کے ساتھ امارت کے ناظم مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نے اس رسالہ کو ترتیب دیا ہے اور اس کو بعض معتبر علماء و فقہا کی نظر سے گزرانا ہے۔ مولف نے یہ کتاب محنت سے بدلائل لکھی ہے۔

زکوٰۃ اجتماعی طور سے بیت المال کے ذریعہ ادا کرنے کے فوائد و فضائل کا ذکر میں نے سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پانچویں حصہ میں کر دیا ہے۔ اس لیے اُن کے اعادہ کی ضرورت یہاں نہیں۔

اللہ تعالےٰ اس امارت کے کاموں میں برکت۔ مولف کو جزائے خیر۔ اور مسلمانوں کو فہم سلیم عطا فرمائے کہ وہ سب ملکر اس فریضہ کو بہ حُسن وخوبی انجام دیں۔

ھیچمدان

(سید) سلیمان۔ ندوی

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

عرض حال

ادارہ " امارت شرعیہ صوبہ بہار " کے پیش نظر اول روز سے یہ تھا کہ عشر و زکوٰۃ کے متعلق ایک مدلل، جامع اور مفصل کتاب مسلمانوں کے سامنے پیش کرے۔ حضرت نائب امیر شریعت مولنا ابو المحاسن **محمد سجاد** صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اہمیت کا اتنا زبردست احساس تھا کہ وہ " بیت المال " کے قیام کے بعد سب سے پہلے اس کام کو انجام دینا چاہتے تھے۔

چنانچہ مولنا رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کے متعلق غیر مرتب مواد یادداشت کی صورت میں قلمبند بھی فرمائے تھے۔ مگر ابتدائی دور میں مولنا رحمۃ اللہ علیہ کو ایک طرف تو کثرت مشاغل کے باعث اس کا موقع نہیں ملتا تھا کہ ان غیر مرتب مواد کو ترتیب دے کر کتابی شکل میں لائیں۔ دوسری طرف ضرورت کا اقتضاء یہ تھا کہ جلد سے جلد مسلمانوں کے ہاتھ میں اس موضوع پر لائق اعتماد کتاب دی جائے کیونکہ زکوٰۃ و عشر کے بعض مسائل میں عوام کے علاوہ خواص کو بھی انشراح صدر نہیں تھا۔

ان حالات میں ۱۳۴۳ھ میں مولنا رحمۃ اللہ علیہ کے غیر مرتب مسودہ سے زکوٰۃ عشر کے متعلق ضروری مسائل جریدہ "امارت" میں شائع کر دیے گئے۔ پھر اسی کو ۱۳۵۱ھ میں مولنا سید محمد عثمان غنی صاحب ناظم امارت شرعیہ نے رسالہ کی شکل میں مختصر مسائل زکوٰۃ و عشر کے نام سے اس نوٹ کے ساتھ شائع کیا۔

زکوٰۃ و عشر کے یہ مسائل جریدہ امارت " ۱۳۴۳ھ میں شائع ہوئے تھے اور اس میں لکھا گیا تھا کہ اس موضوع پر مفصل رسالہ حضرت مولنا ابو المحاسن **محمد سجاد** صاحب

نائب امیر شریعت لکھیں گے مگر حضرت ممدوح کو مذہبی اور ملی کاموں نے اس رسالہ کی ترتیب کا موقع نہیں دیا۔ اور ادھر دیندار مسلمانوں کا تقاضا ہوتا رہا کہ زکوٰۃ وعشر کے مسائل کی کوئی کتاب دی جائے۔ اس لیے میں نے جریدہ امارت سے زکوٰۃ وعشر کے مسائل کو رسالہ کی صورت میں شائع کردینا مناسب خیال کیا۔ کہ اس سے مسلمانوں کا مطالبہ کسی حد تک پورا ہو جائے گا۔ اور ان کو اس سے ضروری مسائل معلوم ہو جائیں گے۔

اگر نائب امیر شریعت کو موقع ملا۔ اور انھوں نے موعودہ رسالہ مرتب فرما دیا۔ تو انشاء اللہ تعالےٰ وہ بھی شائع کر دیا جائے گا۔

آج جب یہ سطریں سپرد قلم کر رہا ہوں۔ بیس مہینے ہو چکے ہیں کہ حضرت نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ جوار رحمت الٰہی میں آسودہ ہیں اور ہم اس سے محروم ہیں کہ مولنا رحمۃ اللہ علیہ کا موعودہ رسالہ کسی شکل میں ہمارے سامنے ہمارے استفادہ کے لیے موجود ہو۔

اس سلسلہ کا حسرتناک واقعہ حسب روایت حضرت مولنا قاضی سید نورالحسن صاحب مدظلہ العالی (پھلواری) یہ ہے کہ مولنا رحمۃ اللہ علیہ کا غیر مرتب مسودہ دوسرے ضروری کاغذات کے ساتھ جو ایک چرمی بیگ میں تھا۔ مولنا کی حیات ہی میں جب وہ دہلی کا سفر کر رہے تھے غالبًا کانپور کے اسٹیشن پر ضائع ہو گیا تھا۔ اور انتہائی جستجو اور تلاش کے بعد بھی دستیاب نہیں ہوا تھا۔

ضرورت جس طرح پہلے تھی آج بھی پوری اہمیت کے ساتھ اسی طرح باقی ہے۔ تقاضا جس نوعیت کے ساتھ آج سے پہلے تھا۔ اسی طرح بلکہ کچھ مزید شدت کے ساتھ اس وقت بھی موجود ہے کہ موعودہ رسالہ مرتب کیا جائے۔

موعودہ رسالہ تو وعدہ کرنے والے (رحمۃ اللہ) کے دماغ میں امانت تھا۔ جو مرنے والے کے ساتھ سپرد خاک ہو گیا۔ اب کام ہم ایسے کم بضاعت لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ جن کو نہ کبھی اس کا دھوکا ہوا ہے۔ اور نہ اس فریب میں مبتلا ہیں کہ ان کی "سعی" کا نتیجہ وہ مرتبہ پاسکے جو اہل علم کے لیے مخصوص ہے۔ اِلَّا اَنْ یَتَقَبَّلَ اللّٰہُ بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ فَاِنَّهٗ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

پھر بھی ادائے فریضہ کے طور پر آرزو یہ ہے۔ کہ اپنی تلاش وجستجو کی بنیاد کو توفیق الٰہی پر بھروسہ رکھکر عشر وزکوٰۃ کے متعلق ایک ایسا رسالہ مرتب کر دیا جائے جس میں اس کے ضروری ابواب پر ضروری مباحث اطمینان بخش طریق پر پیش کرد ئے جائیں وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

اس رسالہ میں جس کا نام کتاب العشر والزکوٰۃ ہے۔ عشر وزکوٰۃ کے ان مسائل سے بحث ہوگی۔ جن کی عملی ضرورت ہے۔ یعنی اس میں جو کچھ لکھا جائے گا۔ وہ صرف فقہی مسائل کے نقطۂ نظر سے لکھا جائے گا۔ اس لئے اس کتاب میں نہ ہم زکوٰۃ کے اسرار سے بحث کرینگے۔ اور نہ اسکے اس پہلو پر روشنی ڈالیں گے کہ دنیا کے اقتصادی۔ معاشرتی۔ تمدنی۔ زندگی سے اس کا کیا تعلق ہے۔ کیونکہ ان مباحث کو عشر وزکوٰۃ کے عملی پہلو سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں ضمنی طور پر اگر کہیں کوئی بات اس قسم کی آجائیگی تو اس کی حیثیت محض استطرادی ہوگی۔ پھر اس رسالہ میں زکوٰۃ کے جملہ ابواب سے بھی بحث نہیں ہوگی۔ جیسے رکاز۔ معدن۔ عاشر وغیرہ بلکہ صرف وہ ابواب پیش نظر ہوں گے۔ جنکی آج عملی زندگی کی حیثیت سے مسلمانوں کو ضرورت ہے۔

سب سے پہلے ہم زکوٰۃ کی فرضیت واہمیت کو قرآن۔ حدیث۔ اجماع۔ اقوال فقہا کی روشنی میں پیش کریں گے۔ اور اس کے متعلق ضروری وعد اور وعید کو اس کی اہمیت کے لحاظ سے بیان کردینگے۔ پھر اسی طریق پر ولایت اخذ زکوٰۃ کے مسئلہ پر بحث کریں گے۔ پھر ادائیگی زکوٰۃ پر ضروری امر کا تبصرہ کرینگے۔ پھر انواع زکوٰۃ پھر مسلمانان دارالحرب کے ساتھ عشر وزکوٰۃ کے تعلق کو بیان کرینگے۔ پھر انواع زکوٰۃ کے ضروری مسائل کو۔ اور آخر میں مصارف زکوٰۃ کے بیان پر اس کتاب کو ختم کردینگے۔ واللہ الهادی، وبہ نستعین ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

عبدالصمد رحمانی

۲۷ر جمادی اولیٰ ۱۳۶۱ھ

بَابٌ فِی فرضِیَّةِ الزکوٰۃ

مِنَ الاٰیَاتِ وَ الاحادِیث وَاقوَالُ الفقہاء وَالاِجماع

زکوٰۃ کی فرضیّت

زکوٰۃ کا فرض ہونا قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے صریح اور واضح الفاظ میں ثابت ہے، جس سے نہ تو کسی کو انکار کی گنجائش ہے۔ نہ بحث کی۔ پھر بھی واقفیت عامہ کے لئے چند آیات قرآن مجید، اور چند احادیث، اور بعض عبارت فقہیہ اور بیان اجماع ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اس کے ضروری مباحث کے ساتھ یہ گوشہ بحث بھی تشنہ دلیل نہ رہے۔

آیات محکمات

(۱) واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ و ماتقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عنداللہ ان اللہ بما تعملون بصیر (بقرہ ع ۱۳ پ ۱)

اور نماز اچھی طرح ادا کرو۔ اور زکوٰۃ دو، اور جو نیکیاں تم اپنے لئے پہلے سے کروگے۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے پاس پاؤگے۔ بیشک اللہ تعالےٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک دو چیزوں کا حکم بصیغہ امر دیتا ہے۔ جو فرضیت کو مستلزم ہے اور اپنے بندوں سے فرماتا ہے۔ کہ تم سب لوگ ان دو کاموں کو کرو۔ ایک اقامت صلوٰۃ (نماز) اور دوسرا ادائے زکوٰۃ۔ اس کے بعد تیسرے فقرہ میں اللہ پاک نماز پڑھنے والوں۔ اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو یہ جامع بشارت دیتا ہے۔ کہ ادائے نماز میں جو مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت گھر کا مال خرچ کرنے میں جو دقتیں تمہیں محسوس ہوتی ہیں۔ ان کا کچھ خیال نہ کرو اور پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہو۔ کیونکہ یہ سب نیکیاں اللہ تعالیٰ کے پاس جمع رہتی ہیں۔ ان کا ثواب اور اجر تم کو اللہ پاک دیگا۔ چوتھے فقرہ میں ایک ایسی بات فرمائی جو وعید اور

وعدکو ایک ساتھ شامل ہے۔ تاکہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ وہ ان فرائض کے ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ بہت سے اصحاب جن پر نماز وزکوٰۃ فرض ہے وہ ان فرائض کو سرے سے ادا ہی نہ کریں۔ یا اگر ادا کریں تو ناقص۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے اعمال مخفی نہیں ہیں۔ وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ اگر تم نے ٹھیک ٹھیک فرائض ادا کئے۔ تو تمہیں اس کا اجر وثواب دیگا۔ اور اگر کسی طرح کی کوتاہی کی مثلاً ادا نہیں کیا یا ادا کیا تو ناقص۔ تو اللہ تعالےٰ خوب واقف ہے۔ کسی دوسرے کو علم ہو یا نہ ہو۔ مگر اس کو علم ہے تم مخلوق کو دھوکا دے سکتے ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کو دھوکا اور فریب نہیں دے سکتے اور نہ اس کی پاداش سے بچ سکتے ہو۔

(۲) واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون (نور ۶ پ) — مسلمانو! نماز اچھی طرح ادا کرو۔ اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ تاکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ تین چیزوں کا حکم بصیغہ امر فرماتا ہے۔ اول نماز۔ دوم زکوٰۃ سوم اطاعت رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ تینوں امور ایسے ہیں۔ کہ امر الٰہی کی بنا پر مسلمانوں کو ان کا ماننا۔ اور ان پر عمل کرنا فرض ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان احکام پر عمل کرنیکے بعد تم مستحق ہو گے۔ کہ تم پر مہربانی کی جائے۔ اور یقیناً تم پر خدا کی رحمت وبرکت نازل ہوگی۔

(۳) واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الرٰکعین (بقرہ ۵ پ) — اچھی طرح نماز پڑھو۔ اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کیا کرو

بنی اسرائیل کو اسلام اور ایمان بالقرآن کی دعوت دیتے ہوئے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز ٹھیک رکھو۔ زکوٰۃ دیا کرو۔ اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھو۔ اس میں قابلِ غور امر یہ ہے۔ کہ بنی اسرائیل کو دعوت ایمان کے ساتھ ہی ساتھ نماز وزکوٰۃ کا حکم دیا جاتا ہے اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے۔ کہ اسلام قبول کرنے کے ساتھ انسان پر نماز وزکوٰۃ کی فرضیت لازم ہو جاتی ہے۔

(۴) یٰایھا الذین اٰمنوا انفقوا — اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو۔ اپنی طیب اور پاکیزہ

من طیبات ما کسبتم وممّا اخرجنا لکم من الارض (بقرہ ۳۶ پ۳) — کمائیوں سے (خدا کی راہ میں) خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو۔ جو ہم نے زمین سے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔

پہلی تینوں آیتوں میں زکوٰۃ کا اجمالی حکم تھا۔ اور کسی قسم کی کوئی تفصیل نہ تھی۔ اور اس ایت کریمہ میں ادائے زکوٰۃ کے حکم کے ساتھ تھوڑی تفصیل بھی ہے۔ اولاً اموال کو دو صنف میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک اموال مکسوبہ۔ یعنی ملازمت۔ تجارت۔ صنعت وحرفت سے جو مال حاصل کیا گیا ہو۔ دوسرے پیداوار زمین۔ یعنی غلہ اور پھل کی شکل میں حاصل ہو۔ اور حکم ہوتا ہے کہ ان ہر دو قسم کے اموال سے خرچ کرو۔ یعنی ان کی زکوٰۃ ادا کرو۔ ثانیاً یہ کہ جن مالوں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ طیب ہوں، خراب نہ ہوں۔ جو تم کو خود بھی پسند نہ ہوں۔

احادیث

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس۔ شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ۔ وان محمداً عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج۔ وصوم رمضان۔

(رواہ الشیخان)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مذہب اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اول شہادت دینی (زبان و دل سے) اس امر کی کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ دوم نماز قائم کرنا۔ سوم زکوٰۃ ادا کرنا۔ چہارم حج بیت اللہ۔ پنجم روزہ رمضان۔

(روایت کی اسکی بخاری ومسلم نے)

(۲) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یشہدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ۔ ویوتوا الزکوٰۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماءھم

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجکو اللہ پاک نے حکم دیا ہے کہ میں تمام لوگوں سے قتال وجہاد کروں، یہانتک کہ لوگ شہادت دیں اس امر کی کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلعم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ پس جب لوگ ان کاموں کو کریں گے۔ تو

واموالهم الا بحق الاسلام و
حسابهم على الله -

(بخاری)

(۳) عن عمر بن الخطاب رضي الله
تعالى عنه قال بينما نحن عند رسول
الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم اذ طلع
علينا رجل شديد بياض الثياب
شديد سواد الشعر لا يرى عليه
اثر السفر ولا يعرفه منا احد حتى
جلس الى النبي صلى الله عليه وسلم
فاسند ركبتيه الى ركبتيه ووضع
كفيه على فخذيه وقال يا محمد
اخبرني عن الاسلام - قال الا
سلام ان تشهد ان لا اله الا الله
وان محمدا رسول الله - وتقيم الصلوٰة
وتؤتي الزكوٰة وتصوم رمضان
وتحج البيت ان استطعت اليه
سبيلا - قال صدقت الخ (مسلم)

(۴) عن ابن عباسؓ ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم بعث معاذا الى
يمن فقال انك تاتي قوما اهل
كتاب فادعهم الى شهادة
ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله

اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے محفوظ کر لیں گے۔ سوا اس کے کہ
اسلامی حق (کفارہ وہرجانہ)، اور اسلامی قانون (حدود وقصاص)
کی وجہ سے ان کی جان ومال کا نقصان ہو اور (کفر وشرک باطنی وغیرہ) کا
حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے (بخاری)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم
لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے کہ
ناگاہ ایک شخص نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید تھے
اور بال بہت سیاہ تھے۔ اس پر سفر کی کوئی علامت نہ تھی
اور ہم میں کا کوئی شخص اسکو پہچانتا بھی نہ تھا۔ آتے ہی وہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مؤدب دو زانو اس طرح
بیٹھ گیا۔ کہ اپنے گھٹنوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
گھٹنوں سے ملا دیا۔ اور ہتھیلیوں کو اپنے زانو پر رکھا۔ اور پوچھا
کہ اے محمد اسلام کے متعلق مجھ کو مطلع کیجئے۔ آپنے فرمایا
کہ اسلام یہ ہے کہ تم صرف اللہ کے معبود ہونے۔ اور محمد
کے رسول ہونے کی شہادت دو۔ اور نماز قائم کرو۔ اور
زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کا روزہ رکھو۔ اور اگر بیت اللہ
جانے کا خرچ ہو۔ تو حج بیت اللہ کرو۔ اس شخص نے
کہا کہ آپنے سچ فرمایا۔

(مسلم شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ
کو والی وقاضی بنا کر یمن بھیجا۔ تو فرمایا کہ تم ایک قوم اہل کتاب
(یہود ونصاریٰ) کے پاس جاتے ہو۔ لہذا پہلے ان کو دعوت دو
کہ وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے اور محمدؐ

فان هم اطاعوا لذالك فاعلمهم
ان الله قد فرض عليهم خمس صلوات
في اليوم والليلة - فان هم اطاعوا
لذالك فاعلمهم ان الله قد فرض
عليهم صدقة توخذ من اغنيائهم
فترد على فقرائهم فان هم اطاعوا
لذالك فاياك وكرائم اموالهم
واتق دعوة المظلوم - فانه ليس
بينها وبين الله حجاب
(بخاری ومسلم)

کے رسول ہونے کا اقرار کریں، اور اس کی شہادت دیں۔ پس
اگر وہ لوگ اس امر میں اطاعت کریں۔ تو پھر ان کو بتاؤ کہ
اللہ تعالیٰ نے اُن پر رات و دن میں پانچ وقت کی نماز فرض
کی ہے۔ جب اس امر میں بھی اطاعت کریں، تو پھر ان کو بتاؤ
کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جو ان کے اغنیار
(مالدار لوگ) سے لی جائے گی۔ اور ان کے فقرار کو دی جائیگی
جب لوگ اس امر میں بھی اطاعت کریں۔ تو پھر تم زکوٰۃ کے
وصول کرنے میں چیدہ چیدہ سب سے نفیس مالوں کے لینے میں احتراز
کرو اور مظلوم کی دعار سے ڈرو۔ کہ مظلوم کی دعار اور اللہ کے
درمیان کوئی مانع نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

فرضیت زکوٰۃ کے باب میں بے شمار آیات و احادیث وارد ہیں۔ منجملہ ان کے یہ چند آیات اور احادیث ہیں جو تکمیل بحث کے لئے اس جگہ ذکر کئے گئے ہیں ان سے بخوبی واضح ہے کہ زکوٰۃ تمام مسلم اغنیار پر اسی طرح فرض ہے۔ جس طرح تمام بالغ مسلمانوں پر نماز اور روزہ فرض ہے اور تمام اہل اسلام کا اس کی فرضیت پر ان ہی نصوص کی بنا پر اتفاق اور اجماع ہے۔ اسی وجہ سے جو مسلمان ادائے زکوٰۃ سے انکار کرے وہ آئینِ اسلامی میں سزا کا مستحق ہوگا۔ یہاں تک کہ لوگ اس انکار میں امام سے تمرد و سرکشی پر آمادہ ہوں تو امام اُن سے قتال کر سکتا ہے

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا۔ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو جائز سمجھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے وَاللہِ لَاُقَاتِلَنَّ من فرق بَیْنَ الصلوٰۃ والزکوٰۃ یعنی جو مسلمان نماز و زکوٰۃ میں تفریق کرے گا (یعنی نماز پڑھے اور زکوٰۃ نہ ادا کرے)، تو اس سے میں قتال کروں گا۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح نماز فرض ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان ہوکر نماز تو پڑھے۔ لیکن زکوٰۃ نہ ادا کرے۔

اقوال فقہار و بیان اجماع

ان آیات واحادیث سے زکوٰۃ کی جو فرضیت ثابت ہوتی ہے، ہمارے فقہا رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیفات میں اس کی پوری تصریح کی ہے۔ چنانچہ اس کی فرضیت کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے اور کتاب اللہ۔ اور سنت رسول اللہ اور اجماع امت کے علاوہ دلائل عقلیہ سے بھی ثابت کیا ہے۔ جن کے نہ استقصار کی ضرورت ہے۔ اور نہ سب کو یہاں بیان کرنے کی گنجائش ہے۔ چند حوالے ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

ملک العلمار علامہ علاء الدین "بدائع الصنائع" میں لکھتے ہیں۔

(۱) فالدلیل علی فرضیتھا۔ الکتاب والسنۃ۔ والاجماع۔ والمعقول (کتاب الزکوٰۃ جلد ثانی)

زکوٰۃ کی فرضیت کی دلیل کتاب اللہ ہے۔ احادیث رسول اللہ ہیں۔ اجماع امت ہے دلائل عقلیہ ہیں (جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں)

علامہ ابن رشدؒ (المتوفی ۵۹۵ھ) "بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد" میں لکھتے ہیں۔

فاما معرفتہ وجوبھا۔ فمعلوم من الکتاب والسنۃ والاجماع والاخلاف فی ذلک (کتاب الزکوٰۃ ص۲۲۳)

زکوٰۃ کی فرضیت کی معرفت تو وہ کتاب۔ سنت۔ اجماع سے معلوم ہے اور اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔

"ہدایہ" میں ہے :۔

اما الوجوب فلقولہ تعالیٰ واتوا الزکوٰۃ ولقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ادوا زکوٰۃ اموالکم۔ وعلیہ اجماع الامۃ۔ والمراد بالواجب الفرض۔ لانہ لا شبھۃ فیہ کتاب الزکوٰۃ ص۱۶۵ ج۱

زکوٰۃ کا وجوب ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول اتوا الزکوٰۃ (زکوٰۃ ادا کرو) سے۔ اور رسول اللہ صلعم کے ارشاد ادوا زکوٰۃ اموالکم (اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو) سے۔ اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اور لفظ واجب سے مراد فرض ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

"جواہر نیرہ" میں ہے۔

قولہٗ الزکوٰۃ واجبۃ) ای فریضۃ محکمۃ ثبتت فرضیتھا بالکتاب۔ والسنۃ المتواتر

قولہ زکوٰۃ واجب یعنی فرض محکم ہے۔ اس کی فرضیت کتاب اللہ اور سنت متواترہ اور اجماع متواتر سے

والاجماع المتواتر۔ اما الکتاب فقولہ تعالیٰ (واتوا الزکوٰۃ)، واما السنۃ فقولہ علیہ السلام بنی الاسلام علی خمس و ذکر منھا الزکوٰۃ والاجماع منعقد علی فرضیتھا من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا ھذا (کتاب الزکوٰۃ ص۱۲۶)

ثابت ہے۔ کتاب اللہ میں اتوا الزکوٰۃ (زکوٰۃ ادا کرو) کا حکم ہے۔ "سُنّت" میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے بنی الاسلام علی خمس (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے) ان ہی پانچ میں زکوٰۃ ہے اور اسکی فرضیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج کے دن تک اجماع ہے۔

مصفّی شرح موطا میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں

زکوٰۃ فریضہ محکمہ ست۔ کافر می شود منکر او۔ و جہاد کردہ شود باکسیکہ منع نماید و نہ دہد زکوٰۃ (باب قتال من منع الزکوٰۃ)

زکوٰۃ فریضہ محکمہ ہے۔ اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے اور ان لوگوں کے ساتھ جو زکوٰۃ کو منع کریں۔ اور زکوٰۃ ادا نہ کریں جہاد کیا جائے گا۔

باب فضل الصدقة واثم منعها

ادائے زکوٰۃ کا ثواب اور نفع

ایک مسلمان کے عمل کرنے کے لئے صرف اس قدر معلوم ہوجانا کافی ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فلاں کام کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کے انجام دینے کا ارشاد فرمایا ہے۔ اس لئے بعض صحابہ کرامؓ پر یہ بھی گراں گذرتا تھا کہ کسی امر کے متعلق ان سے اس طرح پوچھا جائے۔ کہ یہ واجب ہے؟ یا نہیں؟ وہ فرماتے تھے۔ کہ بس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا۔ یا ان کو یہ کرتے ہوئے دیکھا اور یہ کافی ہے۔

بہرحال ایک مومن صادق کی یہی شان ہونی چاہئے۔ کہ شریعت کا حکم جاننے کے بعد عمل کے لئے آمادہ ہوجائے۔ نہ اس میں زیادہ کرید کرے اور نہ قیل وقال۔ نہ اس پر غور کرے کہ اس حکم کا فلسفہ کیا ہے؟ نہ یہ سوچے کہ ہم کو اس کے عوض کیا ملے گا؟ مگر فطرت انسانی کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ وہ ثواب اجر کی بشارت سنکر عمل کی جانب راغب ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو جو بشارتیں دی ہیں۔ اور ادائے زکوٰۃ پر جو ثواب مقرر کیا ہے۔ ترغیب کے لحاظ سے چند آیتیں اور حدیثیں اس کے متعلق لکھی جاتی ہیں:-

ادائے زکوٰۃ سے مال کی زیادتی

من ذا لذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافا کثیرا واللہ یقبض ویبسط والیہ ترجعون (بقرہ ع۳۲ پ۲)

کون شخص ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے قرض حسن (زکوٰۃ یا صدقات) دیتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو اس شخص کے لئے بہت زیادہ بڑھائے اور اللہ ہی روزی دیتا ہے۔ اور تنگی ڈالتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ (قرآن مجید)

اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو قرض دیگا۔ بشرطیکہ وہ حسن طریقہ سے

ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو چند گونہ دیگا۔ پھر عموماً زکوۃ دینے میں لوگوں کو خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ مال مفت میں ضایع ہوگا۔ اس خطرہ کے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس ایت میں وعدہ فرمایا ہے کہ قرض حسن جسقدر تم دوگے۔ اس سے بہت زیادہ ہم دیں گے۔ اسی لئے صدقات وزکوۃ

ع یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی راہ میں "حسن" طریقہ سے مال خرچ کریں گے یہ نوازش ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے مال کو ان کے لئے کئی گنا بڑھا دیگا۔ علامہ الشیخ اسمعیل حقی مہاجر اپنی تفسیر "روح البیان" میں اس ایت کے تحت میں لکھتے ہیں:۔

واللہ یقبض یقتر علی بعض ویبسط یوسع علی بعض او یقتر تارۃ ویوسع اخری۔ حسبما تقتضیہ مشیتہ المبنیۃ علی الحکم والمصالح واذا علم العبد ذلک ھان علیہ الاعطاء لان اللہ تعالی ھو الرزاق وھو الذی وسع علیہ فھو یسئل منہ ما اعطاہ ولانہ یخلفہ علیہ فی الدنیا ویثیبہ علیہ فی العقبیٰ۔

اور اللہ ہی بعض آدمی پر تنگی ڈالتا ہے اور بعض آدمی پر روزی کی کشائش کرتا ہے۔ یا یہ کہ ایک ہی شخص پر کبھی تنگی ڈالتا ہے اور کبھی وسعت دیتا ہے یہ سب کچھ خدا کی اس مشیت کے موافق ہوتی ہے۔ جو حکم اور مصالح پر مبنی ہوتی ہے اور جب بندہ کو اس کا علم ہوجائیگا۔ تو اس پر اللہ کی راہ میں دینا آسان اور سہل ہوجائیگا۔ اس لئے کہ اللہ ہی روزی دینے والا ہے اور اسی نے روزی کی وسعت دی ہے۔ اور اس کی ذات ایسی ہے کہ وہ جو کچھ دے اس سے مانگے۔ اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں دجو کچھ اللہ کی راہ میں دیتا ہے) اس کا بدلہ دیتا ہے۔ اور آخرت میں ثواب دیتا ہے

ص ۲۵۸ ج ۱

حاصل یہ کہ عقبیٰ کے ثواب کے علاوہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس کے مال (یعنی قرض حسن) کے بدلے میں اس کی جگہ پر کئی گنا زیادہ کر کے نوازش فرمائیگا۔ ذیل کی حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

عن ابی ھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من یوم یصبح العباد فیہ الا ملکان ینزلان فیقول احدھما اللھم اعط منفقا خلفا۔ ویقول الاخر اللھم اعط ممسکا تلفا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر روز جب خدا کے بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ ان میں ایک کہتا ہے کہ اے میرے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا قائم مقام دے اور دوسرا کہتا ہے۔ کہ اے خدا بخیل کو نقصان اور ہلاکت دے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالی انفق یا ابن

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اولاد

کو اللہ تعالیٰ نے لفظ "قرض" سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ قرض واپس ہوا کرتا ہے۔ پھر چونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ قرض ہضم ہوجاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ایسا قرض ہے۔ جس میں خسارہ کا اندیشہ نہیں ہے۔ یقیناً واپس ملے گا اور کئی گنا ہوکر واپس ملے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی سچائی کے لئے یہ دلیل بیان فرماتا ہے۔ کہ لوگوں کو جو تنگی اور فقر میں مبتلا کرتا ہے وہ اللہ ہی ہے اور لوگوں کو جو خوشحال کرتا ہے۔ وہ اللہ ہی ہے۔ تو پھر زکوٰۃ کو حسن طریقہ پر ادا کرنے میں لوگوں کو بخل مانع کیوں ہوتا ہے۔

پھر آخر آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تم کو مرنے کے بعد اللہ ہی کے پاس جانا ہے جہاں اللہ تعالیٰ تم کو تمہارا قرض واپس فرمادے گا۔

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ	جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کے خرچ کرنے کی مَثَل مانند اس دانہ کے ہے کہ جس دانہ سے سات خوشے (بالیں) نکلیں اور ہر خوشہ میں سو سو دانے ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) اُدم اُنفقُ علیک — آدم تم خرچ کرو۔ میں تم پر انفاق کروں گا۔

اسی طرف اشارہ ترمذی شریف کی اس حدیث میں ہے جو آگے آتی ہے۔ جس میں صدقہ کی کئی گنا کی زیادتی کی نوازش کے بعد فرمایا گیا ہے۔ کہ "وعند اللہ المزید" یعنی خدا کے ہاں جو ثواب ملے گا وہ مزید براں ہوگا۔ سورہ بقرہ میں "یمحق اللہ الربوا و یربی الصدقت" میں اسی طرف اشارہ ہے تفسیر بیضاوی میں ہے۔

یمحق اللہ الربوا یذھب برکتہ ویھلک المال الذی یدخل فیہ و یربی الصدقات یضاعف ثوابھا۔ و یبارک فیما اخرجت منہ (صفحہ ۱۳۶/۱)	اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے۔ یعنی اس کو برکت سے محروم کردیتا ہے اور جس مال میں سود کا دخل ہوتا ہے۔ خدا اس کو ہلاک کردیتا ہے اور زکوٰۃ خیرات کو بڑھاتا ہے یعنی اس کے ثواب کو چند در چند بڑھا کر دیگا اور جس مال سے اللہ کی راہ میں دیا جائے گا۔ اس میں برکت دی جائے گی۔

اسی کی ترجمانی شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کی ہے ؎

زکوٰۃ مال بدر کن کہ فضلۂ رزرا
چو باغباں ببرد بیشتر دہد انگور

عبدالصمد رحمانی

واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم (بقرہ ۳۶ ع پ ۳)

(گویا ایک کا سات سو) اور اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے جس شخص کیلئے بڑھانا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت دینے والا ہے۔ اور ہر ایک امر سے بخوبی واقف ہے۔ (قرآن حکیم)

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک نے زکوٰۃ و صدقات کے ثواب کو ایک نہایت واضح مثال میں بیان کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جس طرح ایک دانہ سے سات سو دانہ ہو سکتا ہے اسی طرح خدا کی راہ میں ایک روپیہ خرچ کرنے سے سات سو روپیہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ اللہ پاک اس سے بھی زیادہ دے سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ پاک وسعت والا ہے۔ اس کے یہاں کمی نہیں مگر اللہ علیم بھی ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ کون مال حلال ہے۔ کون حرام ہے۔ کس نے حب دلی اور اخلاص کے ساتھ دیا ہے۔ اور کس نے نام و نمود کے لئے۔ یا شرما شرمی سے دیا ہے۔ اس لئے اگر بعض لوگوں کو دنیا میں معاوضہ نہ ملے۔ تو انھیں غور کرنا چاہئے۔ کہ ہمارے عمل میں کون سا نقصان تھا۔ جسکی وجہ سے اللہ پاک نے معاوضہ نہیں دیا۔ اور مال کا اضافہ نہیں ہوا۔

وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ۔ وما اتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون (روم ۴ ع پ ۲۱)

اور تم جو کچھ سود دیتے ہو۔ تاکہ لوگوں کا مال بڑھے۔ تو وہ خدا کے نزدیک نہیں بڑھتا ہے۔ اور تم جو کچھ زکوٰۃ خدا کی خوشنودی کے لئے دیتے ہو تو وہ بہتر ہے، اور یہی لوگ ہیں جن کا مال بڑھیگا (قرآن حکیم)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ سود کی مذمت اور زکوٰۃ کی فضیلت ایک ساتھ بیان فرماتا ہے اولاً اس لئے کہ مانعین زکوٰۃ کا سب سے بڑا طبقہ سُود خواروں کا ہے۔ دوسرے سود خواری اور منع زکوٰۃ کی علت مشترکہ ہے۔ اور وہ بخل اور زیادتی مال کا حرص ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سود خواری کی اصلی علت کی نفی کی ہے۔ کہ سود سے مال کی زیادتی حقیقۃً نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ اور آخر کار ہلاکت و خسران ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اس آیت میں اللہ پاک نے سود خواروں کو مخاطب نہیں کیا۔ بلکہ سود دینے والوں کو۔ کیونکہ سود سے مال کی زیادتی جسقدر سود دینے والوں کی نظروں میں محسوس ہوتی ہے۔ سود خواروں کو محسوس نہیں ہوتی ہے۔ سود دینے والا جب سود میں ایک سو روپیہ کے عوض میں ایک سو پچیس روپے دیتا ہے۔ تو وہ یقین کرتا ہے۔ کہ پچیس روپئے اس کو مفت مل گئے اور ایک چوتھائی کی زیادتی ہوگئی۔ بخلاف سود خوار کے کہ وہ اس کو بمنزلہ اموال مکسوبہ کے

سمجھتا ہے۔ پس اللہ پاک فرماتا ہے۔ سود سے مال کی زیادتی نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ انجام کار اس کا نقصان ہوتا ہے۔ اگرچہ وقوع نقصان میں تاخیر ہو۔ بخلاف زکوٰۃ کے کہ زکوٰۃ دینے سے قطعاً مال میں زیادتی ہوگی۔ بشرطیکہ اخلاص ہو۔ اور محض رضاجوئی حق مقصود ہو۔

وما تنفقوا من خیر فلا نفسکم و ما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ و ما تنفقوا من خیر یوف الیکم و انتم لا تظلمون (بقرہ ۳۶ پ)

اور جو کچھ مال تم خرچ کرتے ہو، وہ اپنے ہی فائدہ کیلئے اور صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے۔ اور جو کچھ مال خرچ کروگے اس کا پورا پورا بدلہ تم کو ملے گا۔ اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا (کہ تم زکوٰۃ دو اور تم کو بدلہ نہ ملے)

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک زکوٰۃ دینے والوں کو بشارت دیتا ہے۔ کہ جو کچھ خرچ کروگے اس کا بدلہ کافی طور سے تم کو دیا جائیگا۔ اور پھر تاکید فرماتا ہے۔ کہ تم پر ظلم نہ کیا جائیگا۔ گویا زکوٰۃ کا بدلہ نہ دینا بھی ظلم ہے۔ جس کو خود اللہ پاک پسند نہیں کرتا ہے۔ اور یہ بھی فرمادیا۔ کہ زکوٰۃ جو تم نکالتے ہو تو اس کا نفع تمہیں ملتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو۔ رضاجوئی حق مقصود ہو۔

قرآن مجید کی طرح حدیث شریف میں بھی صدقہ کی وجہ سے مال کی زیادتی کا بیان ہے، حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے

ما فتح رجل باب عطیۃ بصدقۃ او صلۃ رحم الا زادہ اللہ کثرۃ (کنز العمال)

صدقہ اور صلہ رحمی کی نظر سے کوئی شخص بخشش کا دروازہ نہیں کھولتا ہے۔ لیکن اللہ اس کے لئے زیادتی فرماتا ہے۔

ادائے زکوٰۃ سے نقصان نہیں پہنچ سکتا

ومثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فاتت اکلھا ضعفین۔ فان لم یصبھا وابل فطل واللہ بما تعملون بصیرہ

(بقرہ ۳۶ پ)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اپنے اطمینان قلب کے لئے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ اس کے خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے۔ کہ ایک بلند مقام پر باغ ہو۔ اس باغ میں بارش ہوئی۔ تو اس کا پھل دوگنا آیا۔ اور اگر بارش نہ ہوئی۔ تو بلند مقام پر واقع ہونے کے سبب صرف شبنم ہی اس کے پھل لانے کے لئے کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ (قرآن حکیم)

اللہ پاک نے اس آیت کریمہ میں ادائے زکوٰۃ کے ثواب و منافع کو ایک مثال سے واضح

کیا ہے۔ کہ زکوٰۃ دینے والا کبھی خسارہ میں نہیں رہ سکتا ہے۔ اور اس کو نقصان[ع] نہیں ہو سکتا ہے اور بتا دیا کہ جس طرح وہ باغ جو بہت بلند مقام پر ہوتا ہے وہ بہر حال پھل لاتا ہے۔ بارش ہو یا نہو۔ اگر بارش نہ ہو تو اس کے پھل لانے کے لئے شبنم ہی کافی ہوتی ہے۔ پس جس طرح یہ باغ والا ہر حال میں نفع حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ دینے والا بہر حال نفع میں رہے گا۔ آخر آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تم جو کچھ کرتے ہو ہم دیکھتے ہیں۔ یعنی تم پر کتنی زکوٰۃ فرض ہے اور کتنا ادا کرتے ہو۔ اور زکوٰۃ میں کیسا مال دیتے ہو۔ اور کس نیت سے دیتے ہو۔ سب سے ہم واقف ہیں لہذا تم ہماری گرفت سے نہیں بھاگ سکتے ہو۔ تم مخلوق کو دھوکا دے سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ جیسا کرو گے۔ ویسا پاؤ گے۔

ع اس بارے میں کہ ادائے زکوٰۃ سے نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ ایک ارشاد ہے۔ حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ

انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ثلث اقسم علیھن واحدثکم حدیثا فاحفظوہ فاما الذی اقسم علیھن فانہ مانقص مال عبد من صدقۃ۔
(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث صحیح)

انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ تین باتیں ہیں۔ میں ان پر قسم کھاتا ہوں اور تم سے حدیث بیان کرتا ہوں اس کو یاد رکھو۔ جس پر میں قسم کھاتا ہوں، ایک بات یہ ہے کہ صدقہ سے بندہ کا مال کم نہیں ہوتا ہے۔
(روایت کی اسکی ترمذی نے اور کہا یہ حدیث صحیح ہے)

اسی مضمون کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانقصت صدقۃ من مال (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ صدقہ مال کو کم نہیں کرتا ہے۔

صاحب مرقاۃ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:۔

قولہ مانقصت صدقۃ من مال۔ بل تزید باضعاف مایعطی منہ بان ینجبر بالبرکۃ الخفیۃ۔ او بالعطیۃ الجلیۃ او بالمثوبۃ العلیۃ ۱۲

آپ کا ارشاد کہ صدقہ مال کو کم نہیں کرتا ہے۔ (مطلب یہ ہے) مال سے جو کچھ صدقہ دیا جاتا ہے۔ (اس سے کمی نہیں ہوتی ہے) بلکہ چند در چند زیادتی ہوتی ہے اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں غیر محسوس طور پر برکت عطا فرماتا ہے۔ یا کھلے طور بخشش سے نوازتا ہے۔ یا بذریعہ گراں بہا ثواب کے مکافات کرتا ہے ۱۲

عبد الصمد رحمانی

زکوۃ دینے والوں کو خوف و غم لاحق نہ ہوگا

ان الذین اٰمنو و عملوا الصٰلحٰت واقاموا الصلوۃ و اٰتوا الزکوۃ لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (بقرہ ۶ ۳۸)

بیشک جو لوگ ایمان لائے۔ اور عمل صالح کیا۔ اور نمازیں پڑھیں اور زکوۃ ادا کی۔ تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس ثواب اجر ہے۔ اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا۔ اور نہ کوئی حزن و غم۔ (قرآن حکیم)

الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرًا و علانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (بقرہ ۶ ب)

جو لوگ اللہ کی راہ میں رات اور دن پوشیدہ یا کھلم کھلا خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثواب و اجر ہے۔ اور نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ وہ غمگیں ہونگے (قرآن حکیم)

ان دونوں آیتوں میں اللہ پاک (انفاق اور ادائے زکوۃ کا ثواب اجر دینے کے علاوہ) یہ بشارت دیتا ہے۔ کہ زکوۃ ادا کرنے سے خوف اور ڈر۔ حزن و ملال۔ لاحق نہ ہوگا۔ اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اس لئے اس کی صحت میں نہ کوئی کلام ہوسکتا ہے نہ تردد

خوف و غم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اخروی۔ دوسرے دنیاوی۔ پس ایمان کے بعد عمل صالح، نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ۔ جہاد سبیل اللہ سے خوف و غم اخروی کا نہ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ وہاں خوف و غم جب ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے۔ احکام اسلام سے روگردانی کی جائے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زندگی بسر ہو تو پھر خوف و غم کا نام و نشان نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے کہ بندے اس کی اطاعت کریں۔ اس کو بھی وہ دوزخ میں جھونک دے اور عذاب میں مبتلا کرے۔

ایک اہم نکتہ

باقی رہا خوف و غم دنیاوی تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک شخصی۔ دوسرے قومی اور اگر نظر تعمق سے دیکھا جائے۔ تو شخصی خوف و غم قومی خوف و غم میں داخل ہے۔ یا اس پر مشتمل ہے۔ کیونکہ شخص بھی قوم کا ایک فرد ہے۔ اور قوم میں داخل ہے۔ پس اب قابل لحاظ

یہ امر ہے۔ کہ حسب ارشاد خداوندی ادائے زکوٰۃ سے خوف و غم رفع ہوگا؟ یا نہیں؟ اس کے لئے ضرورت اس کی ہے۔ کہ ہم ایک طرف دنیاوی حزن غم اور خوف و خطر کے انواع پر غور کریں۔ اور دوسری طرف زکوٰۃ اور مصارف زکوٰۃ پر غور کریں تو یقین ہو جائیگا۔ کہ جو کچھ خدا نے وعدہ فرمایا ہے۔ وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ کیونکہ فرد اور جماعت کے خوف و غم کی عموماً جو صورتیں پیش آتی ہیں وہ حسب ذیل ہوتی ہیں۔

(۱) فقر و مسکنت کا غم، جس سے یہ خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ یتیم، بیوہ، مسکین۔ فقیر۔ جو قوم و جماعت کے افراد ہیں فاقہ مستی سے ہلاک و برباد ہوں۔ اور اس کی وجہ سے جماعت کی طاقت کا نقصان ہوگا اور قوم کی قوت کمزور ہوگی۔ اور جب قومی قوت میں کمی آئیگی۔ تو دشمنوں کو دست درازی کا زیادہ موقع ملے گا۔ نیز اس فقر و فاقہ کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر ایسے غیر اخلاقی واقعات پیش آئیں گے۔ جن سے مخالفین اسلام کو جماعت اسلامی کو بدنام کرنے کا موقع ہاتھ آئے گا نیز یہ خطرہ بھی ہے۔ کہ ارتداد کا باب مفتوح ہو۔

(۲) قرض کا غم؛ جماعت کے افراد میں جب کوئی مقروض ہوگا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ پریشان حال ہو۔ اور اس تردد میں وہ اسلامی جوش و خروش۔ اور حب دلی کو کھو بیٹھے اور اس طرح پر وہ جماعت کا ایک عضو معطل بن جائے۔ اور جب جماعت کے ایک عضو میں کمزوری، ناتوانی۔ تعطلی ہوگی۔ تو جماعتی طاقت میں کمزوری ہوگی۔ اور جب جماعتی طاقت کمزور ہوگی۔ تو خوف و غم کا پیش آنا۔ لازمی امر ہے۔

(۳) سفر میں تنگدستی کا غم: جماعت اور قوم کا جب کوئی فرد مسافرت میں باوجودیکہ وہ اپنے گھر میں مالدار ہے۔ تنگدست ہو جاتا ہے۔ تو ہلاکت کے کنارے لگ جاتا ہے۔ اور اس شخص کی بربادی جماعت کے ایک فرد کی بربادی ہوگی۔ اور اس کا نتیجہ بھی جماعتی حیثیت سے وہی ہوگا۔ جو نمبر دوم میں ہم عرض کر چکے ہیں۔

(۴) مسلمان کے غلام ہونے کا غم: یہ بھی قومی کمزوری اور نقصان کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ منجملہ اور نقصانات کے ایک بڑا نقصان یہ ہے۔ کہ وہ بغیر اپنے مالک کی اجازت کے جہاد جیسی عظیم عبادت میں بھی اگر نفیر عام نہ ہو۔ تو شریک نہیں ہو سکتا ہے۔ چہ جائیکہ اور دوسری جماعتی خدمت اور مفاد میں کسی طرح حصہ لے۔ اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ اور اس نقصان سے جماعت کی

کمزوری۔ اور اس کا مستلزم خوف وخطر ہونا بالکل واضح امر ہے۔

(۵) مسلمانوں کے ارتداد کا غم: جماعت کے لئے بہت بڑی ہلاکت اس جماعت کے افراد کا اس سے کٹنا ہے۔ اور اس سے الگ ہو کر دشمن کی صف میں جا کر مل جانا ہے۔ جس کو جماعت اسلامی کی شرعی اصطلاح میں ارتداد کہتے ہیں۔ اگر جماعت میں اس کا لحاظ نہ ہو۔ اور اس کے لئے چارہ کار نہ ہو۔ تو جماعت کے لئے یہ سب سے بڑا خطرہ اور خوفناک غم ہے۔

(۶) حملہ اور ہجوم کا غم: جماعت کے لئے جس طرح یہ داخلی خطرات ہیں۔ خارجی خطرہ یہ ہے کہ دوسری جماعت اس پر حملہ آور ہو۔ اور جماعتی عصبیت کی بنا پر وہ اس کو مٹا ڈالنا اپنا جماعتی فرض سمجھتی ہو۔ تو پھر اس راہ میں سعی وجہاد کے لئے فی سبیل اللہ کے اصول پر مادی اور تعلیمی حیثیت سے جس جماعت کے پاس چارہ کار نہ ہوگا۔ اس کو اپنے وجود وبقا میں جو خوف وخطر ہوگا۔ وہ روز روشن سے بھی زیادہ روشن تر ہے۔

میرے خیال میں عموماً خطرات کی نوعیت ان ہی صورتوں میں ہوتی ہے۔ اور جماعت کے لئے ان خطرات سے زیادہ کوئی عظیم خطرہ اور نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ تمام خطرات وہموم اسی وقت جماعت اسلامی کو جماعتی حیثیت سے ہو سکتے ہیں۔ جب تک کہ ادائے زکوۃ۔ جمع زکوۃ۔ صرف زکوۃ۔ کا شرعی اصول اور شرعی ضابطہ کے مطابق نظم نہ ہو۔

کیونکہ ایسی صورت میں کہ شرعی طور پر زکوۃ بیت المال میں امیر کے ماتحت جمع نہ ہوگی نہ مجاہدین کے لئے ذخیرہ ہوگا۔ نہ فقراء ومساکین کے لئے کوئی نظم ہوگا۔ نہ مقروض کے لئے کوئی سہارا ہوگا نہ غلامی میں زندگی بسر کرنے والوں کی آزادی کے لئے کوئی چارہ کار ہوگا۔

لیکن اگر شرعی نظم زکوۃ کا ہو۔ تو یہی نظم ادائے زکوۃ تمام خطرات اور خوف وغم کا واحد علاج ہوگا۔ پھر ان کو حسب ارشاد خداوندی نہ حزن وملال ہوگا۔ نہ خوف وہراس ہوگا۔ ضرورت ہے کہ مسلمان عموماً۔ اور اغنیاء ومالدار خصوصاً آیات الٰہی کے اس اہم نکتہ پر غور کریں۔

زکوۃ وجہ مغفرت وافضل ہے

زکوۃ اموال مکسوبہ۔ اور عشر کے حکم کے بعد ارشاد ہے۔

الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم (ادائے زکوۃ میں) شیطان تم کو محتاجی کا خوف دلاتا ہے اور

بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا واللہ واسع علیم۔

(بقرہ ع ۳۶ پ ۳)

(بخل کا جو نہایت بری بات ہے، حکم کرتا ہے، اور اللہ تم سے اپنی طرف سے گناہ بخش دینے اور فضل کرنے کا وعدہ کرتا ہے کیونکہ اللہ وسیع الفضل ہے اور تمہاری حالت سے واقف ہے

مطلب یہ ہے کہ شیطان ادائے زکوٰۃ میں محتاجی کا خوف دلاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ یہ وعدہ کرتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی پر تم کو آخرت میں مغفرت سے نوازے گا۔ اور دنیا میں تمہارے رزق میں فضل فرمائیگا۔

روح المعانی میں ہے:۔

(وفضلا) ای رزقا وخلفا وھو المروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فتکون المغفرۃ اشارۃ الی منافع الاخرۃ وھذا اشارۃ الی منافع الدنیا (صفحہ ۲۹ جلد ۱۲)

فضل سے مراد رزق اور زکوٰۃ کا قائم مقام ہے۔ اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ پس آیت میں "مغفرۃ" کے لفظ سے آخرت کی منفعت کی طرف اشارہ ہے اور "فضل" کے لفظ سے دنیا کی منفعت کی طرف اشارہ ہے۔

زکوٰۃ دافع بلیات ہے

عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بادروا بالصدقۃ فان البلاء لا یتخطاھا۔

(مشکوٰۃ باب الانفاق)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ صدقہ (زکوٰۃ) فوراً ادا کیا کرو۔ اسلئے کہ "بلا" صدقہ کو پھاند کر تم تک نہیں پہنچ سکتی ہے یعنی صدقہ دافع بلا ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ سے اللہ کا غضب دور ہوتا ہے اور سوءِ خاتمہ سے مومن محفوظ رہتا ہے

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصدقۃ لتطفی غضب الرب وتدفع میتۃ السوء (ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ صدقہ پروردگار کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ اور بری موت یعنی سوءِ خاتمہ کو دفع کرتا ہے۔

صدقہ وزکوٰۃ کا یوم محشر میں سایہ ہوگا

عن مرثد بن عبداللہ قال حدثنی بعض

حضرت مرثد بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ مجھکو بعض صحابی نے

اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان ظل المومن یوم القیامۃ صدقتہ
(رواہ احمد)

خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا حضور صلعم فرماتے تھے کہ بیشک قیامت کے دن مومن کے سر پر جو سایہ ہوگا وہ ان کا صدقہ ہوگا۔ (یہ صدقہ آفتاب کی تیزی سے محفوظ رکھیگا)۔

زکوۃ دینے والا بمنزلہ مجاہد ہے

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم بخیر الناس رجل ممسکٌ بعنان فرسہ فی سبیل اللہ الا اخبرکم بالذی یتلوہ رجل معتزل فی غنیمۃ لہ یودی حق اللہ فیھا الا اخبرکم بشر الناس رجل یسئل باللہ ولا یعطی بہ۔
(ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا؟ میں تملوگوں کو یہ خبر نہ دوں کہ سب لوگوں میں افضل و بہتر کون ہے؟ سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھوڑے کا لگام پکڑے ہوئے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کیلئے تیار ہے۔ جو اس مجاہد کے قریب ہے سنو وہ کون نہیں ہے جسکے پاس تھوڑی سی بکریاں ہیں۔ اور وہ بکریوں کا حق اللہ یعنی زکوۃ ادا کیا کرتا ہے۔ پھر فرمایا کیا بدترین انسان کا پتہ دوں؟ وہ انسان ہے جس سے اللہ کا واسطہ دیکر سوال کیا جائے اور وہ (باوجود استطاعت کے) نہ دے۔

ادائیگی زکوۃ کمال اسلام کی دلیل ہے

ان من تمام اسلامکم ان تودوا زکوۃ اموالکم۔
(کنز العمال عن علقمہ بن ناجیہ صفحہ ۲۴۹ ج ۳)

تمہارے اسلام کے کمال میں سے یہ بات ہے کہ اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو۔

زکوۃ کا نفع چند گونہ ملتا ہے

عن ابی امامۃ قال قال ابوذرؓ یا نبی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارأیت

حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ

الصدقة ماهی۔ قال اضعاف مضاعفة وعند الله المزید (رواہ احمد مشکوۃ)

صدقہ (زکوۃ) دینے کا کیا نفع ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چند در چند بڑھا کر ملے گا۔ اور اللہ کے یہاں (آخرت میں) مزید براں ملے گا۔

زکوۃ سے ستر بلائیں ٹلتی ہیں

عن رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصدقة تسد سبعین بابا من السوء (ترغیب ترہیب ص ۱۶۱)

حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ (زکوۃ) برائیوں یعنی بلاؤں کے ستر دروازے کو بند کر دیتا ہے۔

زکوۃ آتش جہنم سے نجات ہے

عن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصدقوا فان الصدقة فکاککم من النار (ترغیب)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانو! صدقہ دو اس لئے کہ صدقہ تمہارے لئے جہنم کی آگ سے چھٹکارا اور نجات ہے۔

ادائے زکوۃ سے عمر زیادہ ہوتی ہے

عن عمرو بن عوف رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صدقة المسلم تزید فی العمر وتمنع میتة السوء ویذھب اللہ بھا الکبر والفخر (ترغیب وترہیب ص ۱۶۱)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کا صدقہ (زکوۃ) دینا عمر کو بڑھاتا ہے۔ اور بری موت (سوء خاتمہ) سے بچاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صدقہ کی وجہ سے تکبر و فخر کو زائل کر دیتا ہے۔

زکوۃ میں جماعتی فلاح کا یہ حل ہے کہ کوئی ننگا بھوکا نہیں رہیگا

عن علی قال ان اللہ فرض علی الاغنیاء

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ

فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراءھم وان جاعوا وعروا وجھدوا فبمنع الاغنیاء وحق علی اللہ ان یحاسبھم یوم القیامۃ ویعذبھم علیہ۔

(ص۔ ق۔ کنز)
صفحہ ۳
ج ۳

نے مالدار لوگوں پر ان کے مال میں اس اندازہ سے زکوۃ فرض قرار دیا ہے جو فقیروں کے لئے کافی ہو جائے اب اگر فقراء بھوکے ننگے رہتے ہیں یا تکلیف میں پستے ہیں تو یہ مالدار لوگوں کے نہیں ادا کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ قیامت کے دن ان سے محاسبہ کرے اور نہیں ادا کرنے پر ان کو عذاب دے۔

عذاب منع زکوۃ

زکوۃ کی فرضیت اور اسکی فضیلت اور اس کے ثواب کے بیان کے بعد چند احادیث منع زکوۃ کے متعلق بھی ذکر کر دینا ضروری ہے۔ کیونکہ وحی الہی کا طرز خطاب یہی ہے کہ ترغیب کے بعد ترہیب کا ذکر کیا جائے۔ تاکہ ثواب واجر کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو کہ زکوۃ روک رکھنے اور ادا نہ کرنے کے کیا کیا عذاب ہیں۔ اور مانعین زکوۃ کتنی بڑی مصیبت میں مبتلا ہونگے۔ خدا اور قیامت پر ایمان رکھنے والا جب عدم ادائیگی زکوۃ کے عذابوں کا تصور کرتا ہے تو اسکے جسم وجاں پر کپکپی اور تھرتھراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسکے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ زندگی کی خوش عیش کامرانی تلخ معلوم ہوتی ہے۔ اور اپنی غفلت اور تساہل کی پاداش میں قدرتی طور پر اسکے اندر رد عمل کے اصول پر یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ تمام مال ودولت کو خدا کی راہ میں لٹا دے تاکہ خدا کے یہاں کی جواب دہی سے بچ جائے۔

عذابوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ عذاب ہے جو دنیا میں زجر وتنبیہ کیلئے کبھی کبھی ہوا کرتا ہے۔ اور ایک عذاب آخرت ہے۔ اور یہ عذاب نہایت سخت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولعذاب الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔ اسلئے اس مقام میں سب سے پہلے ہم عذاب آخرت کو لکھیں گے۔ اعاذنا اللہ وھو ارحم الراحمین۔

عذاب آخرت

والذین یکنزون الذھب والفضۃ جو لوگ سونا چاندی جمع رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں

ولا ينفقونها في سبيل الله فبشرهم
بعذاب اليم ۝ يوم يحمى عليها
في نار جهنم فتكوى بها جباههم
وجنوبهم وظهورهم۔ هذا
ما كنزتم لانفسكم فذوقوا
ما كنتم تكنزون ۝
(توبہ ع ۵ پ ۱۰)

اس کو خرچ نہیں کرتے ہیں (یعنی زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں)
تو ان کو سخت تکلیف وعذاب کی خوشخبری دیدو۔ جس
دن کہ سونا چاندی جہنم کی آگ میں گرم کیے جائینگے
پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور انکی
پیٹھیں داغی جائینگی (اور کہا جائیگا) یہی ہے وہ مال
جو تم نے دنیا میں اپنے لئے جمع کیا تھا بس (آج) اپنے
جمع کیے ہوئے کا مزہ چکھو۔ (قرآن حکیم)

اس آیت میں سونا۔ چاندی جمع کرنے کی مذمت نہیں ہے۔ بلکہ بغیر ادائے زکوٰۃ سونا چاندی رکھنے کی مذمت ہے۔ اور اسی پر وعید اور عذاب ہے۔ سونا، چاندی۔ عام ہے کہ روپیہ ہو یا اشرفی ہو، زیورات ہوں یا ظروف ہوں، اینٹ کی شکل میں ہو یا تھوک ہو الغرض سونا چاندی جس شکل میں بھی ہو۔ اگر اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی جائیگی تو اسکے لئے عذاب ہے۔ اور اس آیت میں صرف سونا چاندی کا ذکر خصوصی طور پر اسلئے کیا گیا ہے کہ یہی اکرم اموال اور راس الاموال ہیں۔ ورنہ دوسرے اموال کا بھی زکوٰۃ نہ دینا سخت عذاب کا موجب ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔

ولا يحسبن الذين يبخلون بما
اتهم الله من فضله هو خيرا لهم
بل هو شر لهم سيطوقون
ما بخلوا به يوم القيمة ولله
ميراث السموت والارض
والله بما تعملون خبير ۝
(آل عمران ع ۱۹ پ ۴)

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے مال و
دولت دیا ہے اور اسکی زکوٰۃ نہیں دیتے اور بخل کرتے
ہیں تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ بخل اور منع زکوٰۃ ان
کیلئے بہتر ہے بلکہ وہ ان کیلئے شر یعنی عذاب کے قریب ہے، کہ
اس مال کا کہ جس میں بخل کیا گیا ہے۔ قیامت کے دن
ان کو طوق پہنایا جائیگا۔ یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ محتاج
ہے اللہ تعالیٰ کی ملکیت تو تمام آسمان وزمین میں ہے۔
اللہ تمہارے عمل سے خوب واقف ہے۔

اس آیت کریمہ میں جملہ اموال زکوتیہ کی زکوٰۃ نہ دینے پر وعید ہے۔ سونا چاندی کی تخصیص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن عذابوں کو اجمالاً بیان کیا ہے حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اسکی خوب اچھی طرح تفصیل کردی ہے۔ ارشاد ہے:-

عن ابی ھریرۃ رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من صاحب ذھب ولا فضۃ لا یودی منھا حقھا الا اذا کان یوم القیامۃ صفحت لہ صفائح من نار فاحمی علیھا فی نار جھنم فیکوی بھا جنبہ وجبینہ وظھرہ کلما ردت اعیدت لہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ حتے یقضی بین العباد فیری سبیلہ اما الی الجنۃ واما الی النار۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے سونا چاندی رکھنے والے ہیں، اور اس سے حق زکوۃ نہیں ادا کرتے ہیں تو قیامت کے دن اس سونا چاندی کے اسکے تر بنائے جائینگے پھر وہ سب جہنم کی آگ میں گرم کئے جائینگے اور اسی سے سونا چاندی والوں کی پیشانیاں، اور پہلو اور پیٹھ داغی جائیگی۔ اور وہ دن قیامت جبکہ ایک روز پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ اس میں یہی عذاب ان پر برابر بار بار ہوتا رہیگا یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائیگا۔ پھر فیصلہ کے بعد جنت یا دوزخ کا راستہ دکھلا دیا جائے گا۔ (یعنی حساب اعمال کے بعد جو فیصلہ ہو مگر زکوۃ نہ دینے والوں پر قبل ہی سے یہ عذاب ہوتا رہیگا۔ الامان والحفیظ)

قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالابل۔ قال ولا صاحب ابل لا یودی منھا حقھا۔ ومن حقھا حلبھا یوم وردھا الا اذا کان یوم القیامۃ بطح لھا بقاع قرقر اوفر ما کانت لا یفقد منھا فصیلا واحدا تطاہ باخفافھا وتعضہ بافواھھا کلما مر علیہ اولیھا رد الیھا اخریھا فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ حتی یقضی بین العباد فیری سبیلہ اما الی الجنۃ واما الی النار۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اونٹوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپنے فرمایا کہ ایسا اونٹ اگر اسکا حق ادا نہ کریں یعنی زکوۃ نہ دیں (اور اونٹوں میں ایک حق گھاٹ پر مسافروں کو دودھ پلانا ہے) تو قیامت کے دن ہموار اور سطح زمین پر ان کے مالکان لٹا دیے جائینگے اور وہ سب اونٹ دنیا کے اعتبار سے زیادہ فربہ موٹے ہوکر آئینگے۔ ایک بچہ بھی غائب نہ ہوگا۔ وہ سب کے سب اپنے پاؤں سے اسکو کچلیں گے۔ دانتوں سے کاٹیں گے ایکے بعد دیگرے سب اونٹ اسی طرح کرتے رہیں گے یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائیگا۔ اور یہ عذاب اس دن ہوگا جس دن ایک روز پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ بعدہ اس کا راستہ دکھلایا جائیگا جنت کا یا جہنم کا۔

قیل یا رسول اللہ فالبقر والغنم

پھر پوچھا گیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گائیوں اور

قال ولا صاحب بقر ولا غنم لا یودی
منها حقها الا اذا کان یوم القیامة
بطح لها بقاع قرقر لا یفقد منها شیئًا
لیس فیها عقصاء ولا جلحاء ولا عضباء
تنطحہ بقرونها وتطاہ باظلافها
کلما مر علیہ اولیها رد علیہ اخریها
فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة
حتی یقضی بین العباد فیری سبیلہ
اما الی الجنة واما الی النار۔

قیل یا رسول اللّٰہ فالخیل قال فالخیل
ثلثة ھی لرجل وزر۔ وھی لرجل ستر
وھی لرجل اجر فاما التی ھی لہ وزر
فرجل ربطها ریاء او فخرا ونواء علی
اھل الاسلام فهی لہ وزر واما التی
ھی لہ ستر فرجل ربطها فی سبیل
اللّٰہ ثم لم ینس حق اللّٰہ فی ظهورها
ولا رقابها۔ فهی لہ ستر۔ واما التی
فهی لہ اجر فرجل ربطها فی سبیل
اللّٰہ لاھل الاسلام فی مرج وروضة
فما اکلت من ذالک المرج او
الروضة من شئ الا کتب لہ عدد
ما اکلت حسنات وکتب لہ
عدد ارواثها وابوالها حسنات
ولا تقطع طولها فاستنت شرفا

بکریوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپنے فرمایا کہ گائے اور بکری کے
مالکان جو ان کے حقوق یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہیں انکو ہموار
زمین پر قیامت کے دن لٹا دیا جائیگا جس دن کی درازی پچاس
ہزار سال ہوگی وہ سب گائے اور بکریاں لائی جائینگی۔ ایک بھی
غائب ہوگی۔ اور نہ ان میں گھنگرو دار سینگ کی ہوگی نہ کوئی
چھوٹی سینگ کی ہوگی اور نہ بغیر سینگ کے ہوگی۔ اور سب اپنے
سینگوں سے اپنے مالکان کو مارینگی اور کھروں سے کچلیں گی یکے بعد
دیگرے اسی طرح سب کے تئیں روندیں گی یہاں تک بندوں کا فیصلہ ہو جائے
پھر جنت یا دوزخ کی راہ جو بھی اسکے لئے ہو دکھلا دی جائیگی۔

عرض کیا گیا یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم گھوڑوں کے متعلق
کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا گھوڑے تین قسم کے ہیں ایک قسم انسان کیلئے
عذاب ہے دوسری قسم انسان کیلئے پردہ ہے۔ تیسری قسم انسان
کیلئے ثواب اجر ہے پہلی قسم جو عذاب ہے وہ۔ وہ مرد ہے جس نے محض
لوگوں کے دکھلانے اور مسلمانوں پر فخر کرنے کیلئے باندھ رکھا ہے
دوسری قسم جو پردہ ہے وہ ایسا مرد ہے جس نے اللّٰہ کے راستہ
کیلئے گھوڑا پال رکھا ہے اور اللّٰہ کے اس حق کو جو اسکی پیٹھ سے
اور ذات سے متعلق ہے نہیں بھولتا۔ یعنی اگر زکوٰۃ واجب ہے تو
زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ تیسری قسم جو اجر و ثواب ہے وہ وہ ہے کہ کسی مرد
نے مسلمانوں کیلئے اللّٰہ کی راہ میں جہاد کرنے کیلئے گھوڑے پال
رکھے ہیں جو چراگاہ میں یا باغ میں باندھا گیا ہے اب وہ گھوڑا
چراگاہ اور باغ میں جو کچھ کھائیگا۔ اسکے کھانے کے اعداد و شمار
کے برابر ثواب ملے گا اور اسکی لید اور پیشاب کے اعداد و مقدار کے
مطابق بھی نیکیاں لکھی جائینگی۔ اور وہ گھوڑا اپنا رسہ توڑ کر
ایک ٹیلہ یا دو ٹیلے پر دوڑیگا تو اسکے قدموں کے اور لید وں کے

اروشربت فيئ الاكتب الله له عدد اثارها وارواثها حسنات ولامربها صاحبها على نهر فشربت منه ولا يريد ان يسقيها الاكتب الله عدد ماشربت حسنات ۔

قيل يارسول الله فالحمر ۔ قال ما انزل على فى الحمر شئ الاهذه الاية الفاذة الجامعة "فمن يعمل مثقال ذرة خيرًا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرًا يره ۔

(رواه مسلم)

عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلے الله عليه وسلم من اتاه الله مالا فلم يؤد زكوته مثل له ماله يوم القيامة شجاعًا اقرع له زبيبتان يطوقه يوم القيامة ۔

اعداد وشمار کے برابر نیکیاں لکھی جائینگی ۔ اور اگر اس کا مالک اس گھوڑے کو لیکر کسی نہر سے گذریگا بغیر ارادہ اس امر کے کہ اس کو پانی پلائے مگر گھوڑے نے پانی پی لیا تو بھی اُسکے پانی پینے کے برابر نیکیاں اسکی لکھی جائینگی ۔

عرض کیا گیا کہ گدہوں کے متعلق کیا ارشاد ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گدھوں کے متعلق خصوصیت کوئی وحی ہم پر نہیں اتری ہے ۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یہ ایک علحدہ اور جامع آیت ہی جس میں سب کچھ داخل ہے کہ جو شخص ایک ذرہ کے برابر عمل خیر کریگا تو اسکا اجر و ثواب پائیگا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برا عمل کریگا تو وہ بھی اسکو پائیگا یعنی عذاب کا مستحق ہوگا ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور اس شخص نے اسکی زکوۃ ادا نہ کی ۔ تو قیامت میں اس کا مال اس شخص کیلئے نہایت زہریلا سانپ ہوگا ۔ جو شدت زہر کے سبب گنجا ہوگا ۔ اسکے سر پر دو نقطے ہونگے اور اس شخص کے گلے میں طوق ہو جائیگا ۔

لہ شریعت اسلام میں جہاد کا کیا درجہ ہے ؟ اس کا معمولی اندازہ اس ایک حدیث سے ہو سکتا ہے ۔ کہ مسلمان محض جہاد میں مشغول نہیں ہے ۔ قتال نہیں کر رہا ہے ۔ صرف جہاد کی نیت سے گھوڑے باندھ رکھے ہیں ۔ اور ارادہ ہے کہ جسوقت جہاد کا اعلان ہوگا ۔ یا ضرورت ہوگی تو فوراً اللہ کی راہ میں جان دینے کیلئے نکل کھڑے ہونگے ۔ اللہ پاک کو اس بندہ کا یہ عمل یعنی بہ نیت جہاد گھوڑا پالنا اس قدر پسند آتا ہے ۔ کہ گھوڑے کے کھانے ۔ پینے ۔ دوڑنے ۔ غرض کہ ہر چیز کے برابر اس بندہ کے نام ثواب لکھتا ہے ۔ پھر جہاد ہی وہ عمل ہے ۔ جس کو " ذروۃ الاسلام " کہا گیا ہے ۔ جہاد ہی وہ عمل ہے جس کی بابت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے جہاد نہیں کیا ۔ اور نہ جہاد کرنے کی نیت کی ۔ اور وہ مر گیا ۔ تو وہ ایک طرح پر منافق مرا ۔ نعوذ باللہ منہ ۔

(بقیہ حاشیہ آگے)

ثم یاخذ بلهزمتیه یعنی شدقیه ثم یقول انا مالک انا کنزک ثم تلا۔ "ولا یحسبن الذین یبخلون الآیة۔ (رواه البخاری)

پھر اس شخص کے دونوں کلے کو زور سے پکڑ کر کاٹیگا۔ اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت "ولا یحسبن الذین یبخلون" پڑھی۔

عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال ما من رجل لا یؤدی زکوٰة ماله الا جعل الله یوم القیامة فی عنقه شجاعا۔ ثم قرأ علینا مصداقه من کتاب الله۔ ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاهم الله من فضله الآیة (رواه الترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجه)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسکے مال کو زہریلا سانپ بنا کر اسکے گلے میں طوق بنا دیگا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ سے اس عذاب کے مصداق میں اسی مذکور الصدر آیت کو پڑھکر سنایا۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان امرأتین اتتا رسول الله

عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ دو عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں

بقیہ حاشیہ صفحہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ اتنا اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہونے کی تمنا رکھتے تھے۔ اور اس تمنا کا اظہار یوں فرماتے تھے کہ "میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں" اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت کا کسقدر اشتیاق تھا۔ اور یہ صرف اسلئے کہ جہاد اعمال اسلام میں "چوٹی کا عمل" ہے۔

مسلمانوں کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ ہر مسلمان بچہ مجاہد اور مبلغ پیدا ہوتا ہے۔ اسکے معنی یہی ہیں کہ جہاد کے جذبہ سے کسی مسلمان کا خالی ہونا منافق ہونا ہے۔ مبلغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وحی الہی میں اسکی خلقت اور بشارت کی غرض ہی تبلیغ بتائی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر الخ (آل عمران ١٢ع)

تم بہترین امت اس وجہ سے ہو کہ ساری دنیا کی بھلائی کے لئے تمہاری خلقت ہوئی ہے۔ تاکہ نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو۔ (عبدالصمد رحمانی)

صلے اللہ علیہ وسلم وفی ایدیھما
سواران من ذھب فقال لھما
تودیان زکوتہ قالتا لا۔ فقال لھما
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
اتحبان ان یسورکما اللہ بسوارین
من نار قالتا۔ لا۔ قال فادیا
زکوتہ۔

(رواہ الترمذی)

ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ پس رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم دونوں اس کنگن
کی زکوۃ دیتی ہو؟ دونوں نے کہا نہیں۔ اس پر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو یہ محبوب
ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو آگ کا کنگن پہنائے۔ ان دونوں
نے عرض کیا۔ نہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا تو (ایسی صورت میں کہ آگ کا کنگن پہننا منظور
نہیں ہے) تم دونوں اپنے کنگن کی زکوۃ ادا کرو۔ (ترمذی)

عن عبد اللہ بن شداد بن الھاد
انہ قال دخلنا علی عائشہ رض زوج
النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت
دخل علی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فرأی فی یدی فتخات
من ورق فقال ماھذی یا عائشہ
فقالت صنعتھن اتزین لک
یا رسول اللہ قال اتودین زکاتھن
قلت لا۔ او ما شاء اللہ۔ قال ھو
حسبک من النار۔

(ابو داود۔ باب الکنز ما ھو وزکوۃ الحلی)

عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ہم حاضر ہوئے
تو انہوں نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہمارے پاس تشریف لائے، تو ہمارے ہاتھ میں چاندی
کے چھلے دیکھ کر فرمانے لگے کہ عائشہ یہ کیا ہے؟ حضرت
عائشہ نے جواب دیا کہ میں نے یہ اسلئے بنایا ہے کہ
آپکے لئے اس سے مزین رہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم انکی
زکوۃ بھی دیتی ہو۔ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ تو آپ
نے فرمایا کہ یہ تمہارے آگ میں جلنے کے لئے کافی ہے۔
یعنی زکوۃ نہ دوگی تو جہنم میں جلوگی۔

(ابو داود)

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن
جدہ ان امرأۃ اتت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ومعھا ابنۃ
لھا وفی ید ابنتھا مسکتان غلیظتان
من ذھب فقال لھا تعطین زکوۃ

عمرو بن شعیب کے دادا سے روایت ہے کہ ایک عورت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی
اسکے ساتھ اسکی بیٹی تھی۔ اور بیٹی کے ہاتھ میں سونے
کا موٹا کنگن تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ تم اس کنگن کی زکوۃ دیتی ہو؟ اس نے

هذا - قالت لا - قال ایسرک ان
یسورک اللہ بهما یوم القیامة
سوارین من النار قال فخلعتهما
فالقتهما الی النبی صلی اللہ علیہ
وسلم وقالت هما للہ ورسولہ -
(ابوداود - باب الکنز ما هو وزکوة الحلی)

جواب دیا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ کیا تجھکو یہ پسند
ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے دن تم لوگوں کو آگ کا
کنگن پہنائے - راوی نے کہا کہ اس عورت نے فوراً ان
کنگن کو اتار دیا - اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے سامنے ڈالدیا - اور عرض کیا کہ یہ دونوں اللہ اور
اللہ کے رسول کیلئے ہیں - (ابوداود)

زکوۃ نہیں دینے والوں کی نماز مقبول نہیں ہوگی

لا یقبل اللہ تعالی صلوة رجل لا یودی
الزکوة حتی یجمعهما فان اللہ تعالی
قد جمعهما فلا تفرقوا بینهما -
(رح عن ابن کنز العمال)
ص ۲۵۰ / ۳

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالی اس شخص کی
نماز قبول نہیں کرتا ہے جو زکوۃ ادا نہیں کرتا ہے - یہاں تک
کہ وہ ان دونوں کو جمع کرے - یعنی نماز اور زکوۃ دونوں
ادا کرے - اسلئے کہ اللہ تعالی نے نماز اور زکوۃ کو ایک ساتھ
بیان فرمایا ہے، لہذا تم لوگ زکوۃ و نماز کے درمیان
تفریق نہ کرو -

زکوۃ نہیں دینے والوں کا ایمان مقبول نہیں ہوگا

لا یقبل اللہ الایمان والصلوة
الا بزکوة - (دیلمی عن ابن عمر، کنز العمال ص ۲۵۰ ج۳)

اللہ تعالی ایمان اور نماز کو بغیر زکوۃ کے قبول نہیں
کرے گا -

عذاب دنیا

صدر کی تصریحات میں قرآن و حدیث سے ان عذابوں کا مختصراً ذکر ہوا
جو آخرت میں زکوۃ نہ ادا کرنے والوں پر ہوں گے - لیکن زکوۃ نہیں دینے سے
دنیا میں جس قسم کے عذاب اور مصائب نازل ہوتے ہیں، وہ بھی کچھ کم نہیں -
ان کی مختصراً تفصیل حسب ذیل ہے -

زکوۃ نہ ادا کرنے سے بارش پر اثر ہوتا ہے

عن عبد الله ابن عمر قال اقبل علينا رسول الله صلے الله عليه وسلم فقال يا معاشر المهاجرين خمس اذا ابتليتم بهن ـ واعوذ بالله ان تدركوهن لم يظهر الفاحشة في قوم قط حتى يعلنوا بها ـ الا فشا فيهم الطاعون والاوجاع التي لم تكن مضت في اسلافهم الذين مضوا ـ ولم ينقصوا المكيال والميزان الا اخذوا بالسنين و شدة المؤنة وجور السلطان عليهم ولم يمنعوا زكوة اموالهم الا منعوا القطر من السماء ولو البهائم لم يمطروا ـ ولم ينقضوا عهد الله وعهد رسوله الا سلط الله عليهم عدوا من غيرهم فاخذوا بعض ما في ايديهم

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ اے جماعت مہاجرین جب تم لوگ پانچ گناہوں کے مرتکب ہوگے تو عذاب آلام میں مبتلا ہوگے۔ اور میں خدا کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس گناہ کے ارتکاب کو پاؤ (اول) جب قوم میں زناکاری اس حد تک پھیل جائیگی کہ علانیہ لوگ اپنا منہ کالا کرینگے۔ تو پھر اس قوم میں طاعون پھیلے گا۔ اور ایسی ایسی نئی بیماریاں ہونگی جو ان کے پہلے اسلاف میں نہ ہوئی ہونگی (دوم) یہ کہ جب لوگ ناپ تول میں کمی کرینگے تو خدا کی طرف سے انکی گرفت حسب ذیل صورت میں ہوگی۔ قحط و خشک سالی سختی و مشقت۔ بادشاہ کا ان پر ظلم (سوم) یہ کہ جب اپنے مالوں کی زکوۃ دینا بند کر دینگے۔ تو آسمانی بارش سے محروم کر دیئے جائینگے۔ اور خدا کے نزدیک ایسے مبغوض ہونگے کہ اگر جانوروں کا خیال نہ ہوتا تو بارش کی نوازش نہیں کی جاتی (چہارم) یہ کہ جب لوگ اللہ و رسول کے عہد کو توڑ دیتے ہیں (خلاف شریعت کام کرتے ہیں) تو اللہ تعالے

لہ حدیث شریف کے اس ٹکڑے کو غور سے پڑھنا چاہیئے اور فکر و تدبر سے کام لینا چاہیئے کہ کس طرح صاف صاف لفظوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کیا ہے اور ایک ایک بات بتا دی ہے۔ مگر افسوس کہ ہم نے کچھ خیال نہ کیا اور برابر اللہ اور رسول کے عہد کو توڑتے چلے گئے۔ کیا اس میں عبرت نہیں ہے؟ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر کافروں کی حکومت ہو جانے کی علت یہ بتائی کہ جب تم لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کے عہد کو توڑ دوگے اور اسکے حکم کے خلاف چلوگے تو اللہ تعالی تمہارے دشمن کفار کو تم پر مسلط کر دیگا جو تمہارے بعض

وما لم تحکم ائمتھم بکتاب اللہ ویتخیروا مما انزل اللہ الا جعل اللہ باسھم بینھم۔

(رواہ ابن ماجہ صـ۳ باب العقوبات)

ان کے کافر دشمنوں کو مسلط کر دیگا۔ پھر وہ دشمن انکے قبضہ کی بعض چیزوں کو لے لیگا (نمبر ۲) یہ کہ مسلمانوں کے ائمہ اور امراجب کتاب اللہ کے مطابق حکم نہ کرینگے اور احکام منزل من اللہ قبول نہیں کرینگے تو اللہ تعالیٰ آپس کی جنگ وجدال کی بلا نازل کریگا۔

زکوٰۃ نہ دینے سے مال حلال بھی (جس پر زکوٰۃ ابھی فرض نہیں ہوئی ہے) اس کے ساتھ ہلاک ہو جائے گا

عن عائشۃ رضی قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ماخالطت الزکوۃ مالا قط۔ الا اھلکتہ۔ رواہ الشافعی والبخاری فی تاریخہ والحمیدی وزاد قال یکون قد وجب علیک

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب زکوٰۃ مال میں ملا ہوا رہیگا۔ اور زکوٰۃ کی رقم ادا نہیں کیجائیگی تو انجام کار وہ مال ہلاک ہو جائیگا۔ روایت کی اس کی امام شافعی نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور حمیدی نے بھی روایت کی ہے۔ اسقدر اضافہ کے ساتھ کہ جب تم پر زکوٰۃ فرض

٭ ملکوں کو تم سے چھین لیں گے۔ پس جو کچھ اللہ کے رسول صلعم نے فرمایا تھا وہی ہوا کہ آج کفار مسلط ہیں غیر مسلم کی حکومت ہے ملک پر ملک ایک ایک کر کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اور نکلتے جا رہے ہیں۔ جس کی علت ایک اور صرف ایک ہے۔ کہ ہم شریعت کے خلاف کام کرتے ہیں۔ اور جب کبھی اتباع شریعت کی دعوت دیجاتی ہے تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں پھر اصلاح حال کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ اور تسلط غیر کے عذاب سے کیونکر نجات ہوسکتی ہے

اگر یہ اصول صحیح ہے کہ مرض سے صحت اسی وقت ہوتی ہے۔ جب مرض کی علت کا ازالہ ہو جائے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ تسلط کفار سے نجات اسی وقت ہوسکتی ہے جب اسکی علت "ترک احکام شرعیہ" کا ہم ازالہ کریں اور اس راحت کوشی اور مطلق العنانی کو جس میں ہم مبتلا ہیں ترک کریں یعنی شریعت پر عمل کریں۔ اصول شریعت کی اتباع کریں۔ نظام شریعت کا اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں لحاظ رکھیں۔

وہ لوگ جو حکومت کافرہ کو ظل عاطفت اور سایۂ رحمت کہا کرتے ہیں، ان کو غور کرنا چاہئے کہ ہم کسقدر ناشایستہ کلمہ استعمال کرتے ہیں۔ اللہ اللہ جو چیز عذاب الٰہی ہے ہم اس کو رحمت سمجھتے ہیں۔ ۱۲ (عبد الصمد رحمانی)

صدقۃ فلا تخرجها فیهلك الحرام الحلال - (مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ الفصل الثانی)

ہوئی اور تم نے نہیں نکالا تو حرام مال حلال مال کو ہلاک کر دیگا۔

زکوٰۃ نہ دینے سے ارضی اور سماوی بلائیں نازل ہوتی ہیں

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتخذ الفیئ دولا والامانۃ مغنما والزکوٰۃ مغرما وتعلم لغیر الدین واطاع الرجل امرأتہ وعق امہ وادنی صدیقہ واقصی اباہ وظہرت الاصوات فی المساجد وساد القبیلۃ فاسقہم وکان زعیم القوم ارذلہم واکرم الرجل مخافۃ شرہ وظہرت القینات والمعازف وشربت الخمور ولعن آخر ھذہ الامۃ اولہا فارتقبوا عند ذلک ریحا حمراء وزلزلۃ وخسفا ومسخا وقذفا وآیات تتابع کنظام بال قطع سلکہ فتتابع -

(باب اشراط الساعۃ ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مال غنیمت کو لوگ اپنی دولت بنانے لگیں۔ اور اموال امانت مال غنیمت کی طرح ہضم ہونے لگیں اور زکوٰۃ دینے کو محض نقصان اور تاوان سمجھا جائے۔ اور علم دین کو دنیا کی طلب کیلئے حاصل کیا جائے۔ اور مرد اپنی بی بی کی فرمانبرداری میں رہنے لگے اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے۔ اور اپنے دوست کو اپنے قریب رکھے اور اپنے باپ کو دور رکھے اور مساجد میں فضول شور وغوغا ہو اور قبیلہ کی سرداری فاسق کرنے لگے۔ قوم کے لیڈر ذلیل لوگ ہوں اور کسی مرد کی تعظیم وتکریم اسکی شرارت کے خوف سے کیجائے اور گانیوالی عورتوں اور آلات لہو ولعب کا عام ظہور ہو۔ شرابیں کثرت سے پی جائیں اور اس امت محمدیہ کی پچھلی جماعت پہلی جماعت کو ملعون بتائے۔ تو اسوقت تم لوگ ان عذابوں کا انتظار کرو۔ نہایت سخت طوفانی ہوا یا زلزلہ اور زمین میں دھنسنے کا اور صورتوں کے مسخ ہونے کا اور آسمان سے پتھر اوکا۔ اور ایسی نشانیوں کا جو پے در پے ہونگی جس طرح کسی لڑی کا تاگا ٹوٹ جائے تو اسکے موتی پے درپے گرنے لگتے ہیں۔ (ترمذی)

اس حدیث شریف میں خبر دی گئی ہے کہ جب مسلمانوں میں ان سولہ امور کا ظہور ہوگا۔ تو دنیا ہی میں سخت ترین اور ذلیل ترین بلائیں اور مصیبتیں آئینگی۔ سخت سے سخت ہوائی طوفان

آئے گا۔ سخت زلزلہ آئیگا خسف ہوگا۔ مسخ ہوگا۔ آسمان سے پتھراؤ ہوگا۔ اور یہ سب ہی عذاب ہیں جو امم سابقہ پر آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جمیع مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ ان سولہ امور میں بہ طیب نفس اور خوشی سے زکوٰۃ نہ ادا کرنے کا بھی ذکر ہے گویا زکوٰۃ نہ دینے کو بھی ان عذابوں کے نزول میں دخل ہے۔ اب مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ جن امور سے ان کو ڈرایا گیا تھا۔ کیا آج وہ اس سے محفوظ ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آج مسلمان نہایت دلیری سے ان سب امور کے مرتکب ہیں۔ جن سے ان کو ڈرایا گیا تھا۔ پھر اگر بلائیں آتی ہیں۔ مسلمانوں پر ہلاکت و بربادی کے دل بادل برستے ہیں اور وہ تباہ ہوتے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ تو تعجب کیوں ہے؟ مسلمانوں کے لئے قانون الٰہی میں ترمیم تو نہیں ہو سکتی

وقت اب بھی نہیں گیا ہے۔ مسلمان صدق دل سے توبہ کریں۔ استغفار کریں۔ شریعت کی اتباع کے لئے آمادہ ہو جائیں اسی کو اپنا دستور العمل بنالیں۔ خدا ان کے ساتھ وہی نوازش کریگا جو اس نے پہلے کیا تھا۔ ورنہ یاد رکھیں۔ پھر وہ سب عذاب جن کا اس حدیث میں ذکر ہے ایک ایک کر کے نازل ہوگا۔ اور اس طرح پے در پے بلائیں آئیں گی کہ پھر مہلت نہیں ملیگی۔ اب یہ خدا کا فضل ہے کہ وہ بالکل ہلاک نہیں کئے گئے ہیں۔ مسخ نہیں کئے گئے ہیں۔ پتھراؤ نہیں کیا گیا ہے۔ کیا وہ اسی دن کے منتظر ہیں؟ اللّٰھم احفظنا وجمیع المسلمین والمسلمات من جمیع البلیات والآفات۔

مانعین زکوٰۃ کیلئے دنیا میں تعزیری حکم قتال ہے

مذکور الصدر عذاب تو وہ عذاب ہیں جو مانعین زکوٰۃ پر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور عذاب بھی ہے۔ جسکو تعزیری حکم کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ مانعین زکوٰۃ۔ زکوٰۃ نہ ادا کرنے کی وجہ سے آئین اسلامی میں اس امر کے مستحق ہو جاتے ہیں کہ ان سے جہاد و قتال کیا جائے۔ گویا شریعت اسلام میں وہ معاملہ جو کافروں کے ساتھ اُسوقت کیا جاتا ہے جبکہ وہ اصول اسلام کی مزاحمت کرتے ہیں۔ اُسی کا مستحق ایک مسلمان اُسوقت ہو جاتا ہے کہ جب وہ زکوٰۃ ادا کرنا بند کر دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ اول نے ان لوگوں سے قتال و جہاد

کیا۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوۃ سے قتال کرنا چاہا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا۔ لیکن آخر کار ان پر اس مسئلہ کی حقانیت منکشف ہوئی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے اپنے قول سے رجوع کیا۔ حدیث شریف میں یہ واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:۔

عن ابی ھریرۃ رض قال لما توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف ابوبکر بعدہ فکفر من کفر من العرب قال عمر بن الخطاب رض لابی بکر رض کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا "لا الہ الا اللہ" فمن قال "لا الہ الا اللہ" عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ فقال ابوبکر رض واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوۃ۔ فان الزکوۃ حق المال۔ واللہ لو منعونی عناقا کانوا یؤدونہا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتہم علی منعہا قال عمر رض فواللہ ماھو الا ان ان اللہ شرح صدر ابی بکر رض للقتال فعرفت انہ الحق۔

(بخاری مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپکے بعد خلیفہ بنائے گئے۔ اور عربوں میں سے جس کو کفر کی راہ اختیار کرنی تھی اختیار کر لیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ان مسلمانوں سے جو مانعین زکوۃ ہیں کس طرح قتال کرینگے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھکو لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تا آنکہ لوگ کلمہ توحید کا اقرار کریں۔ جس جس نے کلمہ توحید کا اقرار کیا اس نے اپنی جان اور مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا۔ سوا اسکے جو حق اسلام ہو اور اسکا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں ان سے ضرور قتال کرونگا جو نماز و زکوۃ میں فرق کرینگے۔ اسلئے کہ زکوۃ مال کا حق ہے خدا کی قسم اگر وہ لوگ ایک بکری کا بچہ بھی روک رکھیں گے جس کو وہ زکوۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے تھے تو بیشک میں اسکے روکنے پر ان سے قتال کرونگا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے سمجھا کہ اللہ تعالی نے قتال کرنے کیلئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سینہ کو کھول دیا ہے بس مجھے یقین ہوگیا کہ یہی حق ہے۔ (بخاری مسلم)

اختلاف اصل میں یہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً یہ سمجھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رض

مانعین زکوۃ سے جو قتال کرنا چاہتے ہیں۔ شریعت اسکی اجازت نہیں دیتی ہے۔ کیونکہ وہ مسلمان ہیں کافر نہیں ہوگئے ہیں اور قتال کفار سے کرنا چاہیئے۔ اسلئے حدیث مذکور سے استدلال کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو نہایت دقیق النظر تھے۔ انہوں نے اسی حدیث سے جواب دیا اور بتایا کہ مانعین زکوۃ سے قتال کفر کی وجہ سے نہیں ہے۔ اور وہ حقیقۃً کافر(۱) نہیں ہوگئے ہیں۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک کفر ہی کے سبب قتال نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الا بحق الاسلام کے الفاظ میں اشارہ کرکے بتادیا۔ کہ اگر مسلمان بھی حقوق اسلام ادا نہ کرے تو اسکی جان بھی اور اس کا مال بھی محفوظ نہیں ہو سکتا ہے حق اسلام کے لفظ میں نماز۔ روزہ۔ زکوۃ۔ سب فرائض داخل ہیں۔ صرف حدود وقصاص ہی حق اسلام میں داخل نہیں۔ یہی نکتہ تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پہلے نہ تھا۔ مگر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واضح فرمادیا تو ان پر حقیقت منکشف ہوگئی۔ اور اپنے قول سے رجوع فرمایا۔

---

(۱) بیشک وہ لوگ حقیقۃً کافر نہیں تھے۔ کیونکہ عہد صدیقی میں جس جماعت کے متعلق سوال وجواب اس حدیث میں ہے۔ وہ انکے متعلق نہیں ہے جو مرتد ہوگئے تھے۔ اور دین اسلام سے نکل گئے تھے بلکہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو مسلمان تھے۔ مگر انہوں نے اپنے رئیس قبیلہ کے روکنے کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زکوۃ نہیں بھیجا تھا بلکہ بطور خود اپنے قبیلہ میں تقسیم کردیا تھا۔ چنانچہ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ عہد صدیقی میں تین طرح کی جماعت تھی۔ جن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قتال فرمایا تھا۔ ان تینوں میں سے ایک جماعت اس طرح کے مانعین زکوۃ کی تھی۔ علامہ شوکانی رح کے الفاظ یہ ہیں۔

قال الخطابي اهل الردة كانوا صنفين صنفا ارتدوا عن الدين ونابذوا الملة وعدلوا الى الكفر وهم الذين عناهم ابوهريرة رض وهذه الفرقة طائفتان احديهما مسيلمة الكذاب من بني حنيفة وغيرهم الذين صدقوه على دعواه في النبوة واصحاب الاسود العنسي

خطابی کا بیان ہے کہ مرتدین کی دو قسمیں تھیں۔ ایک قسم تو وہ جنہوں نے دین سے ارتداد کیا۔ اور اسلام کو چھوڑدیا۔ اور کفر اختیار کرلیا۔ یہی لوگ ہیں جن کو حضرت ابوہریرہ رض نے بیان کیا۔ اور اس قسم کے لوگوں کی دو جماعت تھی۔ ایک جماعت مسیلمہ کذاب کی جو قبیلہ بنو حنیفہ وغیرہ کے لوگ تھے۔ جنہوں نے اسکے دعوی نبوت کی تصدیق کی۔ اور اسود عنسی کے

مانعین زکوٰۃ کے مستحق قتل ہونے کے متعلق ائمہ کرام اور مجتہدین عظام کا بھی یہی قول ہے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے :-

قال مالك الامر عندنا ان كل من منع فريضة من فرائض الله فلم يستطع المسلمون اخذها منه كان حقا عليهم جهاده حتى ياخذوها منه. (موطا امام مالک باب قتال من منع الزکوٰۃ)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک امر محقق ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کو روک دے ادا نہ کرے۔ اور مسلمان اس سے وصول نہ کر سکتے ہوں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس شخص سے جہاد کریں تا آنکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا فریضہ وصول کریں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷ ومن استجاب له من اهل اليمن. وهذه الفرقة باسرها منكرة نبوة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم مدعية النبوة لغيره فقاتلهم ابو بكر حتى قتل مسيلمة باليمامة والعنسي بصنعاء وانفضت جموعهم وهلك اكثرهم. والطائفة الاخرى ارتدوا عن الدين فانكروا الشرائع وتركوا الصلوة والزكوة وغيرهما من امور الدين وعادوا الى ما كانوا عليه في الجاهلية فلم يكن يسجد لله في الارض الا في ثلثة مساجد مسجد مكة. مسجد المدينة ومسجد عبد القيس.

ماننے والوں کی جو یمن کے تھے۔ اور یہ جماعت بالکلیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی منکر تھی اور آپ کے علاوہ دوسرے کی نبوت کی مدعی تھی۔ ان لوگوں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا اور مسیلمہ کذاب کو یمامہ میں اور اسود عنسی کو صنعا میں قتل کیا۔ ان کی جماعت پراگندہ ہو گئی۔ اور ان کے اکثر لوگ ہلاک ہوئے۔ دوسری جماعت جو اس پہلی قسم کی تھی، مرتدین کی وہ جماعت تھی جنہوں نے شرائع کا انکار کیا۔ نماز روزہ اور انکے علاوہ اور بھی دینی امور کو ترک کر دیا۔ اور اپنی جاہلیت کی حالت پر لوٹ آئے۔ ان ایام میں کل تین مسجدوں میں خدا کو سجدہ کیا جاتا تھا مکہ معظمہ کی مسجد۔ مدینہ منورہ کی مسجد۔ قبیلہ عبد القیس کی مسجد۔

(یہ قوم مرتدین کی پہلی قسم کی دو جماعت کا حال تھا)

والصنف الآخر هم الذين فرقوا بين الصلوة وبين الزكوة فانكروا وجوبها ووجوب ادائها الى الامام وهؤلاء على الحقيقة اهل بغي.

مرتدین کی دوسری قسم۔ وہ لوگ تھے جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا۔ اور زکوٰۃ کی فرضیت اور امام کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے واجب ہونے کا انکار کیا۔ اور یہ لوگ حقیقت کے اعتبار سے باغی لوگ تھے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تو اس اصل کو اور زیادہ وسعت دیتے ہیں اور فرائض کے علاوہ واجبات و سنن کے متعلق بھی ان کی یہی رائے ہے۔ چنانچہ امام سرخسی مبسوط میں لکھتے ہیں:۔

السنة سنتان منة اخذها هدى وتركها لا بأس به وسنة اخذها هدى وتركها ضلالة كالاذان والاقامة وصلوة العيدين وعلى هذا قال محمد رحمة الله عليه اذا اصر اهل المصر على ترك الاذان والاقامة امروا بهما۔

سنت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سنت تو وہ جسکے اختیار کرنے میں ہدایت ہے اور چھوڑ دینے میں مضائقہ نہیں ہے۔ دوسری سنت وہ ہے جس کا اختیار کرنا ہدایت اور اس کا چھوڑ دینا گمراہی و ضلالت ہے جیسے اذان، اقامت، عیدین کی نماز۔ اسی بنا پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر شہر کے لوگ اذان۔ اقامت کے ترک پر اصرار کریں۔

بقیہ حاشیہ — وانما لم يدعوا بهذا الاسم في ذلك الزمن خصوصا لدخولهم في غمار اهل الردة۔ و اضيف الاسم في الجملة الى اهل الردة اذ كانت اعظم الامرين واهمها۔ وأرخ مبدأ قتال اهل البغي من زمن علي ابن ابي طالب عليه السلام اذ كانوا منفردين في زمانه لم يختلطوا باهل الشرك۔ وقد كان في ضمن هؤلاء المانعين للزكاة من كان يسمح بالزكاة ولم يمنعها الا ان رؤساءهم صدوهم عن ذلك الراي وقبضوا على ايديهم في ذلك كبني يربوع فانهم قد كانوا جمعوا صدقاتهم۔ وارادوا ان يبعثوا بها الى ابي بكر رض۔ فمنعهم مالك بن نويرة من ذلك وفرقها

لیکن اس زمانہ میں خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کو باغی کے نام سے نہیں پکارا گیا۔ کیونکہ یہ لوگ بھی مرتدین کے زمرہ میں تھے۔ اسلئے فی الجملہ انکی طرف بھی مرتد ہی کے نام کا انتساب کیا گیا کیونکہ اسی کو اہمیت حاصل تھی۔ تاریخ میں باغیوں سے جنگ کرنی حضرت علی کرم اللہ وجہ کے زمانہ میں ابتداءً لکھی گئی۔ کیونکہ اس زمانہ میں صرف یہی لوگ تھے۔ اور اہل شرک کے ساتھ ان کا اختلاط نہ تھا۔

ان ہی لوگوں کے ضمن میں، وہ مانعین زکوۃ تھے جنہوں نے زکوۃ کے بارے میں بے اعتنائی برتی تھی۔ اور زکوۃ کو حقیقۃً روکا نہیں تھا۔ لیکن ان کے رئیس نے ان کو روک دیا تھا۔ اور ان کے ہاتھ کو پکڑ لیا تھا۔ جیسے قبیلہ بنی یربوع کے لوگ کہ ان لوگوں نے اپنی زکوۃ کو جمع کیا تھا۔ اور یہ ارادہ کر چکے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجیں گے۔ مالک بن نویرہ (جو سردار قبیلہ تھا) نے روک دیا۔ اور

فان ابوا قوتلوا علی ذلک بالسلاح کما یقاتلون عند الاصرار علی ترک الفرائض والواجبات ۔ وقال ابو یوسف امام المقاتلة بالسلاح عند ترک الفرائض والواجبات ۔ فاما فی السنن فیؤدبون علی ترکها ولا یقاتلون علی ذلک لیظهر الفرق بین الواجب وغیر الواجب ومحمد رحمة اللہ تعالی یقول ما کان من اعلام الدین فالاصرار علی ترکه استخفاف بالدین فیقاتلون

تو ان لوگوں کو اذان اقامت کیلئے حکم دیا جائیگا اس پر بھی اگر وہ لوگ انکار کریں تو اس انکار کی بنا پر ان سے حرب و ہتھیار سے جہاد کیا جائیگا۔ جس طرح کہ فرائض و وجبات کے ترک کے اصرار پر ان سے جہاد کیا جاتا ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فرائض واجبات کے ترک کے موقع میں۔ تو حرب و ہتھیار سے قتال صحیح ہے۔ لیکن سنت کے بارے میں اسکے ترک پر ان لوگوں کی تادیب کی جائیگی۔ سنت کے ترک پر جہاد نہیں کیا جائیگا۔ تاکہ واجب اور غیر واجب کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ سنت جو شعائر دین سے ہو۔ اسکے ترک پر اصرار کرنا چونکہ دین کی توہین ہے

بقیہ حاشیہ ص فیهم وفی امر هولاء عرض الخلاف ووقعت الشبهة لعمر بن الخطاب فراجع ابا بکر و ناظره واحتج علیه بقول النبی صلی اللہ علیه وسلم امرت ان اقاتل الناس الحدیث ۔ (نیل الاوطار ص)

قبیلہ میں اس کو تقسیم کر دیا۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں اختلاف رائے ہوا تھا۔ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو شبہ واقع ہوا تھا۔ پھر اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اور مناظرہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث امرت ان اقاتل الناس الخ سے استدلال فرمایا۔

پس اس سلسلہ میں بعض متاخرین اہل علم سے جو یہ نقل کی جاتی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں سے قتال کیا تھا وہ سب مرتد تھے، تسامح پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ تاریخ کے بھی خلاف ہے۔ عام ارباب علم اور محققین کی تحقیق کے بھی خلاف ہے۔ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے اس مکالمہ کے بھی خلاف ہے۔ جو حدیث میں مذکور ہے۔ کیونکہ اس مکالمہ کا تعلق مرتدین سے نہیں ہے بلکہ مسلمانوں سے ہے۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ استدلال میں یہ فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ جس نے کلمہ توحید کا اقرار کیا یعنی اسلام لے آیا اس نے اپنی جان اور اپنے مال کو محفوظ کر لیا۔ جواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواز جہاد کی دلیل میں ان کے مرتد ہونے کو نہیں بیان فرمایا بلکہ وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہے۔ اور اسکی تفصیل حدیث کی تحت میں ہو چکی ہے۔ (عبد الصمد رحمانی)

علی ذلک ابداً - (مبسوط ج۱ ص۱۳۳) اسلئے اسکے ترک پر ان سے جہاد کیا جائیگا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ترک سنن کی صورت میں اختلاف کرتے ہیں کہ قتال کرنا چاہئے یا نہیں؟ مگر فرائض و واجبات کے باب میں سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر فرض کے ترک پر اصرار ہو، تو مستحق قتل ہے۔ پس زکوٰۃ تو بالاتفاق فرض ہے۔ اسلئے مانعین زکوٰۃ کا مستحق قتل ہونا۔ اگر ترک پر اصرار ہو، ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ کسی کو خلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ امام و امیر کو چاہئے کہ قتال سے پہلے تفہیم و تہدید کرے۔ دفعتہً قتال نہیں کرنا چاہئے۔ جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول مذکور سے ظاہر ہوتا ہے۔

نیز حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے طریق عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ان کے ایک عامل نے اطلاع دی۔ کہ ایک شخص زکوٰۃ نہیں دیتا ہے۔ انہوں نے عامل کو لکھا کہ اچھا مسلمانوں کے ساتھ اسکی زکوٰۃ وصول نہ کرو۔ یہ ایک تہدیدی بات تھی کہ گویا اب اسکے ساتھ مومنین کاملین کے ایسا برتاؤ نہ ہوگا۔ اس کی اطلاع اس نادہندہ زکوٰۃ کو ملی۔ وہ خائف ہوا۔ اور عامل کے پاس زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ عامل نے خلیفہ کو لکھا کہ اب خود نادم ہو کر زکوٰۃ لے آیا ہے۔ کیا حکم ہوتا ہے۔ دربار خلافت سے حکم گیا کہ اچھا اب اس سے زکوٰۃ لے لو۔
(موطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ دفعتاً قتال نہیں کرنا چاہئے۔

فقہائے حنفیہ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ جب اغنیا اور مالداروں پر زکوٰۃ فرض ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ کریں تو قتل کئے جائیں۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔

فھی فریضۃ محکمۃ یکفر جاحدھا ویقتل مانعھا۔ ھکذا فی محیط السرخسی (کتاب الزکوٰۃ ص۱۷۰)

زکوٰۃ ایسا فریضہ ہے، جو کبھی اٹھ نہیں سکتا۔ اس کا منکر کافر ہے۔ اور جو شخص زکوٰۃ سے منع کرے وہ قتل کیا جائیگا اسی طرح فتویٰ محیط سرخسی میں ہے۔

اس باب میں جس طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ کا قول ہے اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ارشاد ہے۔ وہ اپنی کتاب الام "

میں لکھتے ہیں۔

والواجب علی الوالی ان لو منع رجل	جب کوئی مسلمان کسی چیز کو بھی ان چیزوں میں سے
من المسلمین شیئا لهم فی ماله	جو ان کے مال میں مسلمانوں کا حق ہے روک دے تو والی پر
ان یجاهد علیه۔	واجب ہے کہ اس کے لئے اس مسلمان سے جہاد کرے۔

ہر دیندار مسلمان کو چاہئے کہ وہ ان تمام احکام پر غور کرے۔ و نیز زکوۃ نہ دینے کی صورت میں جن عذابوں کا ذکر ہے، اس کو اچھی طرح پڑھے۔ اور اپنے نفس کو جو بخل پر آمادہ کرتا ہے اور زکوۃ کی ادائیگی سے روکتا ہے ان احکام میں تفکر کرکے اسکی اصلاح کرے۔

باب ولایۃ اخذ الزکوۃ والعشر

شرعاً زکوۃ وصول کرنے کا حق امام اور والی کو ہے

یہ مسئلہ مہمات دین سے ہے۔ اس کی اہمیت کا حال یہ ہے کہ فرضیت زکوۃ کے تمام حکم ومصالح کی عمارت اسی پر کھڑی ہوتی ہے۔ اور ان تمام اغراض ومقاصد کی تکمیل جو فرضیت زکوۃ میں مضمر ہیں وہ بھی اسی پر موقوف ہے۔ مگر ہماری جماعتی محرومی کا حال یہ ہے کہ اس کی اہمیت سے عوام تو عوام صحیح معنوں میں بعض خواص بھی غافل ہیں۔ یا ان کو اس کے متعلق انشراح صدر نہیں ہے۔

عوام کا خیال یہ ہے کہ زکوۃ کا امام اور والی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امام کو نہ تو زکوۃ کے مطالبہ کا حق ہے۔ نہ زکوۃ کی وصولی کا۔ گویا ان کے نزدیک شریعت اسلامیہ میں جو زکوۃ فرض ہے۔ اس میں اس حکم کی حیثیت محض انفرادی ہے۔ اس کے اندر جماعتی مرکزیت اور وحدت واجتماع کا بالکلیہ کوئی لحاظ نہیں ہے۔ حالانکہ اسلام کے متعلق اس سے بڑھکر کوئی زیادہ وہ شدید بدگمانی نہیں ہوسکتی ہے۔ کہ اس کے کسی اصولی حکم میں وحدت واجتماع اور مرکزیت کا خیال نظر انداز کردیا گیا ہے۔ جب کہ واقعیت کی شہادت یہ ہے کہ اسلام کی نشأت ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے صرف اسلئے ہوئی ہے کہ ساری دنیا کو جماعتی زندگی کے ایک نقطہ اور ایک مرکز پر لاکر کھڑا کردیا جائے۔ اور ساری اقوام عالم کو ایک رشتہ میں منسلک کرکے دنیا کا ایک ایسا مزاج بنادیا جائے۔ کہ غلط منافست کے غلط نتائج کی بربادی اور ہلاکت سے دنیا مصئون ومحفوظ ہوجائے۔ اسلئے یہ خیال کرنا کہ اسلام کے ارکان خصوصاً زکوۃ جس پر اسلام کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد ہے۔ ان کی حیثیت محض انفرادی ہے۔ اسلام اور مقاصد اسلام کا خون کرنا ہے۔

اس عمومی خیال سے ذرا نیچے اتر کر غلط فہمی کی بنا پر اس دور کے بعض غیر ذمہ دار تحریروں میں اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے کہ اموال[۱] ظاہرہ کی زکوٰۃ (یعنی مویشی (سائمہ) اور اموال تجارت جن کو تجار ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جاتے ہیں) اور عشر کو تو امام یا اس کا والی وصول کرے گا اور خود ارباب اموال کا مستحقین پر صرف کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ایسا کریگا تو شرعاً ایسا کرنا اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی کو مستلزم نہیں ہوگی لیکن اموال باطنہ یعنی سونا چاندی۔ اور شہر کے اندر بازار میں جو تجارت ہوتی ہو اسکی زکوٰۃ کی وصولی اور مطالبہ کا حق امام کو نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ عوام کے نزدیک تو زکوٰۃ بالکلیہ اجتماعی و تنظیمی حیثیت سے خالی ہے۔ اور اسکی حیثیت محض انفرادی ہے۔ اور اس غیر ذمہ دار تحریر کے سپرد کرنے والے بزرگ کے نزدیک زکوٰۃ میں تنظیم اور اجتماعی حیثیت کا لحاظ تو ہے مگر ناقص۔

ہم قبل اسکے کہ اس مسئلہ کے متعلق ان کی غلط فہمی اور خطاء اجتہادی کے منشا پر بحث کریں پہلے یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ کتاب و سنت کا اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے۔ جو احکام شرعیہ میں اصل الاصول ہیں۔ پھر یہ کہ صحابہ کرام جو کتاب و سنت سے بلا واسطہ مستفید تھے ان کا اور ان سے بلا واسطہ فائدہ اٹھانے والے حضرات تابعین کا کیا فیصلہ ہے۔ پھر یہ کہ خود ہمارے ائمہ ثلٰثہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا کیا مسلک ہے۔ اور ان کے مسلک کی تائید دوسرے مجتہدین کرام سے ہوتی ہے یا نہیں۔

کتاب و سنت کا فیصلہ

سورہ توبہ کی دو آیتیں

سورہ توبہ میں ارشاد ہے:۔

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم (اے پیغمبر آپ مسلمانوں کے مالوں سے صدقہ وصول کیجئے۔ اسکے ذریعہ

---

[۱] اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کے متعلق فقہائے کرام کی اصطلاح یہ ہے فمال الزکوۃ مال ظاھر وھو المواشی والمال الذی یمر بہ التاجر علی العاشر۔ و باطن وھو الذھب و الفضۃ و اموال التجارۃ فی موضعھا۔ (بدائع صنائع ج ۲ ص ۳۵)

شامی میں ہے۔ فان مال الزکوۃ نوعان۔ ظاھر وھو المواشی وما یمر بہ التاجر علی العاشر و باطن وھو الذھب والفضۃ واموال التجارۃ فی مواضعھا۔ (کتاب الزکوۃ باب العاشر) عبد الصمد رحمانی

وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم واللہ سمیع علیم ه	ان کو پاک اور مزکّٰی بنائیے۔ اور ان کیلئے دعا خیر کیجئے بیشک آپ کی دعا ان کے لئے راحت وسکون ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔
(توبہ ۱۳ع پ۱۱)	

یہ آیت اس مقصد میں صریح ہے کہ تمام انس وجن کے امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ آپ اغنیا سے جو صاحب نصاب ہوں، زکوۃ وصول کیجئے۔ جس کی غایت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ جناب باری تعالیٰ کو زکوۃ کے معاملہ میں تنظیم مقصود ہے۔ اسلئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس سے حضرت حق جل وعلا کو تنظیم مقصود نہیں ہے۔ اور اجتماعی وحدت کی بردمندی اور فلاح اور اسکی دائمی بقا کے لئے قیام بیت المال مدنظر نہیں ہے۔ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کیلئے وصولی زکوۃ کے حکم ہونے کے کیا معنی ہونگے؟ جبکہ تمام علماء امت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کیلئے بلکہ آپکے جملہ خانوادہ بنی ہاشم کے لئے زکوۃ حرام ہے حتی کہ آپکے غلاموں کے لئے بھی۔

پس بصیغہ امر حضرت حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ آپ انکی زکوۃ وصول کیجئے۔ اسکے معنی سوا اسکے اور کچھ نہیں ہیں کہ منشاء خداوندی یہ ہے کہ زکوۃ کی وصولی امام کے ذریعہ ہو اور اسکے جمع وخرچ کا امام کے تحت ایک نظم ہو۔ اور امام کی نگرانی میں حسب مصالح زکوۃ کی رقم مصارف زکوۃ میں صرف ہو۔ اور یہ نہیں ہو کہ انفرادی حیثیت سے اہل زکوۃ اپنی زکوۃ کو اپنے نقطہ نظر سے اسکے مصارف میں صرف کریں۔ اور مستحقین کو زکوۃ دیدیں۔

دوسری آیت زکوۃ کی تنظیمی نوعیت کے متعلق صریح وہ ہے جس میں مصارف زکوۃ کا بیان ہے۔ ارشاد ہے:۔

انما الصدقات للفقراء والمسٰکین والعاملین علیھا والمولفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم ه	صدقات (یعنی مال زکوۃ) کسی کیلئے نہیں صرف فقیروں اور مسکینوں کیلئے ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے جو زکوۃ کے کام کیلئے مقرر کئے گئے ہوں اور ان کیلئے جن کے دل میں کلمۂ حق کی الفت پیدا کرنی ہے۔ اور غلام کی گردن چھڑانے میں۔ اور قرضداروں کیلئے اور اللہ کی راہ جہاد میں اور مسافروں کیلئے یہ اللہ کا فریضہ ہے اور اللہ جاننے والا ہے اور اپنے تمام حکموں میں حکمت والا ہے۔
(توبہ ع پ۱۰)	

یہ آیت کریمہ بھی اس مقصد میں کہ زکوٰۃ کی نوعیت انفرادی نہیں ہے بلکہ تنظیمی ہے، صریح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ میں ایک مصرف والعاملین علیہا بھی قرار دیا ہے۔ یعنی زکوٰۃ کی رقم سے ان لوگوں کو بھی دیا جائے جو زکوٰۃ کے لئے عامل مقرر کئے گئے ہوں۔ چاہئے وہ زکوٰۃ تحصیل کرنے والے ہوں یا اسکے متعلق محرر و محاسب ہوں۔

وصولی زکوٰۃ کے لئے عامل کا تقرر اور معاوضہ عمل کے لئے مصارف زکوٰۃ میں اس کا لحاظ اور ذکر، اس امر پر صریح دلیل ہے کہ زکوٰۃ کی نوعیت اور حیثیت انفرادی نہیں ہے۔ بلکہ تنظیمی ہے۔ جس کا نظم امام کے ماتحت ہوگا۔ امام عامل مقرر کرے گا اور عامل کے ذریعہ اغنیا سے زکوٰۃ وصول کی جائیگی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا ایک خاص نظم ہو۔ اس کا حساب کتاب ہو۔ اور پھر حسب ضرورت اور مقاصد امام کے نظم کے تحت ان کے خاص خاص مصارف معینہ میں صرف ہو۔ ورنہ ایسی صورت میں کہ شرعاً بذات خود ارباب اموال خود مختار ہوں، نہ وصولی کیلئے عمال کی ضرورت ہوگی نہ اسکی تقرری کا مسئلہ ہوگا۔ نہ عمال کو زکوٰۃ میں سے وظیفہ دینے کا حکم صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اسکے وجود ہی کی ضرورت نہیں رہے گی۔

مفسّرین کے استدلال

ان ہی آیات سے مفسّرین کرام اور فقہائے عظام نے بھی اس مسئلہ پر دلیل قائم کی ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ دوسری آیت کے ماتحت لکھتے ہیں۔

(الحکم الثانی) دلت ھذہ الآیۃ علی ان ھذہ الزکوۃ یتولی اخذھا وتفرقھا الامام ومن یلی من قبلہ والدلیل علیہ ان اللہ تعالیٰ جعل للعاملین سھما فیھا وذلک یدل علی انہ لابد فی اداء ھذہ الزکوۃ	(دوسرا حکم یہ ہے) کہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ کے وصول کرنے اور تقسیم کرنے کی ولایت امام اور اسکے مقرر کردہ والی کو حاصل ہے۔ اس مدعا پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ میں ایک حصہ عاملین کا بھی فرض کیا ہے۔ اور یہ اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ ادائے زکوٰۃ کیلئے عامل کا ہونا ضروری ہے اور عامل وہ شخص ہے

ؔ ولا یختص العامل فی الساعی والجابی اذ منہ القاسم والکاتب الذی یکتب ما اعطاہ ارباب الاموال والعاشر الذی یجمع المستحقین والعریف والحاسب (فتح البیان صہ ج ۴)

من عامل والعامل هو الذي نصبه الامام لاخذ الزكوات فدل هذا النص على ان الامام هو الذي ياخذ هذه الزكوات وتاكد هذا النص بقوله تعالىٰ "خذ من اموالهم صدقة"

(تفسیر کبیر صہ ۶۸۲ ج ۴)

جس کو امام وصولی زکوٰۃ کیلئے مقرر کرتا ہے۔ پس اس نص نے صاف بتا دیا کہ امام ہی وہ شخص ہے جسکو زکوٰۃ وصول کرنا چاہیے۔ اور اس نص کی تاکید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ خذ من اموالهم صدقة آپ مسلمانوں کے مالوں کا صدقہ وصول کیجئے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ "عاملین" کا مصارف زکوٰۃ کی مدات میں ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ کے وصول کرنے اور تقسیم کرنے کی ولایت امام اور اسکے مقرر کردہ والی کو ہے۔ اور "خذ" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم کہ آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ "وصول کریں"۔ امام کی ولایت وصولی زکوٰۃ کیلئے مؤید اور مؤکد ہے۔ کیونکہ اس میں خطاب ذات نبوت کیلئے خصوصی حیثیت سے نہیں ہے۔ بلکہ اس میں خطاب کی حیثیت "خطاب مواجہہ" کی ہے۔ جس میں نبی اور امت برابر برابر مراد ہوتے ہیں۔ امام نووی خطاب مواجہہ کی مثال دیتے ہوئے اس آیت سے اس امر پر استدلال کرتے ہیں کہ ہر اس شخص پر جو امت کے معاملہ کا والی ہوا امیر ہو۔ اس پر لازم ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے۔ یعنی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ وصول فرماتے تھے، یہ بھی وصول کرے۔ امام نووی کے الفاظ یہ ہیں:۔

وخطاب مواجهة للنبي صلى الله عليه وسلم وهو وجميع امته في المراد به سواء كقوله تعالى "اقم الصلوة لدلوك الشمس الى غسق الليل - ولقوله تعالى فاذا قرات القران فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم - ولقوله تعالى فاذا كنت فيهم فاقمت لهم الصلوة - ونحو ذلك من خطاب المواجهة فكل ذلك غير مختص

(خذ) جو صیغہ امر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ انکے اموال سے صدقہ وصول فرمائے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جو خطاب ہے وہ خطاب مواجہہ ہے۔ اس حکم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی امت دونوں مقصود ہیں۔ جیسے کہ ان آیتوں میں دونوں مقصود ہیں۔ (۱) اقم الصلوۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل (۲) فاذا قرات القرآن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم (۳) فاذا کنت فیہم

برسول الله بل تشارکه فیه الامة۔
فکذا قوله تعالیٰ خذ من اموالهم صدقة
فعلی القائم بعده صلی الله علیه وسلم
بامر الامة ان یحتذی حذوه فی اخذها
منهم۔ وانما الفائدة فی مواجهة
النبی صلی الله علیه وسلم بالخطاب
انه هو الداعی الی الله تعالیٰ
والمبین عنه معنی ما اراد۔ تقدم اسمه
فی الخطاب لیکون سلوک الامر فی
شرائع الدین علی حسب ما ینهجه و
یبینه لهم۔

(نووی ص ۳۸/۱۲۰)

فاقمت لهم الصلوٰة۔ یا اسی طرح کی وہ تمام آیتیں
جس میں "خطاب مواجہۃ" ہو۔ پس ان کل آیتوں میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مختص نہیں ہوتی۔
ہے بلکہ اس میں امت شریک ہوتی ہے۔ پس اسی طرح
اللہ تعالیٰ کا قول "خذ من اموالہم صدقۃ" ہے۔ پس اس
شخص پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے
معاملہ کا والی ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وہ زکوٰۃ کی وصولی
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے۔ ہاں
اس طرح کے خطاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
روئے سخن کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ اس میں بتانا ہے کہ حضور ہی
داعی الی اللہ ہیں۔ اور آپ ہی خدا کی مراد کے بیان کرنے
والے ہیں۔ خطاب میں آپکے نام کا تقدم اسلئے ہوتا ہے کہ شرائع
دین میں خداوندی قانون کا رواج موافق اسکے ہو جسے
آپ امت کیلئے مقرر فرمادیں اور بیان کردیں۔

حضرت امام شافعی اپنی کتاب الام میں فرماتے ہیں:۔

قال الله عز وجل لنبیه صلی الله علیه
وسلم خذ من اموالهم صدقة تطهرهم
وتزکیهم بها۔ قال الشافعی
وانما امره ان یاخذ منهم ما اوجب
علیهم۔ (ص ۳/ج ۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا ہے
کہ مسلمانوں کے مال کا صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے
یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے
کہ مسلمانوں سے جو ان پر شرعاً واجب ہے، وصول فرمائیں۔
(کتاب الام)

تفسیر روح البیان میں خذ من اموالہم الخ کے تحت میں ہے۔

والمعنی خذ من اموال اغنیاء المسلمین
صدقة ای زکوٰة وسمیت بها لدلالتها
علی صدق العبد فی العبودیة والیه

آیت کے معنی یہ ہیں کہ مالدار مسلمانوں کے مال کی زکوٰۃ
آپ وصول کیجئے۔ زکوٰۃ کی تعبیر صدقہ سے کی گئی ہے۔
کیونکہ صدقہ بندہ کی عبودیت پر دلالت کرتا ہے۔

ذهب اکثر الفقها۔ قال فی الاختیار
من امتنع عن اداء الزکوٰۃ اخذها
الامام کرها ووضعها موضعها لقوله
تعالیٰ خذ من اموالهم صدقة۔
(ص ۹۴۳)

اکثر فقہا کا یہی نظریہ ہے۔ اختیار میں ہے کہ جو شخص
زکوٰۃ ادا نہیں کریگا۔ امام اس سے جبراً وصول
کریگا۔ اور اسکو مصارف زکوٰۃ میں خرچ کریگا۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے نبیؐ آپ مسلمانوں
کے مال کا صدقہ وصول کیجئے۔

تفسیر خازن میں ہے:-

ثم فی هذه الآیة احکام الاول
قوله سبحانه وتعالیٰ خذ من اموالهم
صدقة۔ الخطاب فیه للنبی صلی اللہ علیه
وسلم ای خذ یا محمد من اموالهم صدقة
فکان النبی صلی اللہ علیه وسلم یاخذها منهم
ایام حیاته۔ ثم اخذها من بعده الائمة
فیجوز للامام او نائبه ان یاخذ الزکوٰۃ من
الاغنیاء ویدفعها الی الفقراء۔

اس آیت میں چند احکام ہیں اول یہ کہ خذ من اموالهم
صدقة میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ اے محمد صلی اللہ
علیہ وسلم مسلمانوں کے مال سے زکوٰۃ وصول کیجئے۔ اس بنا پر
نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول فرماتے تھے۔
پھر آپ کے بعد مسلمانوں کے مال سے خلفاء راشدین
نے وصول کیا۔ پس امام یا نائب امام کے لئے
یہ جائز ہے کہ مالداروں سے زکوٰۃ وصول کرے
اور فقراء کو دے۔

الحکم الثانی قوله من اموالهم ولفظة
من تقتضی التبعیض وهذا البعض المأخوذ
غیر معلوم ولا مقدر بنص القرآن فلم
یبق الا الصدقة التی بین رسول اللہ
صلی اللہ علیه وسلم قدرها وصفتها فی
اخذ الزکوٰۃ۔

دوم یہ کہ من اموالهم میں لفظ من کا اقتضاء
بعض حصہ مال کا لینا ہے اور مال کا یہ بعض حصہ جو لیا جائیگا
نہ تو معلوم ہے نہ قرآن کے نص میں مقدر و مقرر کر دیا
گیا ہے پس اس بعض حصہ کی تعیین وہی باقی رہیگی جسکی
تقدیر و تعیین زکوٰۃ کی وصولی میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے بیان فرما دیا۔

الحکم الثالث ظاهر قوله خذ من اموالهم
صدقة یفید العموم فیجب الزکوٰۃ فی جمیع
المال حتی فی الدیون وفی مال الرکاز۔
(ص ۳۱۲/۲۷)

سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے قول خذ من اموالهم صدقة
کی ظاہر عبارت عموم کا افادہ کرتی ہے۔ اس بنا پر زکوٰۃ
جملہ قسم کے اموال پر فرض ہوگی۔ یہاں تک کہ دیون
اور دفینہ مال پر بھی۔

تفسیر ابن کثیر میں خذ من اموالھم کی تفسیر میں ہے ۔

امر الله تعالى رسوله صلى الله عليه وسلم بان ياخذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وهذا عام وان اعاد بعضهم الضمير في اموالهم الى الذين اعترفوا بذنوبهم وخلطوا عملا صالحا وآخر سيئا ولهذا اعتقد بعض مانعي الزكوة من احياء العرب ان دفع الزكوة الى الامام لا يكون واجبا وانه خاص بالرسول صلى الله عليه وسلم واحتجوا بقوله تعالى خذ من اموالهم صدقة الآية وقد رد عليهم هذا التاويل والفهم الفاسد ابو بكر الصديق وسائر الصحابة وقاتلوهم حتى ادوا الزكوة الى الخليفة كما كانوا يؤدونها الى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى قال الصديق والله لو منعوني عناقا وفي رواية عقالا كانوا يؤدونه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم لاقاتلنهم على منعه ۔

(ص ۳۸۳ / ج ۴ برحاشیہ فتح البیان)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مال سے زکوٰۃ وصول فرمائیں اور اسکے ذریعہ انکی طہارت اور تزکیہ فرمائیں اور یہ حکم عام ہے (جو تمام مسلمانوں کو شامل ہے) اگرچہ بعض لوگوں نے من اموالھم کی ضمیر کو ان لوگوں کی طرف عاید کیا ہے جنہوں نے قصور کا اعتراف کیا تھا۔ اور عمل صالح کے ساتھ عمل غیر صالح کا بھی اختلاط کیا تھا۔ اور اس بنا پر قبائل عرب کے بعض مانعین زکوٰۃ نے یہ خیال کر لیا تھا کہ امام کو زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے خاص تھا۔ اور اس خصوصیت پر وہ خذ من اموالھم صدقۃ سے حجت پکڑتے تھے۔ انکے اس فہم فاسد اور تاویل کو حضرت ابوبکر صدیق رض اور تمام صحابہ کرام نے رد کیا۔ اور ان لوگوں سے جہاد کیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے اسی طرح جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زکوٰۃ ادا کرتے تھے، خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کیا۔ اس موقع میں حضرت ابوبکر صدیق رض نے یہاں تک فرمایا کہ اگر وہ لوگ ایک بکری کا بچہ بھی جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ادا کرتے تھے ادا کرنے سے احتراز کرینگے تو ہم اس عدم ادائیگی پر جہاد کرینگے۔

بہر حال یہ آیات اپنے اس مفہوم اور فحوا میں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام اور اسکے والی کو صدقات کی وصولی اور اس کی تقسیم کی ولایت شرعی حاصل ہے بالکل صاف و صریح نص ہے۔

اسکے لئے کسی تعلیل کی ضرورت نہیں ہے اور اصولی طور پر جہاں تک آیت کریمہ کے مفہوم اور مدعا کا تعلق ہے ہمارے فقہائے کرام کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ ذیل میں بنظر اختصار ہم چند اقتباس پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

آیت کریمہ کے متعلق فقہائے حنفیہ کی تصریحات

علامہ شیخ ابن ہمام حنفی (المتوفی سنہ ۸۶۱ھ) فتح القدیر میں لکھتے ہیں:۔

ان ظاهر قوله تعالى خذ من اموالهم صدقة الاية توجب حق اخذ الزكوة مطلقا للامام۔ وعلى هذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ والخليفتان بعده۔ (صہ ۱۹۱ ج ۲ مصری)

اللہ تعالیٰ کا قول خذ من اموالهم صدقة کی عبارت امام کیلئے زکوۃ کی وصولی کے حق کو مطلقاً (بغیر کسی تخصیص و تقیید کے) واجب کرتی ہے۔ اسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، اور حضرت ابو بکر اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کا آپکے بعد عمل تھا۔

امام علامہ اکمل الدین محمد بن محمود شارح ہدایہ (المتوفی سنہ ۷۸۶ھ) عنایہ میں لکھتے ہیں:۔

وهذا لان ظاهر قوله تعالى خذ من اموالهم صدقة يثبت للامام حق الاخذ من كل مال۔ وكذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتان بعده كانوا ياخذون۔ الى ان فوض عثمان رض فى خلافته اداء الزكوة عن الاموال الباطنة الى ملاكها لمصلحة۔ (عنایہ برحاشیہ فتح القدیر صہ ۱۹۱ ج ۲ مصری)

اللہ تعالیٰ کا قول خذ من اموالهم صدقة کی ظاہر عبارت امام کیلئے ہر طرح کے مال میں وصولی زکوۃ کے حق کو ثابت کرتی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ہر طرح کے مال میں زکوۃ وصول کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں خاص مصلحت کی بنا پر اموال باطنہ کی زکوۃ کی ادائیگی کو ارباب اموال کے لئے تفویض کر دیا۔

ملک العلماء علامہ علاء الدین حنفی صاحب بدائع الصنائع اموال ظاہرہ کی زکوۃ کے ماتحت لکھتے ہیں:۔

اما الكتاب فقوله تعالى خذ من اموالهم صدقة الاية نزلت فى الزكوة عليه

اللہ تعالیٰ کا قول خذ من اموالهم صدقة زکوۃ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ عام مفسرین

عامة اهل التاويل۔ امر الله عز وجل
نبيه ياخذ الزكوة۔ فدل على ان
للامام المطالبة بذلك و الاخذ
قال الله تعالى انما الصدقات للفقراء
والمسٰكين والعاملين عليها۔ فقد
بين الله تعالى ذلك بيانا شافيا۔
حيث جعل للعاملين عليها حقا۔
فلو لم يكن للامام ان يطالب
ارباب الاموال بصدقات الانعام
فى اماكنها۔ وكان ادائها الى ارباب
الاموال لم يكن لذكر العاملين وجه (ص ۳۵ ج ۲)

اسی پر ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے
کہ وہ زکوۃ وصول کریں۔ پس آیت نے بتلادیا کہ
امام کو یہ حق ہے کہ وہ زکوۃ کا مطالبہ کرے۔ اور زکوۃ کو
وصول کرے۔ نیز اللہ کا ارشاد ہے کہ زکوۃ فقراء
اور مساکین اور زکوۃ کے عاملین کے لئے ہے۔ اس
ارشاد میں اللہ تعالےٰ نے امام کے اس حق کو نہایت
کھلے طور پر بیان فرما دیا ہے۔ اسلئے کہ اگر امام کو
ارباب اموال سے ان انعام کے زکوۃ کے متعلق
مطالبہ کا حق نہ ہوتا جو اپنے اپنے مکان میں ہیں بلکہ
اسکی ادائیگی ارباب اموال کے ہاتھ میں ہوتی تو عاملین
کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

صاحب بدائع الصنائع نے اگرچہ اس کو اموال ظاہرہ کے ماتحت لکھا ہے اور مثال میں اموال ظاہرہ کو لائے ہیں۔ مگر جہاں تک آیت کے مفہوم کا تعلق ہے ان کی تصریح کی بنا پر اس میں کسی خاص قسم کی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ مطلق زکوۃ سے اس کا تعلق ہے جو ہر قسم کی زکوۃ کو شامل ہے۔ اور عامہ مفسرین اسی اطلاق کے قائل ہیں اور اس میں وہ کسی خاص مال کی تخصیص نہیں بتلاتے ہیں۔ حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی الرازی "الجصاص" حنفی (المتوفی ۳۷۰ھ) اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔

(خذ من اموالهم صدقة) يدل على ان
اخذ الصدقات الى الامام وانه متى
اداها من وجبت عليه الى المساكين
لم يجز لان حق الامام قائم فى اخذها
فلا سبيل الى اسقاطه وقد كان النبى
يوجه العمال على صدقات المواشى
ويامرهم بان ياخذوها على المياه فى

خذ من اموالهم صدقة کی آیت اس امر پر
دلالت کرتی ہے کہ زکوۃ کی وصولی کا حق امام کو ہے
اور بلاشبہ جن پر زکوۃ فرض ہے۔ اگر وہ خود مساکین
کو دیدیں گے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اسلئے زکوۃ کی وصولی کا حق
امام کے لئے قائم و ثابت ہے۔ لہذا صاحب زکوۃ کو امام
کے اس حق کے ساقط کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں کی زکوۃ کے لئے عاملین کو

مواضعها۔ وهذا معنى ماشرطه النبیؐ لوفد ثقیف بان لا یحشروا ولا یعشروا یعنی لا یکلفون احضار المواشی الی المصدق ولکن المصدق یرد علیهم فی میاههم ومکان مواشیهم فیاخذها منهم۔ وکذلک صدقة الثمار واما زکوة الاموال فقد کانت تحمل الی رسول الله وابی بکر وعمر وعثمان ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زکوٰتکم فمن کان علیه دین فلیوده ثم لیزک بقیة ماله فجعل لهم اداها الی المساکین۔

(ص ۱۵۵ / ج ۳)

بھیجا کرتے تھے اور حکم فرماتے تھے کہ انکی زکوٰۃ انکی جگہ پر جا کر لیا کرو۔ اور یہی معنی اس شرط کے ہیں جو وفد ثقیف سے آپنے کی تھی کہ ان کو جانوروں کے محصل کے پاس حاضر کرنے کی تکلیف نہیں دی جائیگی۔ محصل خود انکی جگہ پر انکے پانی پلانے کے گھاٹ پر دورہ کرتے ہوئے پہنچے گا اور ان کے جانوروں کی زکوٰۃ وصول کریگا۔ اور یہی حکم ہے پھلوں کی زکوٰۃ کا (جسکو عشر کہتے ہیں) سونے وچاندی دراہم ودنانیر کی زکوٰۃ تو یہ رسول اللہؐ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خدمت میں داخل کی جاتی تھیں۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا کہ یہ زکوٰۃ کا مہینہ ہے جس پر قرض ہو وہ اپنے قرض کو ادا کرے۔ پھر باقی مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ پھر حضرت عثمان نے ارباب مال کو اختیار دیدیا کہ وہ زکوٰۃ مسکینوں کو ادا کریں۔

جہاں تک آیت کے مفہوم کا تعلق ہے یہ ہر قسم کے مال کو شامل ہے۔ اسی بناء پر حضورؐ اور خلفاء ثلثہ کے پاس مسلمان اموال باطنہ کی زکوٰۃ بلا واسطہ یا بواسطہ پہنچاتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان نے تفویض کر دیا۔ اس تفویض کی بناء پر مسئلہ کی نوعیت پر کیا اثر پڑا، اسکی مفصل بحث آگے آتی ہے۔ عموم اموال کے متعلق اسکے پہلے لکھتے ہیں۔

(وقوله خذ من اموالهم) عموم فی سائر اصناف الاموال ومقتض لاخذ البعض منها اذ کانت من مقتضی التبعیض وقد دخلت علی عموم الاموال فاقتضت ایجاب الاخذ من سائر اصناف الاموال بعضها

(احکام القرآن للجصاص ص ۱۴۸ / ج ۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ خذ من اموالهم صدقة مسلمانوں کے مالوں میں سے زکوٰۃ وصول کیجئے جو قسم کے اموال کیلئے عام ہے اور اس امر کو مقتضی ہے کہ ہر قسم کے مال میں سے زکوٰۃ میں بعض حصہ مال کا لیا جائے۔ کیونکہ لفظ من کا مقتضی تبعیض ہے اور یہ عام اموال پر داخل ہوا ہے پس اسکا اقتضا جملہ قسم کے مال میں سے بعض حصہ مال کا زکوٰۃ میں وجوباً وصول کرنا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق چند حدیثیں اور آثار حسب ذیل ہیں۔

چند آثار و احادیث

(۱) عن انس بن مالکؓ قال بعثنی بنو المصطلق الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا اسل لنا رسول اللہ الی من ترفع صدقاتنا بعدک قال فاتیتہ فسالتہ فقال الی ابی بکر فاتیتہم واخبرتہم فقالوا ارجع الیہ فسلہ فان حدث بابی بکر حدث فالی من فاتیتہ فسالتہ فقال الی عمر فاتیتہم فاخبرتہم فقالوا ارجع الیہ فسلہ فان حدث بعمر حدث فالی من فاتیتہ فسالتہ فقال الی عثمان فاتیتہم فاخبرتہم فقالوا ارجع فسلہ فان حدث بعثمان حدث فالی من۔ فاتیتہ فسالتہ فقال ان حدث بعثمان حدث فتبا لکم الدہر تبا

ھذا حدیث صحیح الاسناد۔

(المستدرک ج۳ کتاب معرفۃ الصحابہ)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ قبیلہ بنو المصطلق کے لوگوں نے مجھکو رسول اللہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ ہماری خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ آپ کے بعد ہملوگ زکوۃ کس کو ادا کرینگے۔ حضرت انس نے کہا کہ میں حاضر ہوا اور حضور سے میں نے پوچھا تو آپنے فرمایا کہ ابوبکر کو۔ میں نے ان لوگوں کو خبر دیدی۔ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ حضورؐ کی خدمت میں پھر جاؤ اور پوچھو کہ حضرت ابوبکر کی موت کے بعد کس کو دینگے۔ میں نے حاضر ہو کر پھر پوچھا تو فرمایا کہ عمر کو۔ میں نے آکر ان لوگوں کو خبر دیدی)۔ اس پر ان لوگوں نے پھر کہا کہ پھر حضورؐ کی خدمت میں جاؤ اور پوچھو کہ عمرؓ کو موت کا حادثہ پیش آجائے تو کس کو دینگے۔ میں نے حاضر ہو کر پھر پوچھا، تو حضورؐ نے فرمایا کہ عثمانؓ کو۔ میں نے آکر ان لوگوں کو خبر دی۔ انہوں نے کہا کہ پھر جاؤ اور پوچھو کہ حضرت عثمان کی موت کے بعد کس کو دیں۔ میں نے پھر حاضر ہو کر پوچھا تو حضور نے فرمایا کہ اسکے بعد تمہارے لئے ہلاکت ہے۔

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ عہد رسالت میں یہ عام دستور تھا کہ تمام مسلمان اپنے اموال کی زکوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں براہ راست یا بذریعہ عمال حاضر کرتے تھے۔ اسلئے قبیلہ بنی مصطلق نے معلوم کرنا چاہا کہ آپکی وفات کے بعد کس کے پاس زکوۃ جمع کی جائے۔

دویم یہ کہ اس زمانہ کی ذہنیت یہ نہ تھی کہ صاحب اموال کو بذات خود اس کا حق دیا

کہ وہ زکوٰۃ کی رقم کو خود مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کر دیں چنانچہ بنو المصطلق کے ذہن میں بھی یہ خطرہ نہ تھا بلکہ عام ذہنیت یہ تھی کہ زکوٰۃ کے جمع و خرچ کا خاص نظام ہے اسلئے بنو المصطلق یہ نہیں پوچھتے ہیں کہ آپکے بعد ہم لوگ زکوٰۃ کو کیا کریں بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ آپکے بعد زکوٰۃ کس کو دیں۔ جس کے متعلق آپنے ترتیب وار ارشاد فرمایا کہ ابوبکر کو دو، پھر عمر کو دو، پھر عثمان کو دو۔

سوم یہ کہ زکوٰۃ اہل اموال کو بطور خود مستحقین زکوٰۃ پر خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ جب بنو المصطلق نے یہ پوچھا کہ آپکے بعد ہم کس کو اپنی زکوٰۃ دیں تو آپنے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ بطور خود مستحقین زکوٰۃ کو ادا کر دینا چاہیے، بلکہ جواب میں آئندہ ہونے والے خلفا کا نام بتایا کہ اُن کے پاس جمع کر دو۔ چہارم یہ کہ سوال و جواب کا تعلق مطلق اموال زکوٰۃ سے ہے جو ہر قسم کی زکوٰۃ کو شامل ہے اور سب کا ایک ہی حکم ہے کہ تم خلیفہ کے پاس داخل کر دو اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی تفریق نہیں ہے

(۲) عن القاسم بن محمد قال کان ابو بکر اذا اعطی الناس عطیاتهم یسأل الرجل هل عندك من مال وجبت علیك فیه الزکوٰة فان قال نعم اخذ من عطائه زکوٰة ذلك المال وان قال لا اسلم الیه عطاءه ولم یاخذ منه شیئا۔ (موطا کتاب الزکوٰة)

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو ان کے وظیفے دیتے تھے تو پوچھتے تھے کہ تمہارے گھر میں اتنا مال ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو۔ تو اگر اس نے اقرار کر لیا تو ان کے وظیفہ سے بقدر زکوٰۃ کے لیتے تھے۔ اور اگر وہ کہتا تھا کہ نہیں۔ یعنی ہم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے تو اس کو پورا وظیفہ دیتے تھے۔ اور کچھ نہیں لیتے تھے۔

(۳) عن عائشه بنت قدامه عن ابیها انه قال کنت اذا جئت عثمان بن عفان اقبض عطائی سالنی هل عندك من مال وجبت فیه الزکوٰة قال فان قلت نعم اخذ من عطائی زکوٰة ذلك المال وان قلت لا دفع الی عطائی۔ (موطا کتاب الزکوٰة)

عائشہ بنت قدامہ اپنے باپ سے روایت کرتی ہیں کہ ان کے والد نے کہا کہ میں اپنا وظیفہ لینے کے لئے حضرت عثمانؓ کے پاس آتا تھا تو مجھ سے پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس اتنا مال ہے کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہو، پس اگر میں کہتا تھا کہ ہاں ہے تو میرے وظیفے سے بقدر زکوٰۃ اس مال کے لے لیتے تھے۔ اور اگر میں کہتا تھا کہ نہیں تو میرا وظیفہ دیتے تھے۔

موطا کی ان دونوں حدیثوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت ابوبکر۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے اپنے دور خلافت میں لوگوں سے اموال زکوٰۃ کے متعلق ان سے استفسار کرتے تھے۔ اور ان سے مطالبہ زکوٰۃ کا حق اپنے لئے سمجھتے تھے۔ اور اس بنا پر ان کے وظائف مقررہ میں سے بمقدار زکوٰۃ وصول کر لیتے تھے۔ دوسرے یہ کہ مقررہ وظیفہ سے بمد زکوٰۃ جو رقم وصول کر لیتے تھے۔ وہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ ہوتی تھی۔ کیونکہ سائمہ جانور منتقلہ تجارت عشر کی تحصیل مصدق، عشار کے ذریعہ ہوتی تھی۔ نیز یہ چیزیں کھلی ہوئی بھی تھیں۔ ان کے متعلق استفسار کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ "مسوی" میں اسکی تصریح کر دی ہے۔

اقول انما اخذ ابوبکر وعثمان من العطاء لما عندهم من النقود مما حال علیه الحول۔	میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما وظیفہ سے اسلئے لے لیتے تھے کہ ان لوگوں کے پاس ایسے نقود (دراہم ودنانیر) ہوتے تھے جن پر سال گزر جاتا تھا (یعنی ان پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی تھی)
(مسوی برحاشیہ مسفی صـ ۲۰۷/۱)	
(۴) ان اللہ قد فرض علیهم صدقة تؤخذ من اغنیائهم، وترد الی فقرائهم۔ (رواہ الشیخان)	بلاشک اللہ نے ان لوگوں پر زکوٰۃ فرض کیا ہے جو ان کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی۔ اور ان کے فقراء کو دی جائیگی۔

اس حدیث کو بروایت حضرت ابن عباسؓ شیخین نے روایت کیا ہے۔ یہ پوری حدیث بحیثیت فرض زکوٰۃ کی بحث میں اوپر گذر چکی ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت یہ تعلیم دینا کہ "جب وہاں کے اہل کتاب ایمان لے آئیں۔ نماز پڑھنا قبول کر لیں تو ان کو یہ بھی بتا دو کہ تم پر اللہ تعالےٰ نے زکوٰۃ فرض کیا ہے۔ جسکو تمہارے مالداروں سے وصول کیا جائے گا۔ اور پھر فقراء پر تقسیم کیا جائیگا۔" اس امر پر صاف اور واضح دلیل ہے کہ زکوٰۃ کی ادائگی میں ارباب اموال خود مختار نہیں ہیں۔ بلکہ زکوٰۃ کے لئے صاحب شریعت کے نزدیک خاص نظم ہے۔ اور اس نظم کے ماتحت اسکی تقسیم اور جمع وخرچ ہے۔ پھر اس حدیث میں زکوٰۃ کے متعلق جو حکم ہے، وہ عام ہے جس میں اموال ظاہرہ وباطنہ سب داخل ہیں۔ اگر صاحب اموال کو باختیار خود زکوٰۃ صرف کرنے کا اختیار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں فرماتے۔ کہ تمہارے مالدار لوگوں سے

وصول کیا جائیگا اور پھر تمہارے فقراء پر لوٹایا جائیگا۔ بلکہ یہ فرماتے کہ تم اس کو فقراء پر صرف کردو۔

صحابہ اور تابعین کا فیصلہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدونہ میں لکھتے ہیں:-

قال ابن وهب واخبرنا رجال من اهل العلم ان عبد الله ابن عمر وعبد الله ابن عمرو بن العاص وجابر بن عبد الله وسعد بن ابی وقاص وحذیفة وانس بن مالک وابا قتادة وابا سعید الخدری وابا هریرة وعائشة وام سلمة ومحمد بن کعب ومجاهد وعطاء والقاسم وسالما وابن المنکدر وربیعة وعروة بن الزبیر ومکحولا والقعقاع بن حکیم کلهم یأمر برفع الزکوٰة الی السلطان ویدفعونها الیهم۔ (مدونہ ص ۲۴۳ ج ۱)

ابن وہب کہتے ہیں کہ مجھکو بہت سے اہل علم نے یہ خبر دی کہ (۱) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عبد اللہ ابن عمرو بن العاص رض (۳) حضرت جابر بن عبد اللہ رض (۴) حضرت سعد ابن ابی وقاص رض (۵) حضرت حذیفہ رض (۶) حضرت انس بن مالک رض (۷) حضرت ابو قتادہ رض۔ (۸) حضرت ابو سعید خدری رض (۹) حضرت ابو ہریرہ رض (۱۰) حضرت عائشہ رض (۱۱) حضرت ام سلمہ رض (۱۲) محمد بن کعب رح (۱۳) مجاہد رح (۱۴) عطاء رح (۱۵) قاسم رح (۱۶) سالم رح (۱۷) ابن منکدر رح (۱۸) ربیعہ رح (۱۹) عروہ بن زبیر (۲۰) مکحول رح (۲۱) قعقاع رح۔

یہ کل حضرات امام کو زکوٰۃ دینے کا حکم کرتے تھے اور خود بھی امام ہی کو اپنی زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔

اس کے پہلے عہد نبوت۔ عہد صدیقی رض۔ عہد فاروقی رض۔ عہد عثمانی رض کے متعلق یہ گزر چکا ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کیجاتی تھی یہاں تک کہ حضرت عثمان رض نے تفویض کا اعلان کردیا۔

احکام القرآن میں ہے:-

واما زکوٰة الاموال فقد کانت تحمل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر وعثمان ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زکوتکم فمن کان علیه دین فلیؤده ثم لیزک بقیته مالہ فجعل لهم اداءها الی المساکین (ج۲ ص۱۵۱)

اموال یعنی سونا، چاندی، دراہم و دنانیر کی زکوٰۃ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خدمت میں داخل کیجاتی تھیں، پھر حضرت عثمان نے یہ خطبہ دیا کہ یہ زکوٰۃ کا مہینہ ہے۔ جس پر قرض ہو وہ اپنے قرض کو ادا کرکے پھر باقی مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارباب اموال کو اختیار دیدیا کہ وہ زکوٰۃ مسکینوں کو ادا کریں۔

ائمہ ثلثہ حنفیہ کا فیصلہ

اس تنقیح کے بعد کہ کلام مجید۔ احادیث۔ آثار کا فیصلہ ولایت اخذ زکوۃ کے مسئلہ میں یہ ہے کہ زکوۃ امام۔ امیر یا ان کے قائم مقام وصول کریں اور ایک مخصوص نظم کے تحت اس کا جمع و خرچ ہے اور تمام اموال زکوۃ میں یہ حکم عام ہے۔ نصوص و احادیث میں کوئی تخصیص مذکور نہیں ہے۔

اس کے بعد دلائل کی حیثیت "ائمہ مجتہدین" کے فیصلہ کو ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں پہلے ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ دنیائے اجتہاد کے سب سے بڑے امام حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبین کا اس مسئلہ میں کیا فتویٰ ہے۔

امام ابو حنیفہ۔ امام ابو یوسف۔ امام محمد رحمہم اللہ کا فتویٰ

امام ابو حنیفہ۔ امام ابو یوسف۔ امام محمد رحمہم اللہ کا متفقہ فتوی یہ ہے کہ تمام انواع زکوۃ کے وصول کرنے کا حق امام یا ان کے قائم مقام کو ہے اور یہ صرف ان ہی کا حق ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جن کو تحقیق مذہب حنفیہ میں ید طولیٰ حاصل ہے اور ان کا طریق استدلال نقل و عقل دونوں پر حاوی ہوتا ہے اپنی کتاب "شرح معانی الآثار" میں اس موضوع پر خصوصیت سے باب الزکوۃ ھل یاخذھا الامام ام لا کے ماتحت بحث کی ہے۔

اس باب میں ان لوگوں کی آثار و احادیث سے تردید کرتے ہوئے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ امام کو وصول زکوۃ کا حق نہیں ہے۔ اپنے اصول تحریر کے مطابق آخر میں لکھتے ہیں کہ:۔

فلما فعل عمر هذا[ع] بحضرة اصحاب
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ

ع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کا ذکر اس روایت میں ہے:۔ عن انس بن سیرین قال ارسل الی انس بن مالک رض فابطات علیہ ثم ارسل الی فاتیتہ فقال ان کنت اری ان لو امرتک ان تعض علی حجر کذا و کذا ابتغاء مرضاتی لفعلت اخترت لک عملا فکرھتہ۔ او اکتب لک سنۃ عمر رض قال اکتب لی سنۃ عمر رض قال فکتب خذ من المسلمین من اربعین درھما درھما و من اھل الذمۃ من کل عشرین درھما درھما و ممن لا ذمۃ لہ من کل عشرۃ دراھم درھما الخ (ص ۳۱۳ شرح معانی الآثار ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم ینکرہ علیہ منھم احد منکر۔ کان ذٰلک حجۃ واجماعا منھم علیہ فھذا وجہ ھذا الباب من طریق الآثار

واما وجہہ من طریق النظر فانا قد رأینا ھم انھم لا یختلفون ان للامام ان یبعث الی ارباب المواشی السائمۃ حتی یاخذ منھم صدقۃ مواشیھم اذا وجبت فیھا الصدقۃ وکذٰلک یفعل فی ثمارھم ثم یضع ذٰلک فی مواضع الزکوات علی ما امرہ بہ عزوجل لا یابی ذٰلک احد من المسلمین فالنظر علی ذٰلک ان یکون بقیۃ الاموال من الذھب والفضۃ واموال التجارۃ کذٰلک

کتاب الزکوٰۃ
صہ ۲۱۳/۱

کی موجودگی میں اس معاملہ کو کیا یعنی اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصول کرنے عمال مقرر کیا اور اس پر تمام صحابہ کرام میں سے کسی شخص حضرت عمرؓ پر انکار نہیں کیا تو تمام صحابہ کرام کا اس معاملہ پر اجماع ہو گیا اور حجت ہو گئی پس امام کی وصولی زکوٰۃ کے حق کے باب میں آثار سے یہ دلیل ہے۔

عقلی طور پر اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں صحابی اور امام کو اختلاف نہیں ہے کہ امام کو یہ حق ہے کہ سائمہ جانوروں کے مالک کے پاس عامل اس لئے بھیجے کہ وہ ان جانوروں کی زکوٰۃ ان سے وصول کرے جن پر زکوٰۃ واجب ہو چکی ہے۔ اسی طرح پھلوں کی زکوٰۃ بھی وصول کرے۔ اور ان کو ان کے مصارف میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے خرچ کرے۔ اور اس کا کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے۔ تو عقل یہی چاہتی ہے کہ یہی حکم باقی اموال زکوٰۃ، سونا، چاندی، تجارتی مال میں ہو یعنی اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے وصول کرنے کا حق بھی امام کو ہے (کیونکہ امام کے لئے اس کی وصولی کے حق میں قرآن مجید کا جو حکم خذ من اموالھم صدقۃ میں ہے کہ آپ مسلمانوں کے ہر قسم کے مالوں سے زکوٰۃ وصول کیجئے یہ حکم عام ہے۔ جو ہر قسم کے جملہ اموال کو شامل ہے)

امام طحاویؒ نے اموال ظاہرہ کے ساتھ تمام اموال باطنہ کا بھی صاف طور سے ایک ہی حکم بیان کیا اور اس بحث کے بعد امام موصوف نے آخر میں ائمہ ثلثہ حنفیہ کے متعلق یہ لکھا۔

وھذا کلہ قول ابی حنیفہ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ

(کتاب الزکوٰۃ صہ ۲۱۳/۱)

یہی قول امام ابو حنیفہ امام یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا ہے۔

دیگر ائمہ اور مجتہدین رحمہم اللہ کا فیصلہ

امام مالک کا فتویٰ

(قال) قال مالک اذ کان الامام یعدل لم یسع الرجل ان یفرق زکوۃ مالہ الناض ولا غیر ذلک و لکن یدفع زکوۃ الناض الی الامام و یدفعہ الامام، واما ما کان من الماشیۃ وما انبتت الارض فان الامام یبعث فی ذلک

امام مالک رح کا قول ہے کہ جب امام عادل ہو تو کسی کو اس کی گنجائش نہیں ہے کہ سونا۔ چاندی یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کی زکوۃ ہو، خود سے تقسیم کرے لیکن وہ سونا چاندی کی زکوۃ امام کو ادا کرے گا اور سائمہ جانوروں اور عشر کی زکوۃ کی وصولی کے لئے امام محصل کو بھیجے گا۔

(مدونہ جلد ا ص۲۴۲)

امام مالک کا یہ قول اس مقصد میں صریح فتویٰ ہے کہ وہ ہر طرح کے اموال، چاہے وہ اموال باطنہ ہوں یا اموال ظاہرہ، ارباب اموال کے لئے یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ اس کی زکوۃ امام کے حوالہ کرنا چاہئے۔ ہاں یہ فرق وہ ضرور کرتے ہیں کہ اموال باطنہ کی زکوۃ ارباب اموال خود امام کے پاس پہونچادیں تاکہ امام اپنے نظم سے مستحقین کو دے۔ اور اموال ظاہرہ کی زکوۃ کے لئے امام خود اپنے عمال کو ارباب اموال کے پاس بھیجے گا اور وہ آکر زکوۃ وصول کریگا لیکن بہر حال دونوں قسم کی زکوۃ امام کو دیجائیگی اور امام اپنے نظم سے حسب ضرورت فقراء و مساکین وغیرہ کو دیگا۔

ایک دوسرے مقام میں حضرت امام مالکؒ نے ایک سوال کے جواب میں سونا چاندی کے متعلق (جو فقہاء کی اصطلاح میں اموال باطنہ ہیں) یہ بھی تصریح کردی ہے کہ امام عادل اس کی زکوۃ کے متعلق باز پرس کرے گا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

(قلت) افیسال من زکوۃ اموالھم الناض اذا لم یتجروا۔ فقال نعم اذا کان عدلا وقد فعل ذلک ابوبکر الصدیق۔ کان یقول للرجل اذا اعطاہ عطاہ۔ ھل عندک من مال

امام مالکؒ سے میں نے پوچھا کہ کیا امام مسلمانوں کے سونا چاندی کی زکوۃ کے متعلق ایسی حالت میں استفسار کرسکتا ہے جبکہ وہ تجارت نہ کرتے ہوں، امام مالکؒ نے جواب دیا کہ ہاں جبکہ امام عادل ہو۔ اور یہ کام حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے کیا ہے، وہ جب کسی مرد کو وظیفہ

قد وجبت علیك فیه الزکوة فان قال نعم اخذ من عطائہ زکوة ذلك المال۔ وان قال لا۔ اسلم الیه عطاءہ ولا اری ان یبعث فی ذلك احدا وانما ذلك الی امانتہ الناس الا ان یعلم احدا ان لا یودی فتوخذ منہ الا تری ان عثمان بن عفان کان یقول ھذا شھر زکاتکم

(مدونہ جلد اول ص ۲۳۰)

دیتے تھے تو کہتے تھے کہ تمہارے پاس کوئی ایسا مال ہے جس پر زکوۃ فرض ہو۔ اگر وہ ہاں کہتا تو وظیفہ سے بقدر زکوۃ وصول کر لیتے۔ اور نہیں کہتا تو پورا وظیفہ دیدیتے۔

لیکن میرے نزدیک اس کی ضرورت نہیں ہے کہ امام اسکی تفتیش کے لئے کسی کو بھیجے بلکہ یہ لوگوں کی امانت و دیانت کے سپرد کہ وہ خود حساب کرکے امام کے پاس پہونچادیں۔ لیکن جب یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص زکوۃ نہیں ادا کرتا ہے تو پھر اس سے وصول کیا جائیگا۔ کیا تم نہیں غور کرتے کہ حضرت عثمان رمضان اعلان کرتے تھے کہ یہ تم لوگوں کے زکوۃ کا مہینہ ہے (یعنی اس ماہ میں اپنی اپنی زکوۃ داخل کرو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا فتویٰ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ جو کتاب وسنت کے ظاہر مدلول تک استدلال کو محدود رکھتے ہیں محسود بھی ہیں اور معتوب بھی ہیں۔ علم کی بارگاہ میں قطع نظر اس سے کہ فوق کل ذی علم علیم ان کی رائے ہمیشہ قابل اعتنا سمجھی گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

والمخلاف عندھم کما یقال المعاملہ ھو ما یکون فیہ الوالی والقاضی۔ ھو الذی یستخلف فیہ الامام جابیا۔ یاخذ الزکوة من اغنیائھم فیردھا علی فقرائھم۔

(کتاب الاختیارات العلمیہ ص ۵۵)

لفظ مخلاف کا استعمال ان کے ہاں اسی طرح ہے جیسے معاملہ کا لفظ۔ مخلاف ایسی آبادی کو کہتے ہیں جس میں والی اور قاضی ہو اور جس میں والی کی طرف سے تحصیلدار مقرر کیا گیا ہو جو مالدار مسلمان سے زکوۃ وصول کرتا ہے اور ان کے فقیروں کو دیتا ہے۔

یعنی زکوۃ خود ارباب اموال فقراء کو نہیں دینگے بلکہ ان سے زکوۃ کا محصل لے لیگا۔ اور والی اس کو اپنے نظم سے فقراء پر تقسیم کرے گا۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوےٰ

محدثین میں علامہ شوکانی کا ایک ممتاز درجہ ہے جو مذاہب اربعہ کے اصول و فروع سے باخبری کے ساتھ فقہی مسائل پر بحث کرتے ہیں ان کا فتویٰ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ

قولہ تؤخذ من اغنیاءھم استدل بہ علی ان الامام ھو الذی یتولی قبض الزکوٰۃ وصرفھا اما بنفسہ واما بنائبہ فمن امتنع منھم اخذت منھم قھرا۔ (نیل الاوطار ج۴ ص۱۰۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "تؤخذ من اغنیاءھم" سے استدلال کیا گیا ہے کہ امام ہی زکوٰۃ کی وصولی کی ولایت رکھتا ہے اور وہی اسکی خرچ کی ولایت رکھتا ہے کہ اس کو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں خرچ کرے یا اپنے نائب کے ذریعہ خرچ کرے۔ لہٰذا جو شخص مسلمانوں کی جماعت میں سے زکوٰۃ دینے سے پہلوتہی کریگا۔ اس سے قہراً لیا جائیگا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کا فتویٰ

وقولہ تؤخذ من اغنیاءھم۔ استدل بہ علی ان الامام ھو الذی یتولی قبض الزکوٰۃ وصرفھا اما بنفسہ واما بنائبہ فمن امتنع منھا اخذت منہ قہرا۔

(فتح الباری ج۳ ص۲۸۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "تؤخذ من اغنیاءھم" (زکوٰۃ مسلمانوں کے مالداروں سے لی جائیگی) سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ امام ہی زکوٰۃ کے قبضہ کرنے اور زکوٰۃ کے صرف کرنے کا والی ہے۔ یا بنفس قبضہ کرے یا بذریعہ نائب کے قبضہ کرے۔ لہٰذا جو شخص اس سے رُکے گا۔ اس سے قہراً لیا جائے گا۔

اہل بیت اور امام شافعی کا فتویٰ

قولہ فانا اخذوھا[عہ]۔ استدل بہ علی حضور کے ارشاد "فانا اخذوھا" سے (یعنی جو مسلمان زکوٰۃ

عہ قولہ "فانا اخذوھا" حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں! عن بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی کل ابل سائمۃ فی کل اربعین ابنۃ لبون لاتفرق ابل عن حسابھا۔ من اعطاھا موتجرا فلہ اجرھا ومن منعھا فانا اخذوھا۔ و شطر مالہ۔ عزمۃ من عزمات ربنا تبارک و تعالی لایحل لال محمد منھا شیئا۔ رواہ احمد والنسائی وابوداؤد۔ وقال شطر مالہ وھو حجۃ فی اخذھا من الممتنع ووقوعھا موتجھا (نیل الاوطار ج۴ ص۱۲۹)

انہ یجوز للامام ان یاخذ الزکاۃ قھرًا اذ لم یوض رب المال وعلی انہ یکتفی بنیتہ الامام کما ذھب الی ذلک الشافعی والھادویۃ وعلی ان ولایۃ قبض الزکوٰۃ الی الامام والی ذلک ذھب العترۃ وابوحنیفۃ واصحابہ و مالک والشافعی فی احد قولیھم

نیل الاوطار

صہ ۱۸۰/۴

نہیں دے گا۔ ہم ضرور اس سے وصول کرینگے) استدلال کیا گیا ہے کہ امام قہرًا زکوٰۃ وصول کرسکتا ہے اور اس پر بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اس صورت حال میں امام کی نیت کافی ہے۔ جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے اور اس پر بھی استدلال کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی کی ولایت امام کو ہے اور یہی مذہب "اہل بیت" کا ہے اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب (امام ابو یوسف۔ امام محمد وغیرہ) کا ہے اور امام مالک اور امام شافعی کا۔ ان کے دو قولوں میں سے ایک قول کی بنا پر ہے۔

بہر حال کتاب و سنت سے یہ مسئلہ کہ ولایت اخذ زکوٰۃ امام کو ہی ہے۔ اس طرح ثابت ہے کہ تمام جلیل القدر ائمہ اور صحابہ اور مفسرین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے۔ اور اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ حضور صلعم اور آپکے عمال کی خدمت میں داخل کی جاتی تھی۔ یعنی ارباب اموال خود سے مستحقین کو ادا نہیں کرتے تھے۔ علامہ عینی نے اپنی رائے کے ساتھ اس اجماع کا بھی ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی کا فتویٰ اور اہل علم کا اجماع

فی قولہ توخذ من اغنیائھم دلیل علی ان الامام یرسل السعاۃ الی اصحاب الاموال لقبض صدقاتھم۔ وقال ابن المنذر اجمع اھل العلم علی ان الزکوٰۃ کانت ترفع الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی رسلہ وعمالہ والی من امر بدفعھا الیہ۔

حضور صلعم کے قول "توخذ من اغنیائھم" میں اس بات کی دلیل ہے۔ کہ امام زکوٰۃ کی وصولی کے لئے اصحاب اموال کے ہاں "سعاۃ" کو بھیجے گا۔ ابن المنذر کا قول ہے۔ کہ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یا آپکے عمال یا آپکے فرستادہ یا وہ شخص جس کو زکوٰۃ دیدینے کا حکم تھا۔ انکی خدمت میں زکوٰۃ داخل کی جاتی تھی۔

(عینی صہ ۲۶۴/۴)

مبسوط کا فیصلہ

ان سب کے بعد ہم مبسوط سرخسی کے فیصلہ پر اس باب کو ختم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ فتاوی حنفیہ کی تمام کتابوں میں مبسوط ہی سب سے اونچی کتاب ہے۔ جو ظاہر الروایۃ پر مبنی ہے اور اس اعتبار سے وہ بمقابلہ تمام کتب فتاوی مثلاً شامی۔ البحر الرائق۔ بدایع صنایع، فتح القدیر فتاوی قاضی خاں وغیرہ جو متداول ہیں۔ چوٹی کی کتاب ہے اس کے متعلق علامہ ابن عابدینؒ نے اپنے رسالہ عقود رسم المفتی میں لکھا ہے۔

قال الشیخ اسماعیل النابلسی قال العلامۃ الطرطوسی مبسوط السرخسی لایعمل بما یخالفہ ولا یرکن الا الیہ ولا یفتی ولا یعول الا علیہ انتہی۔	شیخ اسماعیل نابلسی نے کہا کہ علامہ طرطوسی کا قول ہے کہ اس قول پر عمل نہیں کیا جائیگا جو مبسوط سرخسی کے مخالف ہو۔ اور نہیں التفات کیا جائیگا لیکن مبسوط سرخسی کی طرف۔ اور نہ فتوی دیا جاگا اور نہ رجوع کیا جائیگا لیکن مبسوط سرخسی پر (مجموعہ رسالہ ابن عابدین ص ۲)

مبسوط کے فیصلہ کا ماحصل یہ ہے۔ کہ زکوۃ مالی حق ہے جس کو امام اپنی ولایت شرعیہ کی بنا پر وصول کریگا اور ارباب اموال کو اس کا حق نہیں ہے۔ کہ خود اپنی زکوۃ کو اپنے اختیار سے مستحقین زکوۃ پر صرف کریں اگر ایسا کریں گے تو زکوۃ سے بری الذمہ نہیں ہونگے۔ اور امام اُن سے دوبارہ زکوۃ وصول کرے گا۔

مبسوط کے الفاظ یہ ہیں:۔

ولنا ان ھذا حق مالی یستوفیہ الامام بولایۃ شرعیۃ فلا یملک من علیہ اسقاط حقہ فی الاستیفاء کمن علیہ الجزیۃ اذا صرف بنفسہ الی المقاتلۃ ثم تقریر ھذا الکلام من وجہین احدھما ان الزکوۃ محض حق اللہ تعالی فانما یستوفیہ من یعین نائبا فی استیفاء حقوق اللہ تعالی وھو الامام فلا تبرأ ذمتہ الا	ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوۃ مالی حق ہے۔ جس پر ولایت شرعی کے سبب سے امام قبضہ کرتا ہے۔ لہذا امام کے قبضہ کے حق کو وہ شخص جس پر زکوۃ واجب ہے۔ ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے۔ جیسے اس کو اختیار نہیں ہے۔ جس پر جزیہ واجب ہے۔ جب کہ وہ اپنے اختیار سے مجاہدین پر خرچ کرے۔ پھر اس مسئلہ کی تقریر دو عنوانوں سے ہے اول یہ کہ زکوۃ محض اللہ کا حق ہے۔ لہذا اس پر وہی قبضہ کرسکتا ہے جو حقوق اللہ کے پورا کرانے میں اللہ تعالی کا نائب متعین ہو۔ اور وہ امام ہے۔ پس کوئی مسلمان زکوۃ سے

بالصرف الیہ و علی ھذا نقول و ان علم صدقہ فیما یقول یوخذ منہ ثانیا۔ ولا یبرأ بالاداء الی الفقیر فیما بینہ و بین ربہ و ھو اختیار بعض مشائخنا رحمھم اللہ ان للامام

بری الذمہ نہیں ہو سکتا ہے۔ جب تک کہ امام کے پاس اپنی زکوٰۃ نہ بھیجے۔ اور اسی بنا پر ہم کہتے ہیں۔ (کہ وہ شخص جو یہ کہتا ہے۔ کہ میں نے اپنی زکوٰۃ خود فقیروں کو دیدیا) اگرچہ اس کی سچائی کا علم ہو۔ پھر بھی اس سے دوبارہ زکوٰۃ وصول کی جائیگی اور فقیروں کے دیدینے سے وہ عند اللہ بھی ادائے زکوٰۃ سے سبکدوش نہیں ہوگا۔ اور یہ ہمارے بعض

ع۵ یہ حکم زکوٰۃ کا ہے۔ صدقات نافلہ کا یہ حکم نہیں ہے۔ صدقات نافلہ میں ارباب اموال کو جائز ہے کہ وہ صدقات نافلہ کو بذریعہ امیر کے فقراء کو دے۔ یا خود ہی اپنے ہاتھوں فقراء کو دیدے۔ پھر چاہے کھلے طور پر دے۔ چاہے چھپا کر دے۔ قرآن مجید میں ہے۔

ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتوتوھا الفقراء فھو خیر لکم (بقرہ ۳۶)

صدقات کو اگر کھلے طور پر دو۔ تو اچھی بات ہے اور اگر اس کو چھپا کر فقراء کو دو۔ تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

اس آیت میں لفظ "صدقات" سے مراد صدقات نافلہ ہے۔ جمہور مفسرین کی یہی رائے ہے تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے تحت میں اس کی تصریح ہے۔

والمراد من الصدقات علی ما ذھب الیہ جمھور المفسرین صدقات التطوع

صدقات سے مراد جس کی طرف جمہور مفسرین گئے ہیں صدقات نافلہ ہے۔

(تفسیر روح المعانی صفحہ ۳ جلد ۳)

علامہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں

اختلفوا فی ان المراد بالصدقۃ المذکورۃ فی ھذہ الایۃ التطوع او الواجب او مجموعھما فالقول الاول وھو قول الاکثرین ان المراد منہ صدقۃ التطوع قالوا لان الاخفاء فی صدقۃ التطوع افضل والاظھار فی الزکوۃ افضل (تفسیر کبیر جلد ۲ ۵۹)

مفسرین اس میں مختلف الرائے ہیں۔ کہ اس آیت میں جو صدقہ کا لفظ مذکور ہے۔ اس سے مراد صدقات نافلہ ہے۔ یا صدقات واجبہ یا دونوں کا مجموعہ۔ پہلا قول۔ اور وہی اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں صدقہ کے لفظ سے مراد صدقات نافلہ ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ اس لئے ہے کہ اخفا کرنا صدقات نافلہ میں افضل ہے۔ اور اظہار زکوٰۃ میں افضل ہے (اور اس آیت میں چھپا کر دینے کو چونکہ بہتر فرمایا گیا ہے یہی قرینہ ہے کہ صدقہ سے یہاں صدقہ نافلہ مراد ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۶ پر

را یا فی اختیار المصرف فلا یکون لهم ان یبطل رای الامام بالاداء بنفسہ الخ

(مبسوط ۱۶۲/۲۲)

مشائخ کا مختار مذہب ہے۔ اس لئے کہ زکوۃ کے مصارف میں سے کسی مصرف کو اختیار کرنے میں امام کی رائے کا اعتبار ہوگا۔ بنا بر افراد امت یعنی ارباب مال کو یہ حق نہیں پہونچتا ہے۔ کہ وہ امام کی رائے کو خود سے زکوۃ ادا کرکے باطل کرے۔

(بقیہ حاشیہ ۸۵ زکوۃ میں اظہار کیوں افضل ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

ان الاظہار فی اعطاء الزکوۃ الواجبۃ افضل و یدل علیہ وجوہ - الاول ان اللہ تعالی امر الائمۃ بتوجیہ السعاۃ بطلب الزکاۃ و فی دفعہا الی الائمۃ او الی السعاۃ اظہارھا - وثانیہا ان فی اظہارھا نفی التہمۃ روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اکثر صلوتہ فی البیت الا المکتوبۃ فاذا اختلف حکم فرض الصلوۃ ونفلہا فی الاظہار والاخفاء لنفی التہمۃ فکذا فی الزکوۃ۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ ۵۱۹)

بے شک زکوۃ واجبہ کو اظہار کرکے دینا افضل ہے اور اس پر چند دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ زکوۃ کی طلب کے لئے محصلین زکوۃ کو بھیجنے کا اللہ تعالی نے امام کو حکم کیا ہے۔ اور امام کو یا محصلین کو زکوۃ دینے میں صدقہ کا اظہار لازم ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ زکوۃ کے اظہار کرنے میں تہمت کی نفی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرض نماز کے سوا۔ آپ کی اکثر نماز گھر میں ہوتی تھی۔ پس تہمت کی نفی کے لحاظ سے جب کہ فرض اور نفل نماز کے اظہار اور اخفاء میں اختلاف ہے تو اسی طرح کا حکم زکوۃ میں بھی ہے۔

بہر حال اس آیت میں چونکہ اخفا کرنے کو بہتر فرمایا گیا ہے۔ اور اخفاء صدقہ نافلہ میں بہتر ہوتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل اور قرینہ ہے کہ اس آیت میں صدقہ سے صدقہ نافلہ مراد ہے۔

عبد الصمد رحمانی

باب في الاموال الباطنة وحق المطالبة التصرف فيها للامام

اموال باطنہ کے متعلق امام کا حق مطالبہ

ولایت اخذ زکوۃ و عشر کی تحت میں اموال باطنہ کی نسبت بعض غیر ذمہ دار تحریر کے متعلق ہم یہ لکھ آئے ہیں کہ اس میں اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے کہ :-

"اموال باطنہ یعنی سونا چاندی اور شہر کے اندر بازار میں جو تجارت ہوتی ہو اکی زکوۃ کی وصولی اور مطالبہ کا حق امام اور اس کے والی کو نہیں ہے۔"

پھر اس کے ساتھ ہم نے یہ بھی لکھا تھا کہ :-

"قبل اس کے کہ اس مسئلہ کے متعلق ان کی غلط فہمی یا خطار اجتہادی کے منشا پر بحث کریں۔ پہلے یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ کتاب سنت کا اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے جو احکام شرعیہ میں اصل الاصول ہیں۔ پھر یہ کہ صحابہ کرام جو کتاب سنت سے بلا واسطہ مستفید ہونے والے تھے۔ ان کا اور ان سے بلا واسطہ فائدہ اٹھانے والے حضرات تابعین کا کیا فیصلہ ہے۔ پھر یہ کہ خود ہمارے ائمہ ثلثہ امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف محمد رحمہم اللہ کا کیا مسلک ہے اور ان کے مسلک کی تائید دوسرے مجتہدین کرام سے ہوتی ہے یا نہیں"؟

غلط فہمی اور خطار اجتہادی کا منشا

اب جبکہ ہم ان مباحث سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اموال باطنہ کی زکوۃ کی نسبت امام کے حق مطالبہ کے متعلق خطار اجتہادی کے اس منشا کو بتا دینا چاہتے ہیں جس کی بنا پر امام کے حق مطالبہ پر غیر ذمہ دارانہ تحریر سپرد قلم کی گئی ہے اور امام کے حق مطالبہ کا انکار کیا گیا ہے اس سلسلہ میں فقہ کی جو جزئی پیش کی گئی ہے وہ البحر الرائق کی حسب ذیل عبارت ہے جس سے اس امر پر استدلال کیا گیا ہے کہ سلطان کو اموال باطنہ کی زکوۃ کی ولایت نہیں ہے۔ لہذا اس کا لینا صحیح نہیں ہوگا۔ اور جب سلطان کو لینے کی ولایت نہیں رہی تو

مطالبہ کا بھی حق نہیں رہا۔ البحرالرائق کے الفاظ یہ ہیں :-

لانہ لیس للسلطان ولایۃ الزکوٰۃ فی الاموال الباطنۃ فلم یصح الاخذ (ج ۲ ص ۲۲۳)

اموال باطنہ میں زکوٰۃ کی ولایت امام کو حاصل نہیں ہے لہذا امام کے لئے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا وصول کرنا صحیح نہیں ہے۔

مگر اسی البحرالرائق میں شرط وجوب زکوٰۃ کی بحث میں فارغ عن الدین ہونے کی شرط کے ماتحت اس کی تصریح ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے مطالبہ کا حق امام کو ہے۔

شمل کلامہ کل دین و فی الھدایۃ والمراد دین لہ مطالب من جھۃ العباد حتی لایمنع دین النذر والکفارۃ ودین الزکاۃ مانع حال بقاء النصاب لانہ ینتقص بہ النصاب وکذا بعد الاستھلاک خلافاً لزفر فیھما ولابی یوسف فی الثانی۔ لان لہ مطالبا وھو الامام فی السوائم ونوابہ فی اموال التجارۃ کان الملاک نوابہ (ج ۲ ص ۲۰۲)

اس کا کلام ہر دَین کو شامل ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ دَین سے مراد وہ دَین ہے جس کا مطالبہ بندے کی جانب سے ہو۔ چنانچہ نذر کا دین مانع زکوٰۃ نہیں ہوگا لیکن زکوٰۃ کا دین بقائے نصاب کی حالت میں زکوٰۃ سے مانع ہوگا اس لئے کہ بقدر زکوٰۃ نصاب میں کمی واقع ہوگی۔ اور یہی حکم ہے نصاب کے استہلاک کی صورت میں بھی۔ امام زفرؒ کا ان دونوں صورتوں میں اور امام ابو یوسف کا دوسری صورت میں خلاف ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ دَین ہونے کی صورت میں اس کے لئے بندہ کی جانب سے مطالبہ کرنیوالا موجود ہے اور وہ خود امام کی ذات ہے۔ سائمہ جانوروں میں اور امام کے نائب ہیں تجارتی اموال میں گویا ارباب مال امام کے نائب ہیں۔

حاصل یہ کہ فقہ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ ارباب اموال پر جب کوئی ایسا دَین واجب ہو جس کا مطالبہ بندہ کی طرف سے ہو سکتا ہے تو وہ دَین مانع فرض زکوٰۃ ہے۔ یعنی مقدار دین وضع کرنے کے بعد بمقدار نصاب اس کے پاس مال نہ بچتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور فقہا زکوٰۃ کے دین کو بھی ان ہی دینوں میں شمار کرتے ہیں جس کا مطالبہ بندہ کیطرف سے ہو مثلاً کسی کے پاس چالیس روپیہ سال بھر رہے۔ یہاں تک کہ اس پر دوسرا سال بھی گزر گیا۔ اور زکوٰۃ ادا نہیں کیا تو اب اگرچہ اس پر دو سال گزر گئے لیکن چونکہ پہلے سال کی زکوٰۃ دین ہے اس کو وضع کرنے

کے بعد سالِ دوم میں انتالیس بچے۔ اور یہ نصاب سے کم ہوا اس لئے سال دوم میں زکوۃ فرض نہیں ہوگی۔ کیونکہ دین کو وضع اور مجرا کرنے کے بعد نصاب نہیں بچتا ہے۔

الغرض زکوۃ اموال ظاہرہ اور باطنہ دونوں قسم کے دین مانع فرضیت زکوۃ ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ زکوۃ کے طلب کرنے کا حق امام اور اس کے قائم مقاموں کو ہے۔ اگر یہ حق امام کو نہیں ہوتا تو پھر دین زکوۃ مانع فرضیت نہ ہوتا۔ جیسے کہ دَین کفارہ صوم وغیرہ۔ مانع فرضیت زکوۃ نہیں ہوتا کیونکہ اس کا مُطالِب کوئی بندہ نہیں ہے بلکہ خداوند تعالی کی ذات ہے۔ صاحبِ شرح وقایہ سے لغزش قلم ہوگئی کہ دین کفارہ کے ساتھ دَین زکوۃ کو بھی شامل کرلیا۔ اس لئے مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اس کے حاشیہ میں لکھا کہ علامہ شارح ہروی ابن کمال نے اس کی تردید کی ہے۔ اس کے بعد مولانا موصوف لکھتے ہیں۔

وتفصیلہ علی مافی الھدایۃ وشروحھا والمحیط وغیرھا ان دین الزکوۃ سواء کان فی الاموال الظاھرۃ او الباطنۃ یمنع وجوب الزکوۃ لان لہ مطالبا من جھۃ العباد وھو الامام او نائبہ وھذا عند علمائنا الثلثۃ فی ظاھر الروایۃ نعم خالف فیہ زفرؒ قال بعدم المنع مطلقا (عمدۃ الرعایہ)

اس مسئلہ کی تفصیل جیسا کہ ہدایہ اور اس کی شرحیں اور محیط وغیرہ میں مذکور ہیں یہ ہے کہ دین زکوۃ عام ازیں کہ اموال ظاہرہ کا دین ہو یا باطنہ کا سبب وجوب زکوۃ کا مانع ہے اور یہ اس لئے کہ اس کا من جہۃ العباد کوئی طالب ہے اور وہ امام یا اس کے نائب ہیں۔ اور یہی مذہب ہے ہمارے ائمہ ثلثہ کا۔ جو ظاہر الروایۃ ہے۔ ہاں زفرؒ کا اس میں خلاف ہے۔ اور وہ مطلقاً عدم منع کے قائل ہیں۔

صاحب شرح وقایہ کی اسی غلطی کے متعلق قدوۃ المحققین مولانا محمد مبین صاحبؒ لکھنوی نے (جن کا زمانہ مولانا عبدالحی صاحب سے پہلے ہے)، کنز الحسنات میں لکھا ہے کہ ان کی غلطی کی توجیہ محتاج تکلف یعنی یہ ان کی ایسی غلطی ہے جسکی صحیح توجیہ نہیں ہوسکتی ہے۔ اور دَین زکوۃ کو اصول مذکورہ پر مانع زکوۃ قرار دیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

وشرط زکوۃ آنست کہ قرضدار نہ باشد واگر قرضدار باشد بقدر قرض دراں مال زکوۃ واجب نیست وطالب آں قرض اگر بندہ باشد

زکوۃ کی شرط یہ ہے کہ قرضدار نہ ہو۔ اگر قرضدار ہے تو بقدر قرض اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اور اس قرض کا مطالبہ کرنے والا اگر بندہ ہو۔ تو

مانع زکوٰۃ ست و قرض بسبب کفارت و
نذر کہ برائے خدا است مانع زکوٰۃ نیست۔ و
قرض خدا کہ از جہت دادن زکوٰۃ در ذمہ او
باشد مانع زکوٰۃ ست کذا فی الہدایۃ وغیرہ
وانچہ در شرح وقایہ معلوم میشود کہ دین زکوٰۃ مانع نیست
مانند ایں کفارت و نذر توجیہ اش محتاج تکلف ست
کذا فی الحاشیۃ الچلپی۔

وہ مانع زکوٰۃ ہے۔ اور کفارہ اور نذر کے ایسا قرض جو خدا
کے لئے ہے یعنی اس کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ نہیں ہے۔
وہ مانع زکوٰۃ نہیں ہے۔ قرض خدا جو زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے
ہے اسکے ذمہ ہے وہ مانع زکوٰۃ ہے (کیونکہ اس کا مطالبہ کرنیوالا بندہ
یعنی امام ہے) جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ اور شرح وقایہ سے جو یہ معلوم ہوتا ہے
کہ دین کفارہ اور نذر کی طرح دین زکوٰۃ مانع نہیں ہے تو جیہ اسکی
محتاج تکلف ہے۔ کذا فی الحاشیۃ الچلپی۔

اسی طرح بدائع الصنائع میں بھی دَینِ زکوٰۃ کو اس دین میں شمار کیا ہے جس کا مطالبہ من جہۃ العباد ہو
اور امام اور اس کے قائم مقام کو مُطالِب قرار دیا ہے۔ یعنی امام کے حق مطالبہ کو تسلیم کیا ہے اور اس
کے لئے دلیل قائم کی ہے بدائع الصنائع کے الفاظ یہ ہیں۔

ولابی حنیفۃ ومحمد ان کل ذلک دین
مطالب بہ من جہۃ العباد اما زکوٰۃ
السوائم فلانہا یطالب بہا من جہۃ
السلطان عینا کان او دینا ولہذا
یستحلف اذا انکر الحول او انکر
کونہ للتجارۃ او ما اشبہ ذلک
فصار بمنزلۃ دیون العباد۔ اما زکوٰۃ
التجارۃ فمطالب ایضا تقدیرا۔ لان
حق الاخذ للسلطان۔ وکان یاخذہا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکرؓ
وعمر رضی اللہ عنہما الی زمن عثمان
رضی اللہ عنہ فلما کثرت الاموال فی
زمانہ وعلم ان فی تتبعہا زیادۃ ضرر
بار بابہا۔ رای المصلحۃ فی ان یفوض

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب ایسے دین
ہیں جن کا مطالبہ بندوں کی جانب سے ہے۔ سائمہ جانوروں
کی زکوٰۃ تو اس لئے کہ اس کا مطالبہ امام کی جانب سے کیا جاتا ہے
چاہے وہ زکوٰۃ بصورت عین ہو یا بصورت دین ہو۔ اسی بنا پر
صاحب مال سے حلف لیا جائیگا۔ اگر وہ حولان حول کا انکار کریگا
یا تجارتی مال ہونے کا انکار کریگا یا اسی طرح کی اور بات ہو۔
پس سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ کا دین بمنزلہ بندوں کے دین کے ہے
لیکن تجارت کی زکوٰۃ تو تقدیری حیثیت سے اس کے بھی مطالبہ کرنیوالا
ہے۔ اس لئے کہ تجارت کی زکوٰۃ کی وصول کا حق امام کو
ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت
عمر رضی اللہ عنہما تجارتی مال کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔
اور یہ حضرت عثمان کے زمانہ تک رہا۔ پھر جب حضرت
عثمان کے زمانہ میں اموال کی کثرت ہوگئی۔ اور حضرت
عثمانؓ نے سمجھا کہ ان مالوں کی تفتیش میں مال والوں کے لئے

الی اربابها باجماع الصحابة فصار
ارباب الاموال کالوکلاء عن الامام۔
الا تری انه قال من کان علیه دین
فلیؤده ولیزک مابقی من ماله۔
فهذا توکیل لارباب الاموال باخراج
الزکوة۔ فلا یبطل حق الامام عن الاخذ
ولهذا قال اصحابنا ان الامام ان
الامام اذا علم من اهل بلدة انهم
یترکون اداء الزکوة من الاموال
الباطنة فانه یطالبهم بها۔ الخ

(بدائع الصنائع ص۳۳

بہت زیادہ نقصان وضرر ہے تو صحابہ کرام کے اجماع سے عـ۹
حضرت عثمان رضنے مصلحت دیکھا کہ ارباب اموال کو ادائیگی
زکوۃ کا حق تفویض کردیا ہے۔ بس یہ ارباب اموال امام کے
وکیل کیطرح ہوگئے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حضرت عثمان رضنے
(ارباب اموال سے) کہا کہ جس شخص پر دین ہو وہ اپنے دین کو
ادا کرے۔ اور بقیہ مال کی زکوۃ ادا کرے۔ پس یہ اعلان ادائیگی
زکوۃ کے لئے ارباب مال کو وکیل بنانا ہے۔ لہذا وصولی زکوۃ کا حق
جو امام کو ہے وہ باطل نہیں ہوگا۔ اسی بنا پر ہمارے اصحاب حنفیہ نے
کہا ہے کہ امام کو جب معلوم ہو کہ شہر کے لوگوں نے اموال باطنہ کی
زکوۃ کی ادائیگی ترک کردیا ہے تو امام ان سے اموال باطنہ کی زکوۃ کا
مطالبہ کریگا۔

عـ۹ اس جگہ دو باتیں توجہ سے یاد رکھنے کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اجماع سے مراد یہاں "اجماع سکوتی" ہے۔ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تفویض پر تمام صحابہ نے سکوت فرمایا اور اسکی مخالفت نہیں کی۔ دوسری بات یہ کہ تفویض عثمانی پر یہ اجماع صحابہ بمعنی توکیل حق کے تھا جسکی اسی عبارت میں تصریح ہے۔ بمعنی اسقاط حق کے نہیں تھا۔ اس لئے کہ اسقاط حق کے معنی کے اعتبار سے اس تفویض پر اجماع کی تین قسموں میں سے کوئی قسم بھی صادق نہیں آئیگی۔ کیونکہ اسکے متعلق صحابہ کرام سے نہ تو قولاً "اجمعنا علی ہذا" منقول ہے۔ جو اجماع قولی کے لئے ضروری ہے۔ اور نہ فعلاً ان سے یہ منقول ہے کہ تمام صحابہ کرام کا اس پر عمل تھا۔ جو اجماع فعلی کے لئے لازمی شرط ہے۔ بلکہ ص۴۳ میں مدونہ کے حوالے سے جلہ مجتہدین صحابہ کے نام گذر چکے ہیں۔ جنکے متعلق یہ بیان ہے کہ یہ حضرات قولاً امام ہی کو زکوۃ دینے کا حکم کرتے تھے۔ اور عملاً خود بھی امام ہی کو اپنی زکوۃ دیتے تھے۔ اور نہ اجماع سکوتی کا فرد اس کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا صحابہ کرام کا فتوی اور ان کا عمل اسکے منافی ہے۔ اور اجماع سکوتی کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ بعض مجتہد کے کسی فعل یا قول کے اتفاق کرلینے کے بعد باقی تمام مجتہدین عصر نے خبر پانیکے بعد سکوت کیا ہو۔ اس سے قولاً اور عملاً اختلاف نہ کیا ہو۔ اور یہاں یہ مفقود ہے۔ کیونکہ قولاً بھی اختلاف موجود ہے۔ اور عملاً بھی۔

کتاب الاموال ابو عبید میں سہیل کی روایت ہے کہ حضرت سعد بن وقاص۔ اور حضرت ابو ہریرہ۔ اور حضرت ابو سعید خدری اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ہمارے والد نے پوچھا۔ کہ موجودہ سلاطین جو کچھ

(بقیہ بعد کے صفحہ پر)

حاصل یہ ہے کہ جس طرح زمانہ نبوت اور خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں زکوۃ اموال باطنہ کے مطالبہ کا حق امام یا اس کے والی کو تھا۔ آج بھی امام کو اور اس کے والی کو مطالبہ اموال باطنہ کی زکوۃ کا شرعاً حق حاصل ہے۔ حضرت عثمان رضؓ نے اجماع صحابہ سے اپنے عہد میں جو کچھ بھی کسی مصلحت سے انتظام فرمایا تھا۔ اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ توکیل حق کی تھی۔ اسقاط حق کی نہ تھی۔ اسی طرح عالمگیری اور مبسوط وغیرہ میں بھی دَین زکوۃ کو مانع فرضیت زکوۃ اس بنا پر قرار دیا ہے کہ امام کو یا اس کے قائم مقام کو مُطالِب قرار دیا ہے اور اس کے لئے حق مطالبہ کو تسلیم کیا ہے۔ بلکہ مبسوط میں اس امر کی تصریح ہے کہ عہد نبوت میں اور عہد شیخین میں اموال باطنہ کی زکوۃ مصدق وصول کرتا تھا۔

ثم دین الزکوٰۃ عن الاموال الباطنة بمنزلته عن الاموال الظاهرة فان المصدق کان یاخذ منها فی عهد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم والخلیفتین من بعده رضی اللّٰہ عنهما حتی فوض عثمان رضؓ الاداء الی ارباب الاموال لما خاف المشقة والحرج فی تفتیش الاموال علیهم من سعاة السوء فکان ذلک توکیلا منه لصاحب المال بالاداء فنفذ توکیله لانه کان من نظر صحیح (مبسوط ج۲ ص۱۶۹ تا ج۲ ص۱۷۰)

پھر اموال باطنہ کی زکوۃ کا دین بمنزلہ اموال ظاہرہ کے دین کے ہے۔ اسی لئے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں زکوۃ کا محصل اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضؓ نے ادائیگی زکوۃ کی ذمہ داری کو ارباب اموال کے سپرد کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت عثمان رضؓ غیر محتاط عاملوں کے ہاتھوں مال کی تفتیش میں ارباب اموال کی مشقت اور حرج سے ڈرے۔ پس یہ حضرت عثمان رضؓ کی جانب سے ارباب اموال کے لئے ادائیگی زکوۃ کی توکیل تھی پس حضرت عثمان کی یہ توکیل نافذ ہو گئی۔ کیونکہ یہ توکیل صحیح نظر کی بنا پر تھی۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ قبل) کرتے ہیں۔ وہ آپ کو معلوم ہے۔ کیا ایسی حالت میں بھی ہم اپنی زکوۃ ان کو دیں۔ میرے والد نے فرمایا کہ سب لوگوں نے متفقہ جواب یہ دیا کہ:

ادفع الیھم (ص۵۶۸) ان ہی سلاطین کو زکوۃ دو۔

یہ روایت کھلی دلیل ہے۔ کہ اجلہ صحابہ کرام تفویض عثمانی کے بعد امام ہی کو زکوۃ دینے کا فتوی دیتے تھے۔ ان کے نزدیک تفویض عثمانی کا مفہوم امام کے حق کے اسقاط کے نہیں تھا۔ اور اس معنی میں اجماع صحابہ نہیں تھا۔ ورنہ صحابہ کرام اجماع عثمانی کے خلاف فتوی نہیں دیتے کیونکہ اجماع پر عمل کرنا واجب ہے۔ ۱۲ عبدالصمد رحمانی

فتاوی عالمگیری کے الفاظ یہ ہیں:-

وان کان زکوۃ الاثمان وزکوۃ عروض التجارۃ ففیہما خلاف بین اصحابنا فعند ابی حنیفہ رح ومحمد رح الجواب فیہا کالجواب فی السوائم (کتاب الزکوۃ ج۱ ص۱۶۳)

درہم اور دینار کی زکوۃ اور تجارتی سامان کی زکوۃ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رح اور امام محمد رح کے نزدیک درہم دینار اور تجارتی مال کا حکم وہی ہے جو سائمہ جانوروں کا ہے (یعنی امام کو جس طرح سائمہ جانوروں کی زکوۃ کے مطالبہ کا حق ہے اموال باطنہ کی زکوۃ کے مطالبہ کا بھی حق ہے۔

بہرحال تمام فقہ کی کتابوں میں اموال باطنہ کی زکوۃ کی نسبت یہ تصریح ہے۔ کہ امام یا اس کے والی کو مطالبہ کا حق ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے "شرح معانی الآثار" میں یہ مذکور ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کے لئے عامل مقرر فرمایا تھا۔ شرح معانی الآثار کے الفاظ یہ ہیں:-

ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی ایوب بن شرحبیل ان خذ من المسلمین من کل اربعین دینارا دینارا۔ ومن اہل الکتاب من کل عشرین دینارا دینارا۔ اذا کانوا یدیرونہا ع ثم

حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے ایوب بن شرحبیل کو لکھا کہ مسلمانوں سے چالیس اشرفی میں ایک اشرفی لو۔ اور اہل کتاب سے بیس اشرفی میں ایک اشرفی لو۔ اگر وہ چاہیں۔ پھر ان سے سال کے آخر تک کچھ نہ لو۔ تحقیق کہ میں نے یہ سنا ہے اس شخص سے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

ع شرح "معانی الآثار" کے حاشیہ پر دوسرا نسخہ "یدیرونہا" ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے، اور اس بنا پر یہ سمجھنا غلط ہے کہ اس فرمان کا تعلق ان اموال تجارت سے ہے۔ جو اموال ظاہرہ ہیں، اور یہ وہ ٹیکس ہے۔ جو ایک شہر سے دوسرے شہر کو مال لیجانے میں لیا جاتا ہے۔ اور یہ مراسلہ انھیں لوگوں کے نام بھیجا گیا تھا۔ جو ناکوں پر معین تھے اس لئے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے اس فرمان میں جس ٹیکس کا تذکرہ ہے، وہ عہد نبوی کا ٹیکس ہے۔ اور عہد نبوی میں عاشر کا محکمہ نہیں تھا۔ لہذا حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے اس فرمان کو عاشر کے محکمہ والے ٹیکس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس ٹیکس کے متعلق فرمان لکھ رہے ہیں۔ جس ٹیکس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصدقین کو بھیجتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اس نسخہ کو غلط سمجھ کر متن میں داخل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ عاشر کے محکمہ کا قیام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے۔

فان عمر رضی اللہ عنہ نصب العشار (ج۲ ص۳۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عاشر کا محکمہ قائم فرمایا۔

عبدالصمد رحمانی

لا تاخذ منهم شیا حتی راس الحول فانی سمعت ذلك ممن سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول ذلك ففی هذا الحدیث امر رسول الله صلی الله علیه وسلم المصدقین ان یاخذوا اموال المسلمین ما ذکرنا و من اموال اهل الذمة ما وصفنا (کتاب ص ۳۱۲ ج ۱)

سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی حکم فرماتے تھے۔ پس اس حدیث کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصدقین کو یہ حکم فرمایا، کہ مسلمانوں کے اموال باطنہ سے چالیسواں حصہ لو۔ اور ذمیوں کے اموال باطنہ سے بیسواں حصہ لو۔

+ + + + + + + + + + + + +

اسی طرح ذیل کی حدیثوں میں بھی اموال باطنہ کے متعلق تصریحی حکم ہے۔

اموال باطنہ کی زکوۃ کے مطالبہ کے متعلق چند احادیث

(۱) عن علی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قد عفوت عن الخیل والرقیق فادوا زکوة اموالکم من کل مائتین خمسة (باب زکوة الورق ص ۳۴۳ نسائی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوۃ کو معاف کیا۔ پس تم لوگ اپنے مالوں کی زکوۃ دو سو درہم میں پانچ درہم ادا کرو۔

یہ حدیث اس مفہوم میں صریح ہے۔ کہ اموال باطنہ کی زکوۃ کا مطالبہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے تھے۔

(۲) عن سمرة بن جندب قال اما بعد فان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یامرنا ان نخرج الصدقة من الذی نعد للبیع (ابوداود)

سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے۔ کہ ان چیزوں سے زکوۃ نکالیں۔ جنکو تجارت کے لئے ٹھہرا رکھتے تھے۔

یہ حدیث دلیل ہے۔ کہ "تجارت فی المصر" کے مال سے (جو فقہاء کی اصطلاح میں اموال باطنہ ہے) زکوۃ لی جاتی تھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں "عاشر کا محکمہ" نہ تھا۔

"ہدایہ" میں دارقطنی کی روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہے کہ

(۳) کتب الی معاذ ان خذ من کل مائتی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضؓ کو لکھا۔ کہ دو سو درہم

درہم خمسۃ دراھم و من کل عشرین مثقالا من ذھب نصف مثقال (کتاب الاموال)

سے پانچ درہم زکوۃ وصول کرو۔ اور بیس مثقال سونے سے نصف مثقال سونا زکوۃ میں لو۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی کو فرمان بھیجتے تھے۔ کہ اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرو۔ چاہے چاندی ہو۔ یا سونا۔ دار قطنی میں ایک دوسری حدیث حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی میں ان الفاظ میں ہے۔

(۴) عن ابن عمرؓ و عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاخذ من کل عشرین دینارا نصف دینار و من الاربعین دینارا دینارا (باب وجوب زکوۃ الذھب)

حضرت عبد اللہ ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیس دینار میں سے نصف دینار اور چالیس دینار میں سے ایک دینار زکوۃ لیتے تھے۔

ایک دوسری حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اموال باطنہ کی زکوۃ کے متعلق ان الفاظ میں مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(۵) قد عفوت عن الخیل والرقیق فھاتوا صدقۃ الرقۃ من کل اربعین درھما درھم۔ ولیس فی تسعین و مائۃ شیئ فاذا بلغ مائتین ففیھا خمسۃ دراھم فما زاد فعلی حساب ذلک

(ابوداؤد ترمذی)

میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوۃ کو معاف کیا۔ بس تم لوگ چاندی کی زکوۃ میں ہر چالیس درہم پر ایک درہم دو۔ ایک سو نناوے درہم تک میں زکوۃ نہیں ہے۔ جب دو سو درہم پایا جائیگا تو پانچ درہم اسمیں زکوۃ ہوگی۔ اور اسکے زیادہ پر۔ جتنا زیادہ ہو اس کا چالیسواں حصہ لازم آئیگا۔

اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کے متعلق حضرت عمرؓ کا فرمان اور عمل اور اجلہ صحابہ کے فتاوے

اموال باطنہ کی زکوۃ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمانوں میں سے حسب ذیل دو فرمان ہیں جو حضرت شعیبؒ حضرت انس سے مروی ہیں۔

(۶) عن شعیب بن یسار قال کتب عمرؓ الی ابی موسی ان مرمن قبلک من نساء المسلمین ان یصدقن من حلیھن (ق)

شعیب بن یسار کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی عنہ نے ابو موسیٰؓ کو لکھا۔ کہ اپنے اطراف کی مسلمان عورتوں کو حکم دو۔ کہ وہ اپنے زیورات کی زکوۃ ادا کریں۔

(۲) عن انس قال ولانی عمر بن الخطاب الصدقات فامرنی ان اخذ من کل عشرین دینارًا نصف دینار وما زاد فبلغ ار بعتہ دنانیر ففیہ درھم وان اخذ من کل مائتی درھم خمستہ دراھم فما زاد فبلغ اربعین درھما ففیہ درھم (کتاب الاموال لابی عبید)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ پر مجکو والی بنایا۔ اور مجکو حکم دیا۔ کہ میں بیس اشرفی میں نصف اشرفی زکوٰۃ میں لوں۔ اور اس پر جو زیادہ ہو کر چار دینار تک پہنچے تو اس میں ایک درہم لوں اور (یہ بھی حکم کیا کہ) ہر دو سو درہم میں پانچ درہم لوں۔ اور اس پر جو زیادہ ہو کر چالیس درہم ہو۔ تو ایک درہم اس میں زکوٰۃ لازم آئیگی۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا ان کو اتنا اہتمام رہتا تھا۔ کہ چاندی کی زکوٰۃ میں جب چاندی نہ ملتی تھی تو بدلے میں اسی قیمت کا سامان لیتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں :۔

ان عمر کان یاخذ العروض فی الصدقۃ من الورق وغیرھا (باب الزکاۃ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ میں سامان لے لیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ صفحہ ۶۴ میں بیس بائیس اجلہ صحابہ اور تابعین کے نام گذر چکے ہیں۔ کہ وہ اپنی زکوٰۃ امام کو ادا کرتے تھے۔ اور امام ہی کو دینے کا حکم کرتے تھے۔ اور یہ فتویٰ ان کا اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے متعلق تھا۔ اس کیلئے "یامر بدفع الزکاۃ الی السلطان" کے الفاظ کھلی دلیل ہیں کیونکہ اموال ظاہرہ کی وصولی کے لئے تو عامل خود ارباب اموال کے پاس جاتے تھے۔ ان کے لئے فرمان نبوی یہ تھا۔ کہ

لاجلب ولا جنب ولا توخذ صدقاتھم الافی دورھم (ابوداود باب این تصدق الاموال)

نہ کھینچ کر ایک جگہ اکٹھا کرنا درست ہے۔ نہ دور لے جانا۔ صدقات کو ان کے مکان ہی پر وصول کیا جائیگا۔

ان اجلہ صحابہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی نام ہے۔ جو صحابہ میں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ کتاب الاموال میں قزعہ کی روایت ہے حافظ ابو عبید نے سونے چاندی کی زکوٰۃ کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے۔

قال قلت لابن عمر ان لی مالا فالی من ادفع زکوتہ۔ قال ادفعھا

قزعہ نے کہا۔ کہ میں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میرے پاس مال ہے۔ میں اسکی زکوٰۃ کس کو ادا کروں؟ حضرت

الی هؤلاء القوم یعنی الامراء قلت اذاً یتخذون بها ثیابا وطیبا۔ فقال وان اتخذوا بها ثیابا وطیبا۔ (ص۵۶۸/۱)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ "امراء" کو دو۔ میں نے کہا۔ وہ لوگ اس کے کپڑے بنائینگے اور عطر لینگے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے کہا۔ اگرچہ وہ اس کے کپڑے بنائیں اور عطر لیں۔

پھر اسی سونے۔ چاندی کی زکوٰۃ کے متعلق کتاب الاموال میں حضرت سعد بن وقاصؓ۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابو سعید خدریؓ وغیرہ کا بھی فتوی نقل کیا ہے۔ کہ یہ حضرات بھی اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے متعلق یہ فتوی دیتے تھے کہ امیر کو دو۔ اور آخر میں جمیع آثار مذکورہ کے متعلق یہ تصریح کردی ہے کہ

ذلك فی زكوة الذهب والفضة خاصة (ص۵۷۳)

یہ سب روایتیں خاص کرکے سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے بارے میں ہیں۔

بہر حال قرن اول میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ امام وصول کرتا تھا۔ اور اس کا مطالبہ کرتا تھا۔ اس تعامل کے متعلق جس طرح احادیث میں تصریحات ہیں۔ فقہ میں بھی اس کے متعلق تصریح ملتی ہے کہ عامہ مشائخ کا اسی پر اتفاق ہے۔

چنانچہ بدائع الصنائع میں یہ تصریح ہے۔ کہ عامہ مشائخ کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرتے تھے۔ بدائع کے الفاظ یہ ہیں:۔

واما المال الباطن الذی یکون فی المصر فقد قال عامة مشائخنا۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طالب بزکاته وابوبکر وعمر طالبا۔ وعثمان طالب زمانا الخ (ص۳۵ ج۲)

ان اموال باطنہ کے متعلق جو مصر میں ہوتے ہیں، ہمارے تمام مشائخ فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زکوٰۃ کا مطالبہ فرمایا۔ اور کچھ زمانہ (یعنی تفویض سے پہلے) تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی مطالبہ فرمایا۔

علامہ جصاص رازی نے احکام القرآن میں اس قاعدہ کے ماتحت کہ "قال ابو حنیفۃ کل صدقة لیس اخذها الی الامام فجائز اعطاءها الی الذمة" ایک اعتراض کے جواب میں اموال باطنہ کے متعلق اصولی طور پر اس تصریح کے ساتھ۔ کہ زکوٰۃ کی وصولی قاعدہ کے اعتبار سے اصولاً امام ہی کے لئے ہے یہ بھی تصریح کردی ہے کہ تفویض عثمانی سے امام کے حق

اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق ساقط نہیں ہوا۔

قیل اخذها فی الاصل الی الامام وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاخذها وکذلک ابو بکر وعمر فلما کان عثمان قال للناس ان ھذا شھر زکوتکم فمن کان علیہ دین فلیودہ ثم لیزک بقیۃ مالہ فجعل ارباب الاموال وکلاءہ فی ادائھا ولم یسقط ذلک حق الامام فی اخذها (ص ۲۶۲ ج ۱)

قاعدہ کے لحاظ سے زکوۃ کی وصولی امام کیلئے ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ وصول فرماتے تھے اور ایسے ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وصول کرتے تھے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو لوگوں سے کہا، یہ تمہاری زکوۃ کا مہینہ ہے، جس پر قرض ہو، وہ اپنے قرض کو ادا کرے۔ پھر بقیہ مال کی زکوۃ ادا کرے پس زکوۃ کی ادائگی میں حضرت عثمانؓ نے ارباب مال کو اپنا وکیل بنایا اور اس سے امام کا حق ساقط نہیں ہوا

حاصل یہ کہ کتاب وسنت۔ اثار صحابہ۔ اور فقہہ کی تصریحات سب کے سب اس مسئلہ میں ہمزبان اور متفق ہیں۔ کہ امام کو اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کا حق ہے اور یہی شرعی اصول کا مقتضا ہے۔ اور چونکہ امام کے اس حق کی بنیاد نصوص کتاب وسنت اور اثار صحابہ۔ اور اجماع امت پر ہے۔ لہذا تفویض عثمانی کے بعد بھی انیوالے امام کا یہ حق ساقط نہیں ہوا۔ بلکہ یہ حق باقی رہا۔ ہاں تفویض عثمانی سے آنے والے امام کی راہ میں سہولت ضرور پیدا ہوگی۔

تفویض عثمانی کا فائدہ

بظاہر نص قرآنی "خذ من اموالھم صدقۃ" ہے۔ اور نص حدیث خذ من کل مائتی درھم خمسۃ دراھم ہے۔ اور عہد نبوی اور عہد شیخین کے تعامل سے۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تفویض عمل میں نہ آتی۔ بلکہ ان کے عہد میں بھی ماقبل ہی پر تعامل رہتا۔ تو امت کیلئے بجز اس راہ کے کوئی دوسری راہ نہ ہوتی۔ کہ عملاً ہر امام کے لئے اخذ زکوۃ لازم اور واجب سمجھا جاتا اور اس پر عمل نہ کرنا، منشاء وجوب (جو خذ صیغہ امر کا مقتضا ہے) خلاف کرنا سمجھا جاتا۔ نیز علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کے حکم کے منافی سمجھا جاتا۔ اور اگر حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ میں ماقبل کے تعامل کے خلاف کیا جاتا۔ تو اس کو تخریب تشتت، اور جنگ وجدال کے دور کا مجبوراً عمل سمجھا جاتا۔ اور یہ امت کے لئے ایک صعوبت ہوتی۔

اس بنا پر تقدیر الٰہی کے مصالح کا مقتضا یہ ہوا۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عملاً "خذ" کی تفسیر کرائے۔ اور اس غلط فہمی کو مٹائے۔ کہ "خذ" کے معنے صرف یہی ہیں۔ کہ امام ہر مسلمان سے خود زکوٰۃ وصول کرے۔ بلکہ یہ عام ہے کہ چاہے براہ راست خود ارباب مال سے بذریعہ سعاۃ۔ اور وُلاۃ۔ اور عاملین کے وصول کرے یا وہ خود ارباب مال کو واسطہ بنائے۔ اور توکیلاً یا نیابۃً اپنا حق اخذ ان کو تفویض کرے۔

پس آنے والے امام کے لئے تفویض عثمانی سے یہ سہولت پیدا ہوگی۔ کہ وہ چاہے "خُذ" پر عمل اس طرح کرے کہ ارباب اموال کو واسطہ بنائے۔ اور تفویض عثمانی کو اپنے لئے اسوہ بنائے۔ یا اس طرح عمل کرے۔ کہ سعاۃ۔ ولاۃ۔ عمال کو واسطہ بنائے جس پر حضرت عثمان رضؓ کی ابتدا خلافت تک عملدر آمد تھا۔ تاریخ اسلامی میں دونوں پر عمل کی شہادتیں ملتی ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں اسی دوسری صورت پر عمل تھا۔

تفویض عثمانی کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہدِ خلافت میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی

تفویض عثمانی کے بعد منہاج نبوت پر باتفاق علماء کرام دو ہی خلافت سمجھی گئی ہے۔ ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی۔ دوسری حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی۔ علامہ ذہبی نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کے متعلق لکھا ہے:۔

لکن تجدد لہ لما استخلف وقلبہ اللہ فصار بعدہ فی حسن السیرۃ والقیام بالقسط مع جدہ لامہ عمرؓ۔ وفی الزھد مع الحسن البصریؒ۔ وفی العلم مع الزھری۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب خلیفہ ہوئے۔ تو خداوند تعالیٰ نے ان کو نئے قالب میں بدل دیا۔ ابؒ عدل و انصاف میں اور حسن سیرت میں اپنے نانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے تھے۔ اور زہد میں حسن بصری کی طرح تھے اور علم میں زہری کی طرح تھے۔

علم و فضل میں ان کا درجہ یہ تھا۔ کہ "تذکرۃ الحفاظ" میں ہے۔

کان اماماً۔ فقیھاً۔ مجتھداً۔ عارفاً بالسنن۔ کبیر الشان۔ ثبتاً حجۃً حافظاً۔ (تذکرۃ الحفاظ)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے وقت کے امام تھے۔ فقیہ تھے۔ مجتہد تھے۔ حدیث کے بہت بڑے [illegible] بڑا درجہ رکھتے تھے۔ معتبر تھے۔ اپنے وقت کے حجت اور حافظ تھے۔

خلافت مرتضوی میں اموال باطنہ کے متعلق کیا عمل تھا۔ اس کے متعلق اس وقت کوئی صریح روایت میرے پیش نظر نہیں ہے۔ اس عہد کے ہنگامی واقعات کی بنا پر امید نہیں ہے۔ کہ انتظامی امور کے متعلق جدید اصلاح کا موقع ملا ہو۔ اس لئے غالب گمان یہی ہے۔ کہ تفویض عثمانی پر عمل ہوگا۔ چنانچہ اسی بنا پر ہم نے اس عہد کے بعض واقعات کی تشریح اسی تفویض عثمانی پر عمل کے نقطہ نظر سے کی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی خلافت میں تفویض عثمانی پر عمل نہیں تھا۔ بلکہ وہ خود بواسطہ سعاۃ۔ ولاۃ۔ عاملین۔ اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ حسب ذیل تصریحات اسکی دلیل ہیں۔

(۱) سب سے زیادہ ذمہ دار دلیل وہ حوالہ ہے۔ جو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ شرح معانی الآثار میں ذکر کیا ہے۔ اور وہ اسی باب میں چند صفحات پہلے مذکور ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے والی شرجبیل کے نام یہ فرمان لکھا تھا۔ کہ مسلمانوں سے چالیس دینار میں ایک دینار لو۔ جو اس امر پر صریح دلیل ہے۔ کہ تفویض عثمانی کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رح اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی "مصفی شرح موطا امام مالک" میں "باب انواع الزکوٰۃ" کے تحت۔ ایک ایسی حدیث آئی ہے۔ جس میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوسرے فرمان کا ذکر ہے۔ جو دمشق کے صدقات کے عاملوں کو لکھا گیا ہے۔ اور اس میں ان کو صدقہ کے متعلق ہدایت کی گئی ہے۔ کہ کن کن چیزوں میں صدقہ ہے۔ اس فرمان میں زراعت یعنی عشر اور ماشیہ یعنی سائمہ جانوروں کے ساتھ "عین" یعنی سونا چاندی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

جو اس امر کے لئے کھلی دلیل ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے عاملین عشر اور سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ کے ساتھ سونا چاندی جو اموال باطنہ ہیں۔ ان کی زکوٰۃ بھی وصول کرتے تھے۔ موطا کے الفاظ یہ ہیں:۔

مالك انه بلغه ان عمر بن عبدالعزيز كتب الى عماله على دمشق فى الصدقة انما الصدقة فى الحرث والعين والماشية۔	مالک کو خبر پہنچی ہے۔ کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان عاملوں کو جو صدقہ پر دمشق میں مقرر تھے۔ یہ فرمان لکھا ہے۔ کہ زکوٰۃ با یقین واجب ہے۔ زراعت میں، اور سونا چاندی میں، اور سائمہ جانوروں میں

(۳) "موطا امام مالکؒ" میں "ضمار مال (غائب شدہ مال) کے باب کے تحت میں حسب ذیل حدیث ہے"

ان عمر بن عبد العزیز کتب فی مال قبضہ بعض الولاۃ ظلما یامر بردہ الی اھلہ و تؤخذ زکوتہ لما مضی من السنین ثم عقب بعد ذلک بکتاب الا تاخذ منہ الا زکوۃ واحدۃ فانہ کان ضمارًا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ نے اس مال کے بارے میں جس پر بعض والیوں نے ظلماً قبضہ کر لیا تھا۔ فرمان لکھا۔ کہ اس طرح کے مال کو اس کے مالک کو لوٹا دو۔ اور جتنے سال گذرے ہیں۔ سب کی زکوۃ وصول کر لی جائے۔ بعد اسکے پھر دوسرا فرمان بھیجا۔ کہ صرف ایک سال کی زکوۃ لی جائے کیونکہ وہ مال ضمار تھا۔

حنفیہ کے ہاں ضمار میں زکوۃ نہیں ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ خود مجتہد اور فقیہ تھے۔ ان کا مسلک مال ضمار کے باب میں یہ تھا۔ کہ اس پر زکوۃ لازم ہوگی۔ چنانچہ وہ اسکی زکوۃ وصول کرتے تھے۔ مقصد یہ ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ تفویض عثمانی کے بعد اموال باطنہ کی زکوۃ کا مطالبہ کرتے تھے اور وصول کرتے تھے۔

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ بھی ہے۔ کہ جب ابو عائشہ کے صاحبزادے نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ سے یہ داد خواہی۔ کہ ولید بن عبد الملک نے میرے باپ سے ظلماً بیس ہزار روپے لے کر بیت المال میں داخل کر دیا ہے۔ وہ مجکو ملنا چاہیے۔ تو حضرت عمر عبد العزیزؒ نے اس کی واپسی کا حکم دیدیا۔ اور یہ بھی لکھا۔ کہ چونکہ مال ضمار ہے۔ اس لئے ایک سال کی زکوۃ لے لو۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو ہم گذشتہ سالوں کی بھی زکوۃ لیتے۔ یہ واقعہ مصنف ابن شیبہ میں مذکور ہے۔

عن عمرو بن میمون قال اخذ ولید بن عبد الملک عن رجل من اھل الرقۃ یقال ابو عائشۃ عشرین الفًا فالقاہ فی بیت المال فلما ولی عمر بن عبد العزیز اتاہ ولدہ فرفعوا مظلمتھم الیہ فکتب الی میمون ان ادفعوا الیھم

عمرو بن میمون راوی ہیں۔ کہ ابو عائشہ سے بیس ہزار روپئے ولید بن عبد الملک نے لیکر بیت المال میں داخل کر دیا۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ خلیفہ ہوئے۔ تو ابو عائشہ کے صاحبزادہ ان کے پاس آئے۔ اور اس ظلم کی داد رسی چاہی۔ تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحؒ نے میمون کو فرمان لکھا۔ کہ ان کا مال ان کو دیدو۔ اور اس سال کی زکوۃ ان سے وصول کر لو۔ اگر یہ مال ضمار (یعنی

امو الهم وخذ واز کوۃ عامهم ھذا ۔ فلنہ لولا انہ کان مالا ضمارا اخذ نا منہ زکوۃ مامضی ۔ (کتاب الزکوۃ)

غائب مال نہ ہوتا) تو ہم تمام گذشتہ سالوں کی زکوۃ اس سے وصول کرتے ۔

(۵) امام ابو عبید القاسم بن سلام نے اپنی "کتاب الاموال" میں مال ضمار کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ حق الخدمۃ اور عطایا دیتے وقت زکوۃ وصول کر لیتے تھے ۔

قال جعفر وسمعت میمونا ویزید بن یزید یتذاکران الزکوۃ فقال یزید کان عمر بن عبد العزیز اذا اعطی الرجل عمالتہ اخذ منھا الزکوۃ ۔ واذا رد المظالم اخذ منھا الزکوۃ ۔ وکان یاخذ الزکوۃ من الاعطیۃ اذا خرجت لاصحابھا ۔ (ص ۴۳۲)

جعفر نے کہا ۔ میں نے یزید اور میمون کو سنا ۔ وہ دونوں زکوۃ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے ۔ یزید نے کہا ۔ عمر بن عبد العزیز جب کسی عامل کو حق الخدمۃ دیتے تھے ، تو اس سے زکوۃ وصول کرتے تھے ۔ اور جب مظالم کو واپس کرتے تھے تو اس سے زکوۃ لیتے تھے ۔ اور جب ارباب عطیہ کو عطیہ دیتے تھے تو زکوۃ عطیہ سے لیتے تھے ۔

یہ چاروں روایتیں اس امر کی کھلی دلیل ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت میں تفویض عثمانی پر عمل نہیں تھا ۔ اور ارباب اموال کو نیابتہ یا وکالتہ اسکی اجازت نہ تھی کہ وہ خود اپنے اموال باطنہ کی زکوۃ مساکین اور فقراء کو دیدیں ۔ بلکہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اسکی وصولی کیلئے عامل بھیجتے تھے ۔ اور اسکے متعلق بوقت ضرورت فرمان بھیجکر بھی تاکید کرتے تھے ۔ اور وصولی کی ہدایت اور حکم دیتے تھے ۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اسی پر تھا ۔ کہ وہ اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرتے تھے ۔

حالت تفویض کا حکم

اس مسئلہ کے سامنے آجانے کے بعد کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تفویض سے آنے والے امام کیلئے اسکی سہولت پیدا ہوگئی کہ وہ چاہے تو اپنے حق کو تفویض کرے ۔ چاہے تو اپنے حق کو تفویض نہ کرے ۔ فقہا کے سامنے یہ مسئلہ بھی سامنے آیا ۔ کہ ایسی حالت میں کہ امام نے ارباب اموال کو اپنے حق کی تفویض کیا ہو ۔ تفویض کے بعد تفویض کو بحال رکھتے ہوئے تفویضی ایام میں امام خود اخذ زکوۃ کر سکتا ہے یا نہیں ؟ تو اسکے متعلق فقہا کی رائے یہ ہے کہ ایسی حالت میں امام کے لئے یہ روا نہیں ہے ۔

چنانچہ صاحب بدائع الصنائع نے ان تصریحات کے بعد کہ

(۱) اموال باطنہ (بجارت فی المصر) کی زکوٰۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصول فرماتے تھے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وصول کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ بھی وصول کرتے تھے۔

(۲) لیکن جب مال کی کثرت ہو گئی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ ان مالوں کی تفتیش میں صاحب اموال کیلئے بہت زیادہ ضرر ہے۔ تو اجماع صحابہ سے ارباب اموال کو خود ادائیگی زکوٰۃ کا حق تفویض کر دیا۔

(۳) اجماع صحابہ سے جو تفویض وجود میں آئی اسکی بنا پر ارباب اموال امام کے وکیل کی طرح ہو گئے۔

(۴) اس تفویض سے جو اجماع صحابہ کے رو سے عمل میں آئی۔ اس سے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق جو امام کو ہے۔ وہ باطل نہیں ہوا۔ یعنی باقی رہا۔

(۵) اور چونکہ امام کا بحیثیت امام کے حق باقی ہے۔ اصحاب حنفیہ کا قول ہے۔ کہ امام کو جب معلوم ہو کہ شہر کے لوگوں نے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی ترک کر دیا ہے تو امام ان سے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا مطالبہ کریگا۔

یہ لکھا ہے کہ اگر بغیر تہمت ترک زکوٰۃ کے امام خود وصول کرنا چاہے تو اسکے لئے یہ روا نہیں ہے۔ اسلئے کہ ایسا کرنے میں اجماع صحابہ کی مخالفت ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تفویض جو صحابہ کرام کے اجماع سے وجود میں آئی ہے۔ اسکو باقی رکھتے ہوئے مطالبہ کرنا غیر آئینی چیز ہوگی۔

کیونکہ اجماع صحابہ سے جو چیز وجود میں آئی ہے۔ اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ جب تک یہ تفویض ہے ارباب اموال کو خود سے ادائیگی زکوٰۃ کا اختیار ہے۔ اور مطالبہ کا مقتضا یہ ہے کہ ان کو خود سے ادائیگی کا اختیار نہیں ہے۔ جو صریح اس تفویض کے خلاف ہے۔ جو اجماع صحابہ سے وجود میں آئی ہے۔ بدائع الصنائع کی پوری عبارت جو دین زکوٰۃ کی بحث کے سلسلہ میں ہے یہ ہے:-

ولابی حنیفہ و محمد ان کل ذلک دین	امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب ایسے دین ہیں
مطالب بہ من جهة العباد - اما زکوة	جن کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہے۔ سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ
السوائم فلانها یطالب بها من جهة السلطان	تو اسلئے کہ اس کا مطالبہ امام کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ جا ہے وہ

عينا كان او دينا ولهذا يستحلف اذا انكر الحول - او انكر كونه للتجارة - او ما اشبه ذلك فصار بمنزلة ديون العباد -

واما زكوة التجارة فمطالب ايضا تقديرا لان حق الاخذ للسلطان - وكان ياخذها رسول الله صلى الله عليه وسلم وابو بكر وعمر رضي الله عنهما الى زمن عثمان رضي الله عنه - فلما كثرت الاموال في زمانه وعلم ان في تتبعها زيادة ضرر بأربابها راى المصلحة في ان يفوض الاداء الى اربابها باجماع الصحابة - فصار ارباب الاموال كالوكلاء عن الامام الاترى انه قال من كان عليه دين فليؤده وليزك ما بقي من ماله فهذا توكيل لارباب الاموال باخراج الزكوة فلا يبطل حق الامام عن الاخذ ولهذا قال اصحابنا ان الامام اذا علم من اهل بلدة انهم يتركون اداء الزكوة من الاموال الباطنة فانه يطالبهم بها -

لكن اذا اراد الامام ان ياخذها بنفسه من غير تهمة الترك من اربابها ليس له ذلك لما فيه مخالفة اجماع الصحابة رضي الله عنهم - (مبسوط ٢/٧)

زکوۃ بصورت عین ہو یا بصورت دین ہو - اسی بناء پر صاحب مال سے حلف لیا جائیگا - اگر وہ حولان حول کا انکار کریگا یا تجارتی مال ہونے کا انکار کریگا - یا اسی طرح کی اور بات ہو - پس سائمہ جانوروں کی زکوۃ کا دین بمنزلہ بندوں کے دین کے ہے -

تجارت کی زکوۃ تو تقدیری حیثیت سے اسکے لئے بھی مطالبہ کرنے والا ہے - اسلئے کہ تجارت کی زکوۃ وصولی کا حق امام کو ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تجارتی مال کی زکوۃ وصول کرتے تھے - اور یہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک رہا - پھر جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اموال کی کثرت ہوگئی - اور حضرت عثمانؓ نے یہ سمجھا کہ ان مالوں کی تفتیش میں صاحب اموال کیلئے بہت زیادہ نقصان و ضرر ہے - تو صحابہ کرام کے اجماع سکوتی سے حضرت عثمانؓ نے مصلحت یہ دیکھا کہ ارباب اموال کو (ادائگی زکوۃ کا حق) تفویض کر دیا جائے - پس ارباب اموال امام کے وکیل کی طرح ہوگئے - کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حضرت عثمانؓ نے (ارباب اموال سے) کہا کہ جس شخص پر قرض ہو، وہ اپنے قرض کو ادا کرے - اور اپنا بقیہ مال کی زکوۃ ادا کرے - پس یہ اعلان ادائگی زکوۃ کیلئے ارباب اموال کو وکیل بنانا ہے -

لہذا وصولی زکوۃ کا حق جو امام کو ہے باطل نہیں ہوگا - اسی بناء پر ہمارے اصحاب حنفیہ نے کہا ہے کہ امام کو جب معلوم ہو کہ شہر کے لوگوں نے اموال باطنہ کی زکوۃ کی ادائگی ترک کر دیا تو امام ان سے اموال باطنہ کی زکوۃ کا مطالبہ کریگا لیکن جب امام ارادہ کرے کہ وہ بذات خود زکوۃ وصول کرے بغیر اس تہمت کے کہ ارباب اموال نے زکوۃ دینی چھوڑ دیا ہے تو یہ اسکے لئے روا نہیں اسلئے کہ اس میں اجماع صحابہ کی مخالفت ہوگی -

اس پوری عبارت کے آخری ٹکڑے کا تعلق چونکہ اوپر سے آرہا ہے۔ اور اسکے اوپر تفویض کا ذکر ہے اسلئے اس عبارت کا اور اسکے حکم کا تعلق تفویضی صورت سے ہے۔ اور صاحب بدائع کا مطلب یہ ہے کہ تفویضی صورت میں امام کو باوجود تفویض کے بغیر تہمت ترک زکوٰۃ کے مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ انہوں نے خود ارباب اموال کو یہ حق دیا ہے۔ کہ وکیل کی حیثیت سے خود ادا کریں۔ لہذا اس تفویض کو باقی رکھتے ہوئے۔ پھر مطالبہ کرنا اجماع صحابہ کے مخالف ہوگا۔

اس آخری ٹکڑے کا جو "لکن اذا ارادالامام الخ" سے شروع ہوتا ہے۔ ماسبق کے سیاق سے الگ کرکے یہ معنی کرنا۔ اور یہ سمجھنا کہ لفظوں میں چونکہ "تفویض" کی قید نہیں ہے۔ لہذا اس عبارت کو اور اسکے حکم کو تفویضی صورت سے تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ حکم عام ہے۔ اور اسکی بنیاد اس پر ہے کہ امام کو تفویض کے بعد سرے سے مطالبہ کا حق رہتا ہی نہیں ہے۔ تو یہ غلط ہے۔

اسلئے کہ اس سے صاحب بدائع کی عبارت میں تدافع۔ تضاد اور اختلاف لازم آئیگا کیونکہ وہ اس عبارت میں پہلے یہ تصریح کر چکے ہیں کہ اس تفویض کے بعد جو صحابہ کرام کے اجماع سے عمل میں آئی۔ اس سے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق جو امام کو ہے۔ وہ باطل نہیں ہوا۔ اور جب امام کا حق اخذ باطل نہیں ہوا بلکہ باقی رہا۔ اور اس کا باقی رہنا اجماع صحابہ کے خلاف نہیں ہوا اور جب حق اخذ باقی رہا۔ تو پھر یہ کہنا کہ "تفویض کے بعد اب امام کے لئے حق باقی نہیں رہا۔ اس میں اجماع صحابہ کی مخالفت ہوگی"۔ پہلی تصریح کے خلاف ہوگا۔ اور دونوں قولوں میں تضاد ہوجائیگا۔ اور لازم آئیگا کہ ایک ایک ہی اجماع صحابہ کی بنا پر امام کے لئے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق باقی بھی ہے۔ اور باقی نہیں بھی ہے۔ اور اس طرح کا استدلال انتہا درجہ کی سخافت اور تہافت کو مستلزم ہوگا۔

پھر اسکے علاوہ اس طرح کے معنی پہنانے میں صاحب بدائع کا یہ قول رسم المفتی کے بھی خلاف ہوگا۔ کیونکہ اس بنا پر ظاہر روایت کے خلاف ہوجائیگا۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے متفقہ مسلک کے بھی منافی ہوگا۔ اور اس طرح پر صاحب بدائع کا یہ قول حنفی اصول پر لائق اعتبار ہی نہیں رہیگا۔ کیونکہ "رسم المفتی" کا یہ طے شدہ مسئلہ ہے علامہ ابن عابدین فتاوی قاضی خاں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

رسم المفتی فی زماننا من اصحابنا۔	ہمارے اصحاب حنفیہ سے ہمارے زمانہ کے بارے میں
اذا استفتی عن مسئلۃ ان کانت مرویۃ	"رسم المفتی" یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ کے متعلق استفسار کیا جائیگا تو

عن اصحابنا في الروايات الظاهرة بلاخلاف بينهم۔ فانه يميل اليهم ويفتي بقولهم ولا يخالفهم برأيه وان كان مجتهدا متقنا لان الظاهر ان يكون الحق مع اصحابنا ولا يعدوهم۔ واجتهاده لا يبلغ اجتهادهم ولا ينظر الى قول من خالفهم ولا تقبل حجته لانهم عرفوا الادلة وميزوا بين ما صح وثبت وبين ضده الخ (صـ۲۲)

اگر وہ مسئلہ ائمہ کے اختلاف کے بغیر باعتبار ظاہر روایت مروی ہو تو ایسی صورت میں ان ہی ائمہ کی طرف میلان کیا جائیگا۔ اور اپنی رائے سے ائمہ کی مخالفت نہیں کی جائیگی۔ اگرچہ وہ مفتی "صاحب الرای مجتہد" کیوں نہ ہو۔ اسلئے کہ ظاہر یہ ہے کہ حق ہمارے ائمہ کے ساتھ ہوگا۔ ان سے الگ ہو کر نہیں ہوگا۔ اور اس مجتہد مفتی کا اجتہاد۔ ائمہ کے اجتہاد کو نہیں پہنچیگا۔ اور اس شخص کے قول کی طرف نگاہ نہیں کی جائیگی۔ اور اسکی دلیل کو قبول نہیں کیا جائیگا۔ اسلئے کہ ائمہ نے دلائل کو اچھی طرح سمجھا ہے اور صحیح اور ثابت اور اسکے خلاف میں تمیز کیا ہے۔

فقہی عبارت سے استدلال کے متعلق

ایک ضروری تنبیہ

اس جگہ فقہا کی عبارت سے اخذ مطلب کے متعلق یہ بات پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ بسا اوقات فقہا اہل علم کی فہم اور ان کی ممارست علمی پر اعتماد کر کے عبارت میں اطلاق سے کام لیتے ہیں۔ اور شروط وقیود کی تصریح نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور عبارت میں ذکر نہیں کرتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں ان لوگوں کے لئے جن کی نظر فقہا کے تمام اقوال پر۔ اور مسئلہ کے تمام پہلو پر نہیں ہوتی ہے۔ یہ اطلاق ٹھوکر کا باعث بن جاتا ہے۔ جیسا کہ صاحب بدائع کی اس آخری ٹکڑے کی عبارت میں جو "لکن" سے شروع ہوئی ہے۔ اس میں حالت تفویض کی قید نہیں ہے حالانکہ ان کا مقصد یہی ہے۔ جو سیاق عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور ان کے پہلے قول سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے ابھی مذکور ہو چکا۔ کہ اگر اس قید کا اعتبار نہ کیا جائے تو صاحب بدائع کی اسی عبارت کے دو قولوں میں تضاد۔ تخالف۔ اور منافات لازم آئیگا۔

اسکے علاوہ اسی عبارت میں اطلاق کی دوسری مثال یہ ہے۔ کہ صاحب بدائع نے اموال باطنہ کی مثال میں۔ (جسکے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما

وصول کرتے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تفویض سے پہلے وصول کرتے تھے۔ پھر اُس کو مصلحت حاضرہ کی بناپر ارباب اموال کو تفویض کر دیا کہ اسکی زکوۃ خود سے ادا کریں) زکوۃ التجارۃ لکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی مراد اس سے مطلقاً تجارت نہیں ہے۔ بلکہ تجارت فی المصر ہے۔ جو اموال باطنہ ہے۔ اور اسی کی تفویض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ نہ کہ تجارت منتقلہ جو اموال ظاہرہ سے ہے۔

اب صاحب بدائع کے اس اطلاق سے اُس کو شبہ اور دھوکا ہو سکتا ہے جسکی نظر صاحب بدائع کے تمام اقوال اور تصریحات پر نہ ہو۔ یا مسئلہ کے تمام پہلو پر اس کی نظر نہ ہو۔ اور ان کی ظاہر عبارت کو اس کے اطلاق کی بناپر اس پر حمل کر دے۔ کہ صاحب بدائع کا فتوی یہ ہے کہ مطلقاً ہر طرح کی تجارت کی زکوۃ حضور کے عہد سے لیکر حضرت عثمان کے عہد تک وصول کی جاتی تھی۔ اور مطلقاً ہر طرح کی تجارت کی زکوۃ کو چاہے وہ تجارت فی المصر ہو یا تجارت منتقلہ ہو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارباب اموال کو تفویض کر دیا ہے۔ کہ وہ خود سے ادا کریں۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ اور اس طرح کی مثالیں فقہی عبارت میں بکثرت ہیں۔

اسی بناپر مذہبی مسائل میں قلم پکڑنے والوں پر یعنی فتوی کی خدمت انجام دینے والوں پر چاہے بذریعہ تقریر ہو، یا بذریعہ تحریر۔ متقدمین نے اجتہاد کی شرط لگائی تھی۔ اور یہ چونکہ عموماً اس زمانہ میں مفقود ہے اسلئے کم سے کم جو چیز ضروری قرار دی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ مسائل کی معرفت انکی شروط اور قیود کے ساتھ رکھتا ہو۔ کیونکہ فقہا اپنی عبارتوں میں اہل علم کی فہم پر اعتماد کرکے شروط و قیود کی تصریح نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ اسکو عبارت سے ساقط کر دیتے ہیں۔ علامہ ابن عابدین "عقود رسم المفتی" میں لکھتے ہیں:-

فان المتقدمین شرطوا فی المفتی الاجتہاد وھو مفقود فی زماننا۔ فلا اقل من ان یشترط فیہ معرفۃ المسائل بشروطھا وقیودھا التی کثیرا ما یسقطونھا ولا یصرحون بھا اعتمادا علی فہم المتفقہ۔ (ص ۲۶)	متقدمین نے مفتی کے بارے میں اجتہاد کی شرط لگائی ہے اور یہ ہمارے زمانہ میں مفقود ہے۔ اسلئے کم سے کم مفتی کے حق میں یہ شرط ہے کہ مسائل کی معرفت ان شروط و قیود کے ساتھ ہو جنکو زیادہ تر فقہا فقہ کے حاصل کرنے والے کی فہم پر اعتماد کرکے ساقط کر دیتے ہیں۔ اور ان کی تصریح (عبارت میں) نہیں کرتے ہیں۔

چنانچہ اسی تفویضی صورت کے متعلق (یعنی ایسی حالت میں کہ امام نے اپنے حق کو تفویض کر دیا ہو۔ تفویض کو بحال رکھتے ہوئے تفویضی ایام کے متعلق) علامہ جصاص رازی نے بغیر قید تفویضی کے ارباب علم کی فہم پر اعتماد کرکے احکام القرآن میں ایک جگہ یہ لکھا ہے۔

سقط من اجل ذلک حق الامام فی اخذها — اس تفویض کی بنا پر امام کا حق وصول زکوٰۃ کے بارے میں ساقط ہو گیا۔

مقصد ان کا یہ ہے کہ امام کو تفویض (عثمانی) کی صورت میں تفویض کو بحال رکھتے ہوئے تفویضی ایام میں عملاً وصولی کا حق نہیں رہا۔ ان کی یہ مراد اس دلیل سے واضح ہو جاتی ہے جو اسکے بعد ہی وہ لکھتے ہیں۔

لانہ عقد عقدہ امام من ائمۃ العدل فہو نافذ علی الامۃ (؎) — اسلئے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس معاملہ کو ائمہ عدل میں سے ایک امام نے کیا ہے۔ لہذا وہ امت پر نافذ ہوگا۔

اور یہ معلوم ہے کہ جو معاملہ (تفویض) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ وہ توکیل تھا۔ اور ارباب اموال کو نائب بنانا تھا۔ آنے والے امام کے اس حق کو ساقط کرنا نہ تھا۔ جو ان کے لئے کتاب وسنت کے نص صریح۔ اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کا حق بھی نہ تھا۔ بہر حال علامہ جصاص کا مقصد یہ ہے کہ امت کے ہر امام پر تفویض عثمانی کی بنا پر یہ حکم نافذ ہوگا کہ جب وہ تفویض کرینگے۔ تو تفویضی صورت میں تفویض کو بحال رکھتے ہوئے۔ تفویضی ایام میں ان کے لئے مطالبہ صحیح نہیں ہوگا۔

پس علامہ جصاص کی اس عبارت کے متعلق جونکہ اسکے لفظوں میں "تفویض" کی قید نہیں ہے۔ یہ نہیں کہا جائیگا کہ ان کی عبارت "سقط من اجل ذلک حق الامام" کا تعلق امام کے جمیع احوال سے ہے تفویض ہی کے احوال سے نہیں ہے۔ اسلئے کہ امام کے جمیع احوال سے اسکو متعلق سمجھنا۔ یہ خود ان کے اپنے قول۔ اور اپنی تصریح "لم یسقط ذلک حق الامام" کے خلاف ہوگا۔ جو صــ میں گذر چکا ہے۔ اور لازم آئیگا کہ ایک ہی تفویض کی بنا پر علامہ جصاص یہ بھی کہتے ہیں کہ "امام کا حق ساقط نہیں ہوا۔" اور یہ بھی کہتے ہیں کہ "امام کا حق ساقط ہوا۔" اور یہ کھلا ہوا تعارض ہے۔ جسکی نسبت علامہ جصاص کی طرف کوئی فقہی طرز تحریر سے ناواقف ہی کر سکتا ہے۔ کوئی اہل علم نہیں کر سکتا ہے۔

پھر علاوہ اسکے ظاہر روایت کے بھی خلاف ہوگا۔ اور ائمہ ثلاثہ حنفیہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف امام محمد رحمہم اللہ کے متفقہ قول کے خلاف ہوگا۔ اور یہ حنفی مسلک کا مشہور ومعروف مسئلہ ہے کہ ظاہر روایت ہے ائمہ ثلاثہ کے متفقہ مسئلہ سے اختلاف کرنے کا حق نہ کسی مجتہد کو ہے۔ نہ کسی مقلد کو۔ جبتک کوئی

صریح نص اس پر نہ ہو۔ کہ فتویٰ اب ائمہ ثلثہ کے متفقہ قول۔ اور ظاہر روایت پر نہیں ہے۔ کیونکہ کسی فقیہ کے استدلال اور بحث سے نہ ائمہ ثلثہ کے قول کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ نہ ظاہر روایت کو ترک کیا جا سکتا ہے۔ کما ہو معروف فی مقامہ۔

البحرالرائق کے قول کا صحیح محمل

رہا یہ کہ "البحرالرائق" کی اس جزئی کا مطلب کیا ہے۔ جس پر غیر ذمہ دارانہ طور پر خطاء اجتہادی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم جزئیات فقہ کو ناواقفیت کی وجہ سے صحیح محمل پر حمل نہیں کرتے ہیں۔ اور اپنی اس غلطی کی وجہ سے فقہاء کرام کے اقوال کے غلط معنی بیان کرتے ہیں۔ اور پھر اس غلط معنی سے غلط نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ اور غلط نتیجہ پر غلط تفریعات شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسئلہ کا نہ تو صحیح ڈھانچہ ہی باقی رہتا ہے۔ اور نہ صحیح روح باقی رہتی ہے۔

امام کے حق مطالبہ کے متعلق

منشا خطاء اجتہادی پر تبصرہ

بہر حال یہ مسئلہ کہ امام کو اموال باطنہ میں ولایت زکوٰۃ نہیں ہے۔ یا اس کو ان لفظوں میں تعبیر کیجئے۔ کہ مطالبہ زکوٰۃ کا حق نہیں ہے۔ اس کے متعلق فکر و نظر کی یہ بات ہے کہ بعض فقہاء جو اس طرح کی عبارت لکھ جاتے ہیں۔ اس کا محمل کیا ہے؟ اور انہوں نے کن حالات میں یہ لکھا ہے؟ اور ان کے ہاں کا۔ اور ان کے زمانہ کا ماحول کیا تھا؟ اور عملاً امام و سلطان کا اموال باطنہ کے متعلق ان کے زمانہ میں دستور کیا تھا؟ اور اس دستور کے مطابق۔ اور ماحول کے پیش نظر عمومی فتویٰ کی عبارت کیا ہونی چاہئے تھی؟

"کتاب و سنت" کی روشنی میں نفس مسئلہ کیا ہے؟ یہ معلوم ہو چکا ہے۔ عہد رسالت میں عملاً کیا ہوتا تھا؟ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں عملاً کیا ہوتا تھا؟ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے۔ اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اموال باطنہ میں امام کو "ولایت زکوٰۃ حاصل ہے۔" اسلئے امام کو "مطالبہ زکوٰۃ" کا حق ہے۔ امام بلاواسطہ یا بالواسطہ زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے۔ اور ان تینوں عہد میں وصول کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی

خلافت کے عہد میں بھی پہلے وصول کیا جاتا تھا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض مصالح کی بنا پر (جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں متعدد جگہ گذر چکا ہے) اس کا خود وصول کرنا ترک فرما دیا۔ اور ارباب مال کو ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری تفویض کر دی۔ علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

ان ظاہر قولہ تعالیٰ خذ من اموالہم صدقۃ الآیۃ توجب حق اخذ الزکوٰۃ مطلقاً للامام۔ وعلیٰ ھذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتان بعدہ۔ فلما ولی عثمان وظہر تغیر الناس کرہ ان تفتش السعاۃ علی الناس مستور اموالہم۔ ففوض الدفع الی الملاک نیابۃ عنہ ولم تختلف الصحابۃ علیہ فی ذلک۔ وھذا لا یسقط طلب الامام اصلاً ولذا لو علم ان اھل بلدۃ لا یودون زکوٰتہم طالبہم بہا۔

(ص ۴۸۸/۱۷۰ مصری)

اللہ تعالیٰ کے حکم خذ من اموالہم صدقۃ کا ظاہر مفہوم واجب کرتا ہے کہ تمام قسم کی زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے وصول کرنے کا حق صرف امام کو ہے چنانچہ اسی اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے دو خلفاء یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اسی پر کاربند رہے۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور انکے دور میں لوگوں کے احوال میں بھی تغیر ہوا (یعنی مال کی کثرت ہوئی) تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ امر ناپسند معلوم ہوا کہ سعاۃ (یعنی قبائل کے گھر پر صدقہ وصول کرنے والے عاملین) لوگوں کے چھپے ہوئے مال یعنی اموال باطنہ کی تفتیش کریں۔ اسلئے انھوں نے ارباب مال کے ذمہ یہ خدمت سپرد کر دی کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود ہمارے نائب بنکر ادا کیا کرو۔ اور ان کی اس تفویض پر کسی صحابی نے اعتراض نہیں کیا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام کو نہیں رہا۔ اور یہ حق ساقط ہو گیا اسی بنا پر مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام کو معلوم ہو جائے کہ شہر کے باشندے زکوٰۃ نہیں ادا کرتے ہیں تو امام ان لوگوں سے زکوٰۃ کا مطالبہ کریگا۔

اس سے چند باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک تو یہ کہ ظاہر قرآن سے اس امر کا وجوب ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح کے مال کی زکوٰۃ کے لینے کا حق۔ اور وصول کرنے کا حق صرف امام کو ہے۔ چاہے اموال باطنہ ہوں یا ظاہرہ۔ دوسری بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا اسی پر عمل تھا۔ یعنی وہ ہر طرح کی زکوٰۃ ارباب اموال سے لیتے تھے۔ تیسری بات یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے۔ اور ان کے زمانہ میں لوگوں کی حالت میں تغیر ہوا۔ تو آپ نے ناپسند فرمایا کہ عمال (جن کو ساعی کہا جاتا تھا۔ اور وہ جا کر اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے)

لوگوں کے اموال باطنہ کی تفتیش کریں۔ اور اس بنا پر آپ نے بجائے عامل کے ارباب اموال کو اپنی جانب سے نائب[1] کی حیثیت عطا کر کے زکوٰۃ کی ادائگی ان کو تفویض کر دی۔ چوتھی بات یہ کہ یہ تفویض کسی طرح امام کے حق اخذ زکوٰۃ کو ساقط نہیں کرتی ہے۔ کیونکہ ارباب اموال کے امام کے نائب ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اخذ زکوٰۃ کا اصل حق ہنوز امام ہی کو ہے۔ پانچویں بات یہ کہ اگر امام کو یہ معلوم ہو کہ ارباب اموال جنکو نیابت کی حیثیت دی گئی ہے۔ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہیں۔ تو امام ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کریگا۔ یعنی ان کی نیابت اس وقت ختم ہو جائیگی۔

اس طرح کی تصریح "فتح القدیر" کے علاوہ فقہ کی تمام مطولات میں ہے۔ گذشتہ صفحات میں بدائع، مبسوط للسرخسی کی عبارتیں گذر چکی ہیں۔

سب کا حاصل واحد ہے۔ کہ عہد رسالت سے لے کر عہد عثمانی کے ابتدائی دور تک کتاب و سنت کی روشنی میں امام ارباب اموال سے زکوٰۃ وصول کرتا تھا۔ ارباب اموال سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرتا تھا۔ اور خود امام اپنی رائے سے مصارف زکوٰۃ پر حسب مصالح حال صرف کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمال کی جگہ پر خود ارباب اموال کو اپنا نائب قرار دیا۔ اور ارباب اموال خود اپنی زکوٰۃ کو نکال کر زکوٰۃ ادا کرنے لگے۔ چاہے اسکی صورت یہ ہو کہ وہ زکوٰۃ کو بیت المال میں پہونچا دیتے تھے۔ (جیسا کہ ظاہر عبارت کا مقتضا ہے) یا بطور خود مستحقین زکوٰۃ پر صرف کرتے تھے۔ جیسا کہ بعض فقہا کا خیال ہے۔ مگر ان دونوں صورتوں میں اس کا سب کو اعتراف ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ تفویض امام کے حق اخذ زکوٰۃ کا اسقاط نہیں تھا۔ اسی بنا پر فقہاء

---

[1] اس میں ایک بات فکر و تامل کی یہ ہے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تفویض سے پہلے صورت حال یہ تھی کہ ارباب اموال کے پاس عمال (ساعی) امام کی نیابت کی حیثیت سے جاتے تھے۔ اور وہ جا کر ان کے اموال باطنہ کی تفتیش کر کے ان سے اموال باطنہ کی زکوٰۃ لیتے تھے۔ لینے کے بعد وہ زکوٰۃ کی رقم کو لا کر امیر کے حوالہ کرتے تھے۔ اور امیر بیت المال میں داخل کر دیتا تھا۔ اب تفویض کے بعد جب ارباب اموال کو بجائے عامل کے نائب قرار دیا گیا۔ تو نائب ہونیکی حیثیت سے ان کا فریضہ کیا ہوگا؟ ۔ آیا یہ کہ اپنی زکوٰۃ نکال کر خود ہی عمال کی حیثیت سے زکوٰۃ کی رقم کو امیر کے پاس داخل کرینگے۔ اور اسکے بیت المال میں جمع کرینگے؟ یا خود سے فقراء اور مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کر دینگے؟ اس سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے تفویض کے متعلق جو عبارت فتح القدیر یا اور دوسری

اس کی بھی تصریح کرتے ہیں۔ کہ امام کو اگر یہ علم ہو جائے کہ ارباب اموال زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو وہ ارباب اموال سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرے گا۔

بقیہ حاشیہ — کتابوں میں یہ وہ مجمل ہے۔ اسوجہ سے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہو کہ ارباب اموال خود ہی فقراء اور مستحقین زکوٰۃ کو ادا کریں جیسا کہ بعض لوگوں نے تصریح کی ہو۔ مگر بظاہر "نیابتہ عنہ" کا لفظ یہ چاہتا ہو کہ نائب ہونے کی حیثیت سے ارباب اموال کو وہی کرنا چاہئے جو نائب ہونے کی حیثیت سے عمال کرتے تھے یعنی امیر کے پاس پہونچانا۔ اور بیت المال میں داخل کرنا تاکہ اس نظام میں خلل نہ آئے جس کی طرف صاحب مبسوط نے ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے:-

ان للامام رایا فی اختیار المصرف فلا یکون لہ ان یبطل رای الامام بالاداء بنفسہ (مبسوط ص ۱۶۲ ج ۲)

مصارف زکوٰۃ میں سے کسی مصرف کو اختیار کرنے میں امام کی رای کو دخل ہو پس صاحب مال کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ خود سے زکوٰۃ مستحقین کو دیکر امام کی رائے کو باطل کر دیں۔

علاوہ اسکے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اسی طرف مشعر ہے کہ ارباب اموال کو آپنے اسکا اختیار نہیں دیا تھا کہ وہ اپنے اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود سے فقراء اور مستحقین زکوٰۃ کو ادا کریں۔ کیونکہ وہ لوگ جن کے وظیفے بیت المال سے مقرر تھے (اور تقریباً نصف صدی ناقہ مدینہ منورہ میں اسوقت ایسے ہی تھے) جب وہ اپنا وظیفہ لینے کے لئے آتے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سے انکے گھر کے مال کے متعلق پوچھتے تھے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہتے کہ زکوٰۃ واجب نہیں تو ان کو ان کا پورا وظیفہ دیتے تھے۔ اور اگر وہ کہتے کہ زکوٰۃ واجب ہے تو حساب سے اتنی رقم وظیفہ سے وضع کر لیتے تھے جتنی ان کے ذمہ واجب ہوتی تھی۔ موطا میں ہے:-

عن عائشۃ بنت قدامۃ عن ابیھا انہ قال کنت اذا جئت عثمان ابن عفان اقبض عطائی۔ سالنی ھل عندک من مال وجبت فیہ الزکوٰۃ قال فان قلت نعم اخذ من عطائی زکوٰۃ ذلک المال وان قلت لا دفع الی عطائی۔

(کتاب الزکاۃ باب یجوز ان یسال الامام اہل النقود ہل عندکم ما تجب فیہ الزکوٰۃ ویصدقہم فیما قالوا۔)

قدامہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا وظیفہ لینے کے لئے آیا تو مجھ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ تیرے پاس ایسا مال ہے۔ جس پر زکوٰۃ واجب ہے؟ پس اگر میں کہتا کہ "ہاں ہے" تو میرے وظیفہ سے اس مال کی زکوٰۃ وصول کر لیتے۔ اور اگر کہتا کہ "نہیں" تو میرا وظیفہ مجکو دے دیتے۔

بہرحال ارباب اموال کا خود ہی اپنی زکوٰۃ کو مستحقین زکوٰۃ پر صرف کرنا۔ اور ان کو اس کا اختیار شرعاً بذات خود مستقلاً ہونا۔ سلف سے لیکر خلف تک کسی فقہ حنفی میں نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ارباب اموال امام وامیر کے نائب کی حیثیت سے اسوقت تک ادا کر سکتے ہیں جب تک امام وامیر کا خود مطالبہ نہ ہو لیکن امام وامیر کی جانب سے جس وقت حسب اقتضاء آئین اسلامی مطالبہ ہوگا، ارباب اموال کے لئے یہ جائز نہیں رہے گا کہ وہ خود سے اپنی زکوٰۃ کو مستحقین زکوٰۃ پر صرف کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو امام کو حق ہے کہ وہ ان سے دوبارہ زکوٰۃ وصول کرے۔

بہرحال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو کچھ ہوا۔ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اسکی حیثیت محض تفویض، توکیل کی تھی، حق امام کے اسقاط کی نہ تھی۔ اور نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کا اختیار تھا کہ کتاب وسنت کے نص صریح اور عہد فاروقی کے اجماع کے خلاف وہ کوئی عمل کریں۔ یا فتویٰ دیں۔ خصوصاً جبکہ ان کی عملی زندگی کا یہ حال تھا کہ

بقیہ حاشیہ ص۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ سوال نقد کے متعلق کرتے تھے۔ اور ارباب مال کی تسلیم پر ان کے عطایا سے زکوٰۃ کی رقم وضع کر لیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے جب عمال کا جانا موقوف ہوگیا تو خود حضرت عثمان رضی اللہ ان ارباب مال سے جو ان کے حضور میں وظیفہ لینے کیلئے پہونچتے تھے۔ ان سے خود مال کی تفتیش کر کے زکوٰۃ وصول کر لیتے تھے۔ جس کے صاف معنی یہی ہیں کہ نہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے حق اخذ زکوٰۃ کو ساقط کر دیا تھا۔ نہ ارباب اموال کو اس کا اختیار دیا تھا کہ زکوٰۃ کی رقم کو بذات خود فقراء پر تقسیم کر دیں۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے یہ سوال نہیں ہوتا۔ اور اگر سوال بھی ہوتا۔ تو تسلیم وجوب زکوٰۃ پر ان سے زکوٰۃ خود وصول نہ کرتے۔ کیونکہ یہ خود ان کے اپنے اعلان اور تفویض کے خلاف ہوتا۔ اور حساب وکتاب کی حیثیت سے بھی نظام کی یکسانی میں اس سے نقصان ہوتا۔ بہرحال بظاہر میرا ذہن اسطرف جاتا ہے کہ زمانہ کی حالت کو دیکھ کر حضرت عثمانؓ ارباب اموال کے پاس "ساعی" کا تفتیش اموال کے لئے جانا۔ اور ان سے زکوٰۃ اموال باطنہ کا وصول کرنا مصالح حال کی بناء پر موقوف کر دیا تھا۔ اور یعنی عمال (ساعی) کے خود ارباب اموال کو اپنا نائب بنا دیا تھا کہ خود اپنی زکوٰۃ نکال کر بیت المال میں داخل کر دیں۔ اسوقت تک صاف روایت مجھکو نہیں ملی ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔ ۱۲ ص اور یہ تفتیش بعد تفویض تھی کیونکہ تفویض کے پہلے عمال تفتیش کرتے تھے۔ ۱۲

عبدالصمد رحمانی

وہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متفقہ فیصلے کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دیتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد زمانہ میں جس طرح تغیر ہوتا رہا۔ نظام شرعی پر بھی اس کا اثر پڑتا رہا۔ چنانچہ زکوٰۃ کے نظام شرعیہ میں یہاں تک ابتری ہوئی کہ سلاطین اسلام کی اس کی طرف سے بالکلیہ بے تعلقی ہوگئی۔ اور عجمی ملوکیت کا سارا ٹھاٹھ دائر و سائر ہوگیا۔ تاریخ کا جہاں تک تعلق ہے۔ خلفائے عباسیہ تک دھندلا دھندلا سا نشان زکوٰۃ کے نظام شرعی کا ملتا ہے۔

ایسی حالت میں جبکہ صحیح معنوں میں فقراء و مساکین کا کوئی شرعی نظم نہیں تھا۔ اور امام کی جانب سے مطالبہ بھی نہیں تھا۔ فقہاء وقت کو زمانہ کے ماحول کی بناء پر یہی فتویٰ دینا تھا کہ ارباب مال پر یہ واجب نہیں ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ بے جا کردیں۔ کیونکہ اموال ظاہرہ کے متعلق بھی بصورت عدم مطالبہ امام ان کا فتویٰ یہی ہے کہ امام کو دینا واجب نہیں رہتا ہے۔ اور وہ خود سے ادائگی کے بعد بری الذمہ ہوجاتا ہے۔ "شرح السیر الکبیر" میں ہے۔

لان الامام اذا لم یبعث الیھم — اسلئے کہ جب امام نے ان سنوں (سالوں) میں مسلمانوں کے

۱؎ کیونکہ بیعت خلافت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کا اقرار لیا گیا تھا کہ وہ امور خلافت میں کتاب اللہ۔ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ سیرت شیخین کو اپنا دستور العمل بنائیں گے۔

ابن خلدون میں ہے:۔

قال لعلی علیک عھد اللہ ومیثاقہ لتعملن بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ وسیرۃ الخلیفتین من بعدہ قال ارجوان اجتھد بل ان افعل بمبلغ علمی وطاقتی۔ وقال لعثمان مثل ذلک۔ فقال نعم۔

(ابن خلدون صفحہ ۱۲۶/۲)

(پہلے) حضرت علی سے کہا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کے عہد و میثاق کی ذمہ داری ہو کہ آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سیرت شیخین پر عمل کرینگے۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ مجھ کو توقع ہے کہ میں کوشش کروں گا اور اجتہاد سے کام لوں گا بلکہ اپنے انتہائی علم اور استطاعت کے ساتھ کام کروں گا۔ پھر حضرت عثمانؓ سے اسی طرح کا عہد پیش کیا۔ تو حضرت عثمانؓ نے کہا۔ کہ ہاں۔ یعنی کتاب و سنت اور سیرت شیخین پر میں عامل رہوں گا۔

مصدقا في تلك السنين فلم يوجد الطلب من الامام فلم يجب عليهم الدفع الى الامام فاذا ادي بنفسه يجزئه كزكوة المال اذا اداها المالك۔

(شرح السیر الکبیر ص ۲۹۴/۴)

یہاں صدقہ وصول کرنے والوں کو نہیں بھیجا تو امام کی جانب سے مطالبہ نہیں پایا گیا۔ اسلئے ان لوگوں پر امام کو ادا کرنا واجب نہیں ہوا۔ پھر ایسی صورت میں جب ان نے خود ہی زکوۃ کی ادائیگی کر دی تو وہ بری الذمہ ہو جائیگا جیسے کہ اموال باطنہ کی زکوۃ میں اسی طرح کی صورت حال میں صاحب مال بری ہو جاتا ہے جبکہ صاحب مال زکوۃ ادا کر دیتا ہے۔

اور جب ارباب مال پر عدم مطالبہ کی صورت میں ادائیگی امام کے لئے وجوب نہیں رہا تو امام کے لئے بھی اس زمانہ کے لئے مطالبہ کی ولایت باقی نہیں رہیگی۔ اور نہ ارباب مال سے ادائیگی کے بعد لینا صحیح ہوگا۔ پس "البحر الرائق" کے اس قول کا تعلق کہ لیس للسلطان ولاية اخذ زكوة في الاموال الباطنة فلم يصح الاخذ اسی طرح کی صورت سے ہے۔ یعنی امام کی جانب سے مطالبہ نہیں تھا۔ بلکہ صورت حال تفویض پر عمل کی تھی۔ کیونکہ فقہاء متاخرین کا یہی ماحول تھا۔ اور اس صورت میں ان کا یہ فتویٰ بالکل صحیح ہے۔ صاحب بحر کے اس قول کے یہ معنی تو ہرگز صحیح نہیں ہو سکتے۔ زکوۃ اموال باطنہ کے مطالبہ کا حق امام کو مطلقاً کسی صورت میں نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے اس قول کو اس معنی پر محمول کرنا ان کی اپنی اس تصریح کے بھی خلاف ہے جو زکوۃ اموال باطنہ کے سلسلہ میں اسکے پہلے گذر چکی ہے۔ اس سے ان کے دونوں قولوں میں تضاد اور تعارض پیدا ہو جائیگا۔ پھر اس کے علاوہ ان تمام تصریحات فقہیہ کے بھی خلاف ہوگا جس کے حوالے تفصیل سے اسکے پہلے گذر چکے ہیں۔ مزید براں خود حضرت امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد رحمہم اللہ کی رائے اور مسلک کے بھی خلاف ہوگا۔ جس کی بنا پر سرے سے یہ قول لائق اعتبار ہی نہیں رہے گا۔

پس فقہائے کرام پر یہ ناجائز تہمت اور غلط اتہام ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ فقہاء متقدمین یا فقہاء متاخرین کسی نے بھی بہر صورت مطلقاً یہ لکھا ہے کہ۔ اموال باطنہ میں امام کو مطالبہ زکوۃ کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ان کے قول کا غیر محل پر حمل ہوگا۔ جو ان کی تمام تصریحات کے خلاف ہونیکے علاوہ قرآن مجید کے بھی خلاف ہوگا۔ حدیث شریف کے بھی خلاف ہوگا۔ خلفاء راشدین کے عمل کے بھی خلاف ہوگا۔ نظام شرعی کے بھی خلاف ہوگا۔ اور ائمہ حنفیہ کے مسلک کے بھی خلاف ہوگا۔

امام کو مطالبہ کا حق کیوں ہے؟

(بہ سبب حمایت یا بہ سبب ولایت شرعی)

امام کے حق مطالبہ کے متعلق غلط فہمی کے واضح ہو جانے کے بعد اسی سلسلہ میں ایک اور شدید غلط فہمی پر تبصرہ کر دینا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ :-

امام کو یہ ولایت اخذ اس وجہ سے حاصل ہے کہ وہ حمایت اور حفاظت کرتا ہے۔ لہذا امام ان ہی چیزوں کی زکوٰۃ لیگا اور اس کا مطالبہ کریگا جسکی وہ حمایت کرتا ہے۔ اور جس کی اسکی جانب سے حفاظت ہوتی ہے۔ اور جو چیز اسکی حمایت اور حفاظت کی حدود سے باہر ہوگی نہ وہ اسکی زکوٰۃ لے گا۔ اور نہ وہ اسکے متعلق مطالبہ کرے گا۔ اور نہ اسکو اسکی ولایت حاصل ہوگی۔ کیونکہ ولایت کا مدار حفاظت و حمایت پر ہے۔ اور وہی اسکی علت تامہ ہے۔ لہذا جہاں سبب نہیں پایا جائیگا۔ وہاں مسبب بھی نہیں پایا جائیگا اور اموال باطنہ اسی دوسری صورت میں داخل ہیں۔ لہذا امام کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ لینے اور مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

اس غلط فہمی کی وجہ بھی فقہاء کرام کے اقوال کو غلط محمل پر حمل کیا جاتا ہے۔ اور یہ غلطی ایسی شدید غلطی ہے جو کتاب وسنت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ غیر عقلی۔ غیر منطقی۔ غیر فقہی بھی ہے اور نظام بیت المال کے توارث کے بھی خلاف ہے۔ نیز عہد نبوت کی تاریخ کے بھی منافی ہے۔ کتاب وسنت۔ اور عہد نبوت کی تاریخ۔ اور فقہی احکام۔ اور نظام بیت المال کا توارث سب کا اقتضاء یہی ہے کہ امام کو اخذ زکوٰۃ کا حق ولایت شرعی کی بناء پر ہے۔

ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ اس پر روشنی ڈال کر آخر میں فقہ کی اس جزی کا بھی صحیح محمل بتائیں گے۔ جس کو نادانستگی کی بناء پر غیر محمل پر حمل کرکے اور اس میں غلط معنی پہنا کر کے غلط نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ پھر مزید براں یہ کہ اس پر غلط تفریعات شروع کر دی گئی ہیں۔

امام کی ولایت شرعیہ کا مفہوم کیا ہے۔ "مبسوط سرخسی" کے الفاظ میں یہ ہے :-

ولنا ان هذا حق مالى يستوفيه الامام بولاية شرعية فلا يملك من عليه اسقاط حقه فى الاستيفاء	ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ مالی حق ہے جس پر ولایت شرعی کے سبب امام قبضہ کرتا ہے۔ لہذا امام کے قبضہ کے حق کو شخص جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

كمن عليه الجزية اذا صرف بنفسه الى المقاتلة۔ ثم تقرير هذا الكلام من وجهين۔ احدهما ان الزكوة محض حقوق الله تعالى فانما يستوفيه من يعين نائبا في استيفاء حقوق الله تعالى وهو الامام۔ فلا تبرأ ذمته الا بالصرف اليه۔ وعلى هذا نقول۔ وان علم صدقه فيما يقول يؤخذ منه ثانيا۔ ولا يعتد بالاداء الى الفقير فيما بينه وبين ربه وهو اختيار بعض مشايخنا رحمهم الله تعالى ان للامام رأيا في اختيار المصرف فلا يكون له ان يبطل رأي الامام بالاداء بنفسه۔ (مبسوط صہ ١٦٢/٢)

جیسے کہ اس شخص کو اختیار نہیں ہے جس پر جزیہ واجب ہے۔ جب کہ وہ اپنے اختیار سے مجاہدین پر خرچ کرے۔ پھر اس مسئلہ کی تقریر دو عنوان سے ہے۔ اول یہ کہ زکوۃ محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ لہٰذا اسکو وہی وصول اور قبضہ کر سکتا ہے جو حقوق اللہ کے پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا نائب متعین ہو۔ اور وہ امام ہے۔ پس کوئی مسلمان زکوۃ سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ امام کے پاس اپنی زکوۃ نہ بھیجے۔ اور اسی بنا پر ہم کہتے ہیں اگر وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ ہم نے اپنی زکوۃ خود فقیروں کو دیدیا اگرچہ اسکی سچائی کا علم ہو۔ پھر بھی اس سے دوبارہ زکوۃ وصول کی جائیگی۔ اور فقیروں کے دینے سے وہ عند اللہ بھی ادائے زکوۃ سے سبکدوش نہیں ہوگا۔ اور یہ بنا بعض مشائخ کا مختار ہے اسلئے کہ زکوۃ کے مصارف میں سے کسی مصرف کو اختیار کرنے میں امام کی رائے کا اعتبار ہے۔ لہٰذا افراد امت یعنی ارباب مال کو حق نہیں پہونچتا ہے کہ وہ امام کی رائے کو خود سے زکوۃ ادا کرکے باطل کردے۔

یہ عبارت اپنے اس مقصد میں بالکل صریح اور واضح ہے کہ زکوۃ حق اللہ ہے۔ جو بندوں پر ان کے مال میں اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ اور اس کو لینے کا حق صرف امام کو ولایت شرعی کی وجہ سے حاصل ہے۔ لہٰذا امام اس کو لے گا۔ اور لینے کے بعد اسکے مصارف میں حسب ضرورت اور بپیش نظر مقاصد کے اپنی رائے اور تمیز سے صرف کریگا۔ اس بنا پر ارباب مال کو باختیار خود زکوۃ کے مصارف میں صرف کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ ایسا کریگا تو وہ بری الذمہ نہیں ہوگا۔ بلکہ امام اس سے دوبارہ زکوۃ لے گا۔ کیونکہ امام کے حق استیفاء کو ساقط کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے اور نہ اسکی رائے اور تمیز کو جو اس کے مصارف کے بارے میں اسکے پیش نظر ہیں۔ ارباب مال کو باطل کردینے کا حق ہے۔ اور اسکی مثال ایسی ہے کہ جس طرح کافر اپنے جزیہ کی رقم باختیار خود مجاہدین اور مقاتلین پر صرف نہیں کر سکتا ہے۔ حالانکہ یہ اسکے مصارف ہیں۔ اسی طرح صاحب نصاب اپنی زکوۃ کی رقم کو فقراء پر باختیار خود صرف نہیں کر سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ اسکے مصارف میں سے ہیں۔

امام کی ولایت شرعیہ پر کتاب و سنّت کی شہادت

ولایت شرعیہ کے مفہوم کا حاصل

"بلسولا" کی اس پوری عبارت کا حاصل یہ ہے:۔

(الف) زکوٰۃ اللہ کا حق ہے اور اس کا فریضہ ہے جو بندوں کے مال پر فرض ہے۔

(ب) زکوٰۃ کی وصولی کا حق امام کو ہے اور اس کی ولایت اس کو شرعی حیثیت سے کتاب و سنت کی رو سے حاصل ہے۔

پہلی بات

یعنی

کتاب اللہ سے اس کی شہادت کہ زکوٰۃ اللہ کا حق اور اسکا فریضہ ہے

زکوٰۃ اللہ کا حق ہے اور اسکا فریضہ ہے۔ کتاب اللہ سے اس کی شہادت یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ کے بیان میں یہ تصریح "نص" میں کردی گئی ہے کہ صدقات فریضہ خداوندی ہیں۔ ارشاد ہے:۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم

(توبہ ع پ۱۰)

صدقات محض فقیروں اور محتاجوں کے لئے ہیں اور انلوگوں کیلئے جو صدقے کے کام پر مقرر کئے گئے ہیں اور انلوگوں کیلئے جنکی تالیف قلوب کیجائے اور غلاموں کو آزاد کرنے کیلئے اور قرضداروں کو قرض سے سبکدوش کرنے کیلئے اور اللہ کی راہ پر جہاد وغیرہ میں خرچ کرنے کیلئے اور مسافروں کی اعانت کیلئے۔ یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔ اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں صدقات یعنی زکوٰۃ کے متعلق اس امر پر کھلی شہادت ہے کہ یہ اللہ کے فریضہ ہیں۔ صاحب بیضاوی اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ:۔

فریضۃ من اللہ مصدر لما دل علیہ الآیۃ ای فرض لہم الصدقات فریضۃ او حال عن

فریضہ مصدر ہے اس فعل کا جس پر آیت دلالت کرتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے صدقات کو فریضہ قرار دیا ہے

عہ وقولہ او حال من الضمیر المستکن فی للفقراء) لوقوعہ خبرا۔ ای انما الصدقات کائنۃ لہم حالۃ کونہا فریضۃ ای مفروضۃ (شیخزادہ مصری صفحہ ۳۵۶ ج ۲)

من الضمير المستكن فى للفقراء (صفحہ ۵۰۰ مصری)

یا فریضہ کا لفظ حال ہے اس ضمیر کا جو للفقراء کے متعلق میں مستتر ہے۔

امام رازی اسکی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

قال الزجاج فريضة منصوب على التوكيد لان قوله انما الصدقات لهؤلاء جار مجرى قوله فرض الله الصدقات لهؤلاء فريضة و ذلك كالزجر عن مخالفة هذا الظاهر۔

(تفسیر کبیر صفحہ ۶۸۳ ج ۴)

زجاج کا قول ہے کہ فریضہ تاکید کی بنا پر منصوب ہے۔ یعنی ترکیب میں مفعول مطلق ہے۔ اس لئے کہ ارشاد خداوندی ہے کہ صدقات ان لوگوں کیلئے ہے۔ وہ قائم مقام اس عبارت کے ہے فرض اللہ لہؤلاء فریضۃ۔ یعنی اللہ نے ان لوگوں کیلئے فریضہ مقرر کیا ہے۔ یہ اس ظاہر حکم کی خلافت سے ایک طرح کی ڈانٹ ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے :۔

(فريضة من الله) مصدر موكد لمقدر ماخوذ من معنى الكلام اى فرض لهم الصدقات فريضة ونقل عن سيبويه انه منصوب بفعله مقدرا اى فرض الله تعالى ذالك فريضة

(صفحہ ۱۱۲ ج ۱۰)

فریضہ کا لفظ اس مفہوم مقدر کی تاکید ہے جو آیت مذکور کے معنی سے ماخوذ ہے۔ یعنی فرض لہم الصدقات فریضۃ اور سیبویہ سے منقول ہے کہ یہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے۔ یعنی فرض اللہ تعالیٰ ذلک فریضۃ کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ٹھہرایا فریضہ ہے۔

سب کا حاصل ایک ہے کہ صدقات یعنی زکوٰۃ اللہ کے فریضہ ہیں۔ جو بندوں کے مال پر فرض کئے گئے ہیں۔

احادیث نبوی سے اسکی شہادت کہ زکوٰۃ اللہ کا حق اور اسکا فریضہ ہے

حدیث سے اس پر شہادت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا والی بنا کر بھیج رہے تھے تو ان سے زکوٰۃ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ وہاں کے لوگوں کو دعوت دیجیو اور توحید رسالت اور نماز کے بعد یہ بتائیو کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض کیا ہے جو ان سے لیا جائیگا۔ اور انہیں کے فقراء کو دیا جائیگا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث معاذا الى اليمن فقال انك تاتى قوما اهل كتاب فادعهم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو والی بنا کر یمن بھیجا تو فرمایا کہ تم ایک قوم اہل کتاب کے پاس

الی شهادة ان لا اله الا الله وانّی رسول الله فان هم اطاعوا لذلک فاعلمهم ان الله قد فرض علیهم خمس صلوات فی الیوم واللیلة

جانتے ہو اپنے ان کو دعوت دو کہ وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے اور محمدؐ کے رسول ہونیکا اقرار کریں پس وہ لوگ اگر اس امر میں اطاعت کریں تو پھر انکو بتاؤ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات دن میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے۔ جب وہ اس امر میں بھی اطاعت کرلیں تو پھر ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیا اور مالداروں سے لیجائے گی اور ان کے فقرا کو دیجائے گی۔ پھر تم زکوٰۃ کے وصول کرنے میں چیدہ نفیس مالوں کے لینے میں احتراز کرو اور مظلوم کی دعا سے ڈرو۔ کہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی مانع نہیں ہے۔

فان اطاعوا لذلک فاعلمهم ان الله قد فرض علیهم صدقة تؤخذ من اغنیائهم فترد الی فقرائهم فان هم اطاعوا لذلک فایاک وکرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه لیس بینها وبین الله حجاب۔

(متفق علیہ)

پھر [illegible] ثابت ملتی ہے۔ مثلاً وہ فرامین، جو خلفاء کرام تحریر کرکے وقتاً فوقتاً والیوں کو دیتے تھے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تحریری فرمان، جو آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجتے وقت لکھ کر دیا تھا۔ اور اس میں زکوٰۃ کا نصاب تفصیل سے بتایا تھا۔ بخاری شریف میں پوری تفصیل اسکی موجود ہے۔ ابتدائی الفاظ حدیث کے یہ ہیں، جس میں صدقہ کو فریضہ قرار دیا گیا ہے۔

عن انس ان ابا بکر کتب له هذا الکتاب لما وجهه الی البحرین بسم الله الرحمن الرحیم هذه فریضة الصدقة التی فرض رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المسلمین والتی امر الله بها رسوله فمن سئلها من المسلمین علی وجهها فلیعطها ومن سئل فوقها فلا یعط (بخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انکو "بحرین" کی طرف بھیجنے لگے تو یہ فرمان لکھ دیا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ زکوٰۃ کے متعلق یہ وہ فریضہ ہے، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض قرار دیا ہے اور جس فریضہ کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دیا ہے پس جس مسلمان سے اسکے مطابق زکوٰۃ طلب کیجائے ان کو چاہئے کہ ادا کریں۔ اور جس شخص سے اس سے زیادہ زکوٰۃ طلب کی جائے تو وہ نہ دے۔

اس کے بعد نصاب کی تفصیل ہے۔ آخر حدیث میں اموال باطنہ کے متعلق یہ حکم ہے:-

وفی الورقۃ ربع العشر فان لم تکن الا تسعین ومائۃ فلیس فیھا شیٔ الا ان یشاء ربھا (بخاری)

سونا چاندی کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے۔ مگر کسی کے پاس دو سو درہم نہ ہو بلکہ اس سے کم، مثلاً ایک سو نوے درہم ہی ہوں تو اس میں کچھ زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ لیکن یہ کہ صاحب مال چاہے

دوسری بات

یعنی
کتاب و سنت سے اس کی شہادت کہ امام کو اخذ زکوٰۃ اور مطالبہ زکوٰۃ کی ولایت شرعی حاصل ہے

دوسری بات یہ کہ امام کو "ولایت شرعی" اس بات کی ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرے اور اس کا مطالبہ کرے۔ کتاب اللہ سے اسکی شہادت وہ آیتیں ہیں جن کو ہم "کتاب و سنت کا فیصلہ" کے عنوان کے ماتحت لکھ آئے ہیں، اور مفسرین کے اقوال بھی اس کے متعلق پیش کر چکے ہیں۔ مثلاً امام رازی کا یہ قول۔ کہ ــــ

دلت ھذہ الآیۃ علی ان ھذہ الزکوٰۃ یتولی اخذھا وتفرقھا الامام ومن یلی من قبلہ الخ

اس آیت نے اس بات پر دلالت کی کہ زکوٰۃ کے وصول کرنے کی ولایت اور اسکے مصارف میں خرچ کرنے کی ولایت امام کو ہی۔ اور اس شخص کو ہی جو امام کیجانب سے والی ہو۔

اسی طرح دوسرے مفسرین اور فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ علیہ کے اقوال بھی ہم لکھ آئے ہیں۔ مثلاً علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کا فتح القدیر میں لکھنا ان ظاھر قولہ تعالیٰ خذ من اموالھم صدقۃ توجب حق اخذ الزکوٰۃ مطلقا للامام (اللہ تعالیٰ کا ارشاد "خذ من اموالھم صدقۃ" اسکو واجب قرار دیتا ہے کہ زکوٰۃ کے وصول کرنے کا حق مطلقاً امام کو ہی)۔ "صاحب عنایۃ" شارح ہدایہ کا یہ لکھنا خذ من اموالھم صدقۃ یثبت للامام حق الاخذ من کل مال (خذ من اموالھم صدقۃ کا حکم ثابت کرتا ہے کہ ہر قسم کے مال سے زکوٰۃ لینے کا حق امام کو ہے) صاحب بدائع کا یہ لکھنا۔ نقولہ تعالیٰ خذ من اموالھم صدقۃ الآیۃ نزلت فی الزکوٰۃ علیہ عامۃ اہل التاویل۔ امر اللہ عزوجل نبیہ باخذ الزکوٰۃ فدل ان للامام المطالبۃ بذلک والاخذ الخ (خذ من اموالھم صدقۃ) کی آیت زکوٰۃ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اسی پر عامہ مفسرین کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کو وصول کریں پس

اس نے بتلا دیا کہ امام کو زکوٰۃ کے مطالبہ اور وصولی کا حق ہے، حوالے سب اوپر گذر چکے ہیں، ورق پلٹ کر دیکھ لئے جائیں۔

حدیث سے اسکی سہادت۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے واقعہ یمن والی حدیث جس میں یہ ٹکڑا ہے توخذ من اغنیاء ھم فترد الی فقرائھم ان کے اغنیاء سے زکوٰۃ لی جائیگی اور ان کے فقراء پر لوٹائی جائیگی۔ نیز وہ تمام احادیث اس کی شہادت ہیں، جس میں مختلف صحابہ کو اطراف حجاز میں آپنے والی بنا کر بھیجا ہے۔ نیز وہ تمام حدیثیں بھی اس پر شہادت ہیں۔ جن میں عمال زکوٰۃ کے متعلق آپ نے تاکید و تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ اس کا خیال رکھو کہ عمال زکوٰۃ تم سے راضی ہو کر لوٹیں۔ مثلاً حضور صلعم کا یہ ارشاد ہے۔

اذا اتاکم المصدق فلیصدر عنکم وھو عنکم راض (مسلم)

جب تمہارے پاس زکوٰۃ لینے والا پہونچے، تو وہ تمہارے پاس سے رضامند اور خوش لوٹے۔

فاذا جاءکم فرحبوا بھم وخلوا بینھم وبین ما یبتغون (ابوداؤد) ارضوا مصدقیکم قالوا یا رسول اللہ وان ظلمونا۔ قال ارضوا مصدقیکم وان ظلمتم (ابوداؤد)

جب تمہارے پاس زکوٰۃ لینے والا پہونچے۔ تو ان کو مرحبا کہو اور انکے اور ان کی وصولی کے درمیان میں ہر طرح کی سہولت پیدا کرو اپنے محصلین زکوٰۃ کو رضامند رکھو۔ اس پر سوال ہوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں بھی کہ وہ ہم پر ظلم کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اپنے صدقہ کے محصلین کو رضامند رکھو اگرچہ تم ظلم کئے جاؤ۔

بسبب الحمایۃ کے تخیل پر قرآن اور حدیث رسول ﷺ کوئی دلیل نہیں ہے

بہرحال کتاب و سنت اور آثار سے امام کی ولایت شرعی کا ثبوت اتنا روشن ہے، جو محتاج بحث نہیں ہے۔ جہاں تک آیات اور احادیث کا تعلق ہے، کوئی دلیل نص قرآن، اور نص حدیث سے اس پر نہیں ہے کہ امام کو ولایت اخذ زکوٰۃ بسبب حمایت اور حفاظت ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد مبارک میں مسلمانوں سے جو زکوٰۃ بلا واسطہ یا بواسطہ عمال لیا کرتے تھے، وہ حمایت و حفاظت کی بنا پر لیا کرتے تھے۔

بسد باب الحمایۃ کا تخیل تاریخی نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہے

عملی حیثیت سے تو عہد نبوت میں اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسلئے کہ زکوٰۃ کی فرضیت جیسا کہ علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق ہے ۲ھ میں ہوئی ہے۔

والصحیح ان وجوب الزکوٰۃ بعد الھجرۃ فی السنۃ الثانیۃ من الھجرۃ وعلیہ الاکثرون وبہ جزم ابن الاثیر (لمعات)	صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت ہجرت کے بعد ۲ھ میں ہوئی ہے۔ علماء کی اکثریت اسی رائے پر ہے۔ اور علامہ ابن اثیر کی حتمی رائے یہی ہے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

یا اس سے بھی پہلے مکہ معظمہ میں ہوئی ہے، جیسا کہ صاحب تفسیر کبیر امام رازی اور صاحب مرقاۃ ملا علی قاری کی تحقیق ہے۔

فرضت زکوٰۃ الفطر مع فرض الصوم فی السنۃ الثانیۃ من الھجرۃ وفرض غیرھا بعد ذلک فی تلک السنۃ	۲ھ میں روزہ کی فرضیت کے ساتھ صدقہ فطر واجب ہوا پھر اسی ۲ھ میں اس کے علاوہ چیزوں کی اس کے بعد فرضیت ہوئی۔
والمعتمد ان الزکوٰۃ فرضت بمکۃ اجمالا و بینت بالمدینۃ تفصیلا جمعا بین الآیات التی تدل علی فرضیتھا بمکۃ وغیرھا من الآیات والادلۃ واللہ اعلم (مرقاۃ ص ۴۹ ج ۲)	معتمد یہ ہے کہ اجمالاً زکوٰۃ کی فرضیت مکہ میں ہوئی اور مدینہ میں اسکی تفصیلات بیان ہوئیں۔ کیونکہ ان آیات میں جو مکہ میں زکوٰۃ کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں اور ان کے سوا اور دوسری آیتوں اور دلیلوں میں جمع کی صورت یہی ہے۔

عہ ابن اثیر کے جزم کے متعلق حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بیان کیا ہے کہ ابن اثیر ۹ھ میں فرضیت کے قائل ہیں۔ اس بیان کے بعد ابن اثیر کے اس خیال کا رد کیا ہے۔

اختلف فی اول وقت فرض الزکوٰۃ فذھب الاکثر الی انہ وقع بعد الھجرۃ فقیل کان فی السنۃ الثانیۃ قبل فرض رمضان اشار الیہ	زکوٰۃ کی فرضیت کے اول وقت میں اختلاف رائے ہوا ہے۔ اکثریت اس طرف گئی ہے کہ ہجرت کے بعد فرضیت واقع ہوئی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ۲ھ میں رمضان کے پہلے فرضیت ہوئی ہے۔ اسکی طرف امام نووی نے روضہ کے

اور ۲ھ مدینہ منورہ میں مسلمان اپنی جان اور مال کی حیثیت سے خود محفوظ نہیں تھے۔ چنانچہ اسی ۲ھ میں مدینہ منورہ کی چراگاہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی لوٹ لئے گئے تھے۔

رات و دن خطرات میں اس طرح گزارتے تھے کہ رات کو جاگ کر بسر کرتے تھے نسائی شریف میں ہے۔

النووی فی باب السیر من الروضۃ وجزم ابن الاثیر فی التاریخ بان ذالک کان فی التاسعۃ وفیہ نظر الخ

باب سیر میں اشارہ کیا ہے۔ ابن اثیر کا جزم اپنی تاریخ میں یہ ہے۔ کہ ۹ھ میں اس کی فرضیت ہوئی ہے لیکن اس میں اعتراض ہے۔

(صفحہ $\frac{۲۱۱}{۳ ج}$)

اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ وفد عبد القیس جو ۵ھ میں حاضر ہوا تھا۔ اور جب انہوں نے یہ عرض کیا تھا کہ کفار مضر کی مزاحمت کی وجہ سے سوائے اشہر حرم کے میرے لئے حاضری دشوار ہے۔ اس لئے فیصل شدہ امر بتا دئے جائیں جس سے ہم جنت میں داخل ہوں۔ اور جن کو ہم ان تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہو سکے ہیں۔ تو آپ نے ان کو منجملہ دیگر احکام کے ادائگی زکوٰۃ کا بھی حکم دیا تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصیام رمضان وان تعطوا من المغنم الخمس متفق علیہ ولفظہ للبخاری (من المشکوٰۃ)

اس بات کی شہادت دینی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور بیشک محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز پڑھنی۔ اور زکوٰۃ دینی۔ اور رمضان کا روزہ رکھنا اور غنیمت کے مال سے خمس دینا۔

پھر ۶ھ میں جب ہرقل نے دعوت نبوی پہنچنے کے بعد ابو سفیان سے اسلام کی تعلیمات دریافت کی تھیں تو انھوں نے کہا تھا کہ:

یامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصلۃ والعفاف (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

وہ ہم کو صلہ رحمی۔ اور عفت۔ اور زکوٰۃ اور نماز کا حکم دیتے ہیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما قدم المدینۃ یسھر من اللیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے۔ تو ابتدائی زمانہ میں راتوں کو جاگ کر گزارتے تھے۔

حاکم کی روایت میں صحابہ کرام کے خوف وہراس کے متعلق یہاں تک تصریح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کو ہتھیار باندھے ہوئے سوتے تھے۔ اور اسی طرح صبح کو اٹھتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کو ذکر کرکے لکھا ہے کہ یہ حدیث زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے واضح اور کھلی دلیل ہے۔

حدیث ابی سفیان ھو ابن حرب الطویل فی قصۃ ھرقل۔ اوردھا معلقا واقتصر منہ علی قولہ یامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصلۃ والعفاف۔ ودلالتہ علی الوجوب ظاھرۃ

ص ۲۰۰ / ج ۳

ہرقل کے قصہ میں ابوسفیان کی طویل حدیث ہے بخاری نے اس کو اس جگہ معلق لایا ہے۔ اور اس طویل حدیث کا اس جملہ پر اختصار کر دیا ہے کہ یامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصلۃ والعفاف اور اس کی دلالت زکوٰۃ کی فرضیت پر کھلی ہوئی ہے۔

میرے نزدیک حافظ ابن حجرؒ کا ابن اثیر کی طرف سنہ ۹ھ کا انتساب مسامحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ باختلاف روایت سنہ ۹ھ یا سنہ ۸ھ میں انہوں نے سرکار رسالت کی طرف سے وصولی زکوٰۃ کے لئے "مصدق" کی روانگی کا ذکر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ابن اثیر کے جزم کے متعلق یہ بیان کہ وہ سنہ ۲ھ میں فرضیت زکوٰۃ کے قائل ہیں، قرین صواب ہے۔ اور علامہ ابن حجرؒ کا بیان صحیح نہیں ہے۔

سنہ ۸ھ کے واقعات کے سلسلہ میں علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:-

وفیھا بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن العاص الی جیفر وعیاذ ابنی الجلندی من الازد بعمان مصدقا فاخذ الصدقۃ من اغنیائھم وردھا علی فقرائھم واخذ الجزیۃ من المجوس ھم کانوا اھل البلد

اسی سنہ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کو زکوٰۃ کا عامل بنا کر جیفر اور عیاذ کے پاس عمان بھیجا۔ انہوں نے ان کے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کیا۔ اور ان کے فقراء پر تقسیم کر دیا۔ اور مجوس سے جزیہ لیا۔ اور وہ لوگ اہل بلد تھے۔ اور عرب اس کے اردگرد تھے۔ اور بعض کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ

عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ المدینۃ واوتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا لا یبیتون الا بالسلاح ولا یصبحون الا فیہ

حضرت ابی بن کعبؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب مدینہ منورہ تشریف لائے اور انصار نے ان کو پناہ دی۔ تو تمام عرب نے متفق ہوکر ان سے جنگ کی طرح ڈال دی۔ صحابہ کرام ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔ اور اسی میں صبح کرتے تھے۔

وکان العراب حولھا وقیل سنۃ سبع۔ صفہ $\frac{۱۰۴}{ج۳}$

وسلم نے حضرت عمرو بن عاص کو ۸ھ میں بھیجا تھا۔

میرے خیال میں حافظ ابن حجرؒ کی مسامحت کی بنیاد علامہ ابن اثیر کی عبارت ذیل پر ہے۔ جو ۹ھ کے واقعات کے سلسلہ میں اُنھوں نے لکھا ہے۔

دفی ھذہ السنۃ فرضت الصدقات وفرق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیھا عمالہ۔ صفہ $\frac{۱۱۱}{ج۲}$

اسی ۹ھ میں زکوٰۃ کی فرضیت ہوئی۔ اور اُسی سنہ میں حضور نے اپنے عمال کو تمام بھیجا۔

لیکن ابن اثیر کے ۹ھ کے صدر واقعہ کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ان کی مراد تفصیلات زکوٰۃ کی فرضیت کی آیت کا نزول ہے۔ نفس زکوٰۃ کی فرضیت مراد نہیں ہے۔ یعنی مقصد یہ ہے کہ بذریعہ وحی متلو کے ۹ھ میں تفصیلات زکوٰۃ کی فرضیت ہوئی اور عمومی طور پر ہر جگہ وصولی زکوٰۃ کے لئے عمال بھیجے گئے۔

پس تطبیق روایات کے اصول پر قرین صواب یہی ہے کہ ابتدائے فرضیت مکہ میں ہوئی۔ تفصیلات جیسے نصاب۔ حول۔ مصارف۔ اور مقدار زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت کی پوری تعیین وتشخیص بزبان رسالت بذریعہ وحی غیر متلو ۲ھ میں ہوئی۔ کیونکہ تشریع اسلامی سے ہر باخبر انسان جانتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ یہ سب تفاصیل بذریعہ وحی متلو کے ہی نازل کی گئی ہوں۔ جو قرآن مجید میں تلاش کی جائیں۔ مثلاً نماز کا حکم ابتدائے بعثت سے تھا۔ اور کوئی وقت اسلام میں ایسا نہیں گزرا کہ نماز نہ پڑھی جاتی ہو۔ لیکن صلوات خمسہ اور اس کی تفصیلات مدت کے بعد بتدریج مشروع ہوئی ہیں۔ وہ بھی کچھ وحی متلو کے ذریعہ اور کچھ وحی غیر متلو کے ذریعہ۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ بعض احکام کا نزول بذریعہ "وحی غیر متلو" کے ہو جاتا تھا۔ مگر

یہاں تک کہ ۶ھ کا یہ واقعہ بھی نظر انداز کرنے کے لائق نہیں ہے کہ "عینیہ بن حصن" جو قبیلہ فزارہ کا سردار تھا۔ اس نے ۶ھ میں غابہ پر جو مدینہ منورہ کا چراگاہ تھا حملہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس اونٹنیاں لوٹ لی تھیں۔ اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو جو محافظ تھے قتل کر دیا تھا۔ (طبقات ابن سعد) (صفحہ ۵۸ ج ۲) القسم الاول فی ذکر مغازی رسول اللہ الخ

قرآن میں اس کے متعلق آیات بعد میں نازل ہوئی تھیں۔ مثلاً وضو کا حکم اوائل اسلام سے ہے۔ مگر آیت وضو، سالہا سال بعد نازل ہوئی (نووی باب وجوب الطہارۃ للصلوٰۃ) اسی طرح جمعہ کا حکم اسی وقت ہو چکا تھا جب آپ مکہ میں تھے۔ لیکن آیت جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی حالانکہ مدینہ میں نزول آیت جمعہ سے پہلے جمعہ کی نماز قائم تھی۔ اور حضور صلعم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے جمعہ کی نماز صحابہ کرام پڑھتے تھے (ابو داؤد و ابن ماجہ کتاب الجمعہ)

بہر حال قول فیصل یہی ہے کہ زکوٰۃ کی ابتدا، فرضیت اجمالاً مکہ میں ہوئی لیکن اس کے تفصیلی احکام کی فرضیت مدینہ میں بزبان رسالت بذریعہ وحی غیر متلو ۲ھ میں ہوئی۔ اور قرآن مجید میں بذریعہ وحی متلو تفصیلات کا بیان بعد کو سورۂ توبہ میں ہوا۔ اور یہی جمہور علماء کی رائے اور تحقیق ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سورۂ مزمل کی تفسیر میں بذیل تفسیر "واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ" جو مکی سورۃ ہے لکھتے ہیں کہ اس میں زکوٰۃ سے زکوٰۃ مفروضہ مراد ہے۔

ای اقیموا الصلوٰۃ الواجبۃ علیکم	یعنی تم لوگ اس نماز کو جو تم پر فرض ہے قائم کرو اور
واتوا الزکوٰۃ المفروضۃ وھذا یدل	فرض شدہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرو۔ اور یہ دلیل ہے ان لوگوں
لمن قال بان فرض الزکوٰۃ نزل بمکۃ	کے لئے جو کہتے ہیں زکوٰۃ کی فرضیت مکہ میں ہوئی۔
لکن مقادیر النصب والمخرج	لیکن زکوٰۃ کی مقدار اور اس کے نصاب کا بیان
لم تبین الا بالمدینۃ	مدینہ میں ہوا۔

الحاصل میرے نزدیک صدر کی تصریحات کی روشنی میں نہ تو زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے ۹ھ قرار دینا صحیح ہے۔ جیسا کہ علامہ عینی لکھتے ہیں۔

وقال ابن الاثیر کان فی السنۃ	ابن اثیر کا قول ہے کہ فرضیت ۹ھ میں ہوئی۔ ابن اثیر
التاسعۃ ورد علیہ لورود ذکرھا	کی اسی وجہ سے کہ حدیثوں میں زکوٰۃ کا ذکر ۹ھ سے پہلے
فی احادیث قبل ذالک وکذا المخاطبۃ	وارد ہوا ہے، تردید کی گئی ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ

عاشر کے محکمہ کے قیام کی تاریخ

بہرحال امیر کی حمایت اور حفاظت کا مسئلہ ضابطہ کے طور پر نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھا۔ نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھا۔ ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جہاں انتظام ملکی کے دیگر سروسامان کا نظم ہوا، حمایت و حفاظت کا مسئلہ بھی ضابطہ کی شکل میں آگیا۔ چنانچہ "عاشر" کا قیام بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا۔ اس کے پہلے نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عاشر کا محکمہ تھا۔ نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں۔

الحاصل ولایت اخذ زکوٰۃ کا سبب اگر باضابطہ حمایت و حفاظت کو قرار دیا جائے اور اس کو شرط ٹھہرایا جائے تو لازم آئے گا کہ نہ تو عہد رسالت میں مطالبہ زکوٰۃ کا حق تھا نہ عہد خلافت صدیقی میں مطالبہ صحیح تھا۔ حالانکہ اس پر عامہ مشائخ کا اتفاق ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے عہد میں زکوٰۃ کا مطالبہ فرمایا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں مطالبہ کیا۔ یہاں تک کہ مانعین زکوٰۃ سے جہاد کیا۔ بدائع کی عبارت صفحہ میں گزر چکی ہے۔ جس میں یہ تصریح ہے کہ عامہ مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور صلعم نے

عہ فان عمر رضی اللہ عنہ نصب العشار وقال لهم خذوا من المسلم ربع العشر ومن الذمی نصف العشر ومن الحربی العشر وکان ذلک بمحضر من الصحابة رضی اللہ عنهم ولم ينقل انه انکر عليه واحد منهم فکان اجماعاً (بدائع الصنائع صفحہ ۳۵/۲ ج) تاجرانہ عشر کے متعلق علامہ ابو عبید کے کتاب الاموال میں بھی یہ تصریح ہے کہ یہ عہد نبوت اور عہد صدیقی میں نہ تھا۔ ولم يكن ذلك بعهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا بعد ابی بکر (صفحہ ۵۳۲)

ابی سفیان مع هرقل وكان يامرنا بالصلوٰة والزکوٰة وكانت فی اول السابعة (صفحہ ۲۸۳/۴ ج)

ابو سفیان اور ہرقل کی گفتگو میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نماز، زکوٰۃ، صلہ رحمی، عفت کا حکم کرتے ہیں اور یہ واقعہ ابتداء ۷ھ کا ہے۔

اور نہ اس کا انتساب علامہ ابن اثیرؒ کی طرف صحیح ہے۔ جیسا کہ ۷ھ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے اور نہ اسکی بنا پر لفظ زکوٰۃ میں فتنۂ مجاز کا کھڑا کرنا صحیح ہے۔ جو تاویلات فاسدہ کے فتح باب کو مستلزم ہو۔ فنعوذ باللہ من شرور

اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا مطالبہ فرمایا تھا۔

جزیہ کے قیام کی تاریخ

ہاں جزیہ کے متعلق رجب ۹ھ میں غالباً فرض ہوا۔ جب کہ مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا۔ اور تمام قبائل عرب تقریباً اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔ یا ہو رہے تھے۔ اور اسلام کی طاقت کا اثر تمام حجاز کو ہمہ گیر ہو رہا تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ حمایت وحفاظت کو مستلزم ہے۔ کیونکہ نص قرآنی سے قاتلوا الی غایۃ حتی یعطوا الجزیۃ عن ید الخ سے یعنی اہل کتاب اور ان کے حکم میں جو کفار ہوں۔ وہ جزیہ دینا قبول کریں گے۔ تو امام انکی جان بخشی کریگا۔ اور معاملات میں امام انکی حمایت کریگا کہ ان کو مسلمانوں کے برابر حقوق دے جائیں گے۔ اور انکی جان اور ان کا مال مصئون اور محفوظ ہو جائے گا۔ اور وہ امام کی امان میں ہوں گے۔ اور یہ حکم اس حدیث سے بھی سمجھا جاتا ہے۔

فانهم ابوا (ای عن الاسلام) فسئلهم الجزیۃ فان هم	اگر وہ لوگ اسلام سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ طلب کرو۔
اجابوك فاقبل منهم وکف عنهم	اگر اس کو تسلیم کریں۔ تو تم قبول کرو۔ اور ان سے رک جاؤ۔
فان هم ابوا فاستعن بالله و	اور اگر جزیہ سے انکار کر دیں تو پھر خدا سے نصرت و اعانت
قاتلهم۔ (مسلم)	کی دعاء مانگو اور ان سے جہاد کرو۔

پھر اس معنی میں بالکل صریح ابوداؤد کی یہ حدیث ہے:۔

عن انس قال بعث رسول الله صلی	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
الله علیه وسلم خالد بن ولید الی اکیدر	اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو اکیدر دومہ کی طرف بھیجا
دومة فاخذوه فاتوا به فحقن له	تو خالد ان کو گرفتار کر کے لے آئے۔ پھر آپ نے اس کے خون کی
دمه وصالحه علی الجزیۃ	حفاظت کی اور جزیہ پر اس سے مصالحت فرمائی۔

اسی اصول پر ۱۸ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب جرجان فتح ہوا تو مسلمانوں کی طرف سے وہاں کے لوگوں کو یہ فرمان لکھ کر دیا گیا تھا۔ کہ

ان لکم الذمة وعلینا المنعة علی	تمہارے لئے ذمہ ہے۔ اور ہم پر تمہاری حفاظت
ان علیکم من الجزاء فی کل سنة	ہے۔ اس شرط پر کہ تم کو ہر سال بقدر
علی قدر طاقتکم۔ ومن استعنا به	طاقت جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر ہم تم سے اعانت

منکم فلہ جزاء فی معونتہ عوضا عن جزائہ (طبری صفحہ ۲۶۶۵) — لیں گے تو اس کی اعانت کے بدلے جزیہ معاف ہو جائے گا۔

اخذ زکوٰۃ کی علت طہارت و تزکیہ ہے حمایت نہیں ہے

پھر علاوہ اس کے نصِ قرآنی میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ کے اخذ کا حکم دیا گیا ہے وہاں اخذ کی وجہ یہ نہیں بیان کی گئی ہے۔ کہ اس کے سبب سے انکی حمایت و حفاظت کیجائیگی۔ بلکہ اسکی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ صدقہ دینے والوں کے مال کی طہارت ہوگی۔ اور نفس کا تزکیہ ہوگا۔ اسی معنی کی تبیین و شرح میں ابو داؤد کی یہ حدیث ہے۔

ان اللہ لم یفرض الزکوٰۃ الا لیطیب ما بقی من اموالکم — اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ نہیں فرض کیا ہے۔ لیکن اس غرض سے کہ تمہارے باقی اموال پاکیزہ ہو جائیں۔

(رواہ ابو داؤد عن ابن عباسؓ)

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

پھر زکوٰۃ و صدقات جو انفاق فی سبیل اللہ کا اعلیٰ اور اشرف فرد ہے۔ اسکو حمایت و حفاظت کا معاوضہ یا ٹیکس قرار دینا۔ ایک مسلمان کے اس ایمانی جذبہ کے خلاف ہے جسے قرآن مجید نے انفاق کی روح قرار دیا ہے۔ اور مسلمان اور غیر مسلمان کے انفاق میں فرق و امتیاز کیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

ومن الاعراب من یتخذ ما ینفق مغرما ویتربص بکم الدوائر علیھم دائرۃ السوء۔ واللہ سمیع علیم۔ ومن الاعراب من یومن باللہ والیوم الاخر و یتخذ ما ینفق قربت عند اللہ وصلوٰت الرسول۔ الا انھا قربۃ لھم۔ سیدخلھم اللہ فی رحمۃ ان اللہ غفور رحیم

اعرابیوں میں ایسے لوگ ہیں کہ جو کچھ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ اُسے (اپنے اوپر) جرمانہ سمجھتے ہیں۔ اور منتظر ہیں کہ تم پر کوئی گردش آجائے (تو اُلٹ پڑیں) حقیقت یہ ہے کہ بُری گردش کے دن خود ان ہی پر آنے والے ہیں۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اعرابیوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اُسے اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ تو سُن رکھو۔ کہ فی الحقیقت وہ انکے لئے

(توبہ ع۱۲ پ۱۱) موجب تقرب ہی ہے۔ اللہ انہیں اپنی رحمت کے دائرہ میں داخل کریگا۔ بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا ہی رحمت والا ہے۔

امام کی ولایت شرعیہ پر فقہی احکام کی تائید

بالفرض اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے۔ کہ امام کے لئے "ولایت اخذ زکوٰۃ" حمایت و حفاظت کے سبب سے ہے۔ تو عقلاً یہ ایسی غیر منطقی اور غیر فقہی بات ہوگی۔ جو علمی مجلس میں قابل ذکر نہیں ہوگی۔ اور طرداً و عکساً دونوں حیثیتوں سے اس کا غلط ہونا فقہی احکام کی بناء پر تسلیم کرنا پڑے گا۔

کیونکہ اس نظریہ کی بناء پر فقہی احکام کو اس باب میں یہ ہونا چاہیے کہ جہاں امام کی حمایت پائی جائے۔ وہاں زکوٰۃ واجب ہو۔ اور جہاں امام کی حمایت نہ ہو۔ وہاں زکوٰۃ واجب نہ ہو۔ مگر واقعتہً ایسا نہیں ہے۔

کیونکہ شہر اور وہ تمام گاؤں جہاں کی زمینوں سے امام عشر لیتا ہے خراج لیتا ہے۔ سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ لیتا ہے۔ وہاں کے کفار سے جزیہ لیتا ہے۔ ان سب کے متعلق کہا یہ جاتا ہے کہ امام کو ان سب کے اخذ کی ولایت اس لئے ہے کہ امام کی حمایت میں ہیں۔ اور ان کو امام کی حفاظت کی حاجت ہے۔

مگر جب اسی شہر اور اسی گاؤں کی ان تجارتی اموال پر جو دکانوں میں رہتی ہیں۔ اور فروخت ہوتی ہیں۔ اور لاکھوں روپیہ کا سرمایہ رکھتی ہیں۔ یہ پوچھا جاتا ہے کہ اس کی زکوٰۃ کے اخذ کا امام کو حق ہے یا نہیں؟ تو کہا جاتا ہے کہ اس کی زکوٰۃ کے اخذ کا حق اور اس کی وصولی اور مطالبہ کی ولایت امام کو نہیں ہے۔ حالانکہ یہ دکان اسی شہر میں ہے۔ اور اسی گاؤں میں ہے اور ان ہی حدود میں ہے۔ جن پر امام کی حفاظت تسلیم کی گئی ہے۔ اور اس بناء پر خراج۔ عشر۔ جزیہ۔ زکوٰۃ سائمہ وغیرہ کو وصول کیا گیا ہے۔

اس صورت میں یہ کھلی ہوئی چیز ہے کہ یہ تجارتی دکان امام کی حمایت کے حدود میں ہے۔ اور عقلاً ہر شخص اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ لاکھوں روپیہ کے سرمایہ کو امام کی حمایت و حفاظت کی ضرورت ہے۔ پس سبب اخذ موجود ہے اور بداہتہً موجود ہے۔

مگر مسبب کا تخلف ہے۔ کیونکہ فتویٰ یہ ہے:۔

ولاشک ان السوائم تحتاج الی الحمایۃ لانھا تکون فی البرار ای بحمایۃ السلطان وغیرھا من الاموال اذا اخرجا فی السفر احتاج الی الحمایۃ۔ بخلاف الاموال الباطنۃ اذا لم یخرجھا مالکھا من المصر لفقد ھذا المعنی

اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ سائمہ جانور حمایت کے محتاج ہیں۔ اسلئے کہ وہ امام کی حمایت میں میدانوں میں رہتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ وہ کل مال جس کو تاجر لے کر سفر کرتا ہے حمایت کے محتاج ہیں۔ بخلاف اموال باطنہ کے جن کو ان کا مالک شہر سے لے کر باہر نہیں جاتا ہے۔ کیونکہ امام کی حمایت یہاں مقصود نہیں ہے۔

(البحر الرائق صفحہ ۲۳۱ ج ۲ باب العاشر)

یہ فتویٰ کیوں دیا گیا؟ صرف اس بنا پر کہ یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے اخذ کا حق امام کو نہیں ہے۔ اور یہ اموال باطنہ ہیں۔ تو بداہت کے خلاف یہ بھی تسلیم کرنا پڑا۔ کہ اموال تجارت فی المصر حمایت امام سے مستغنی ہے۔

رہا سائمہ کا مسئلہ تو یہ بھی مخدوش ہے۔ کیونکہ اس تسلیم کے بعد کہ ان السوائم تحتاج الی الحمایۃ سائمہ جانوروں کو حمایت کی حاجت ہے۔ لہذا امام سائمہ کی زکوٰۃ لے گا۔ ذمی یعنی وہ کافر جو دارالاسلام میں رہتا ہے اس کے سائمہ کے متعلق اور حربی کافر جو مستامن ہو کر دارالاسلام میں رہتا ہے۔ اس کے سائمہ کے متعلق فتویٰ یہ ہے کہ امام اس سے کچھ نہیں لے گا۔

فاما السائمۃ من الصدقات فلیس علی الحربی ولا علی الذمی فیھا صدقۃ لان الصدقۃ عبادۃ فلا یجب علی الکافر

لیکن صدقات سائمہ۔ تو حربی اور ذمی کے سائمہ پر صدقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ صدقہ عبادت ہے لہذا کافر پر واجب نہیں ہوگا۔

(شرح السیر الکبیر سرخسی صفحہ ۲۹۳ ج ۴)

حالانکہ جس طرح مسلمانوں کے سائمہ کو حمایت کی اور حفاظت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح کافروں کے سائمہ کو بھی حمایت و حفاظت کی ضرورت ہے۔ اور بداہتہً امام کی حفاظت اور حمایت یہ سب کے سب پائے جاتے ہیں۔ لہذا سبب یہاں بھی پایا گیا۔ مگر مسبب نہیں پایا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ولایت اخذ زکوٰۃ کے لئے سبب۔ امام کی حمایت اور حفاظت کو قرار دینا فقہی احکام کی بناء پر صحیح نہیں ہے۔ اور یہ خرابی ان کے اصول پر لازم نہیں آئے گی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ امام بحیثیت نائب کے اور ولایت شرعی کے حق اللہ کو لیتا ہے۔ لہذا جہاں حق اللہ کا وجود ہوگا، وہاں امام لے گا۔ اور جہاں حق اللہ کا وجود نہیں ہوگا، امام نہیں لے گا۔ یہاں چونکہ ذمی اور حربی کے سائمہ میں حق اللہ کا وجود نہ تھا۔ اس لئے امام نہیں لے گا۔ باقی یہ مسئلہ کہ حقوق مالیہ میں حق اللہ کے افراد کیا کیا ہیں؟ اور ان کی نوعیت کیا ہے۔ بحث کا یہ مستقل باب ہے۔ جس کی نہ یہاں ضرورت اور نہ اس کے بیان کی گنجائش ہے۔

اسی طرح تجارت فی المصر کی صورت میں بھی ان کے اصول پر جو امام کے لئے اخذ زکوٰۃ کے حق کو ولایت شرعی کی بناء پر کتاب وسنت اور آثار اور عمل صحابہ اور تابعین کی روشنی میں تسلیم کرتے ہیں۔ یہ اعتراض لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ وہ ہر قسم کے مال پر چاہے وہ اموال ظاہرہ ہوں یا باطنہ۔ امام کے لئے ولایت اخذ زکوٰۃ مانتے ہیں۔ لہذا تجارت فی المصر پر بھی جو زکوٰۃ واجب ہوگی امام کو اس کے مطالبہ کا اور وصولی کا حق ہوگا۔ اور وہ وصول کرے گا۔ اور اس کے مطالبہ کے بعد ارباب اموال کو یہ حق نہیں رہے گا کہ وہ خود مصارف زکوٰۃ میں صرف کردیں۔ جس کی تفصیل مبسوط کی تصریح میں گذر چکی ہے۔

ان سب کے علاوہ "ولایت بسبب الحمایت" کی بنا پر یہ بھی اعتراض ہوگا۔ کہ ایسی صورت میں کہ باغی لوگوں نے شہر یا گاؤں پر قبضہ کرلیا۔ اور وہاں کے لوگوں سے عشر زکوٰۃ خراج وصول کرلیا۔ اس کے بعد پھر امام کا اس شہر یا گاؤں پر قبضہ ہوگیا۔ تو مفتی بہ مسئلہ یہ ہے کہ امام عادل کو دوبارہ عشر اور زکوٰۃ دینا پڑے گا۔ باوجودیکہ یہاں کے لوگوں کو امام کی حمایت حاصل نہ تھی۔ اور اس قول کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ کہ امام عادل ان سے زکوٰۃ دوبارہ نہیں لیگا۔ البحر الرائق میں ہے۔

ولو اخذ العشر والخراج والزکوٰۃ	باغیوں نے اگر عشر۔ خراج۔ زکوٰۃ وصول کرلیا تو پھر
بغاۃ لم یوخذ اخری۔ ای لم یوخذ	دوسری دفعہ نہیں لی جائے گی۔ اس لئے کہ امام نے انکی
مرۃ اخری۔ لان الامام لم یحمھم	حمایت نہیں کی۔ اور خراج کی وصولی کا مدار حمایت پر ہے۔
والجبایۃ بالحمایۃ قال فی الھدایۃ	ہدایہ میں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ فقہاء حنفیہ کا

وافتوا بان یعیدوھا دون الخراج (صفحہ ۲۲۳ / ج۲)

فتویٰ یہ ہے کہ خراج کے سوا وہ لوگ عشر اور زکوٰۃ دوبارہ ادا کریں گے۔

ہدایہ کی عبارت جس کا حوالہ صاحب "البحر الرائق" نے دیا ہے، یہ ہے:-

واذا اخذ الخوارج الخراج وصدقۃ السوائم لایثنی علیھم۔ لان الامام لم یحمھم والجبایۃ بالحمایۃ وافتوا بان یعیدوھا دون الخراج لانھم مصارف الخراج لکونھم مقاتلۃ۔ والزکوٰۃ مصرفھا الفقراء وھم لایصرفونھا الیھم۔ وقیل اذا نوی بالدفع التصدق علیھم سقط عنہ وکذا الدفع الی کل جائر لانھم بما علیھم من التبعات فقراء والاول احوط (کتاب الزکوٰۃ)

خارجی لوگ جب خراج اور سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرلیں۔ تو دوبارہ ان سے خراج اور زکوٰۃ نہیں لیجائیگی۔ اس لئے کہ امام نے ان لوگوں کی حمایت نہیں کی اور خراج کی وصولی کا مدار حمایت پر ہے۔ لیکن فقہا نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ خراج کے سوا زکوٰۃ وہ لوگ دوبارہ ادا کریں گے۔ اسلئے کہ چونکہ وہ لوگ مقاتلہ کرتے ہیں۔ وہ لوگ خراج کے مصرف ہیں اور زکوٰۃ کے مصرف فقراء ہیں۔ اور یہ لوگ فقراء کو دیتے نہیں ہیں۔ اور مرجوح قول ہے کہ دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرلیا ہو۔ تو زکوٰۃ کا سقوط ہوجائیگا۔ اور یہی حکم ہے ہر ظالم کو دینے کا۔ کیونکہ وہ لوگ ان حقوق کی بنا پر جن کی ادائگی ان پر واجب ہے فقراء کے حکم میں ہیں۔ اور احوط پہلی ہی صورت ہے۔

یعنی اس صورت میں اس وجہ سے کہ امام کی حمایت اور حفاظت کا وجود نہیں ہے غیر مفتی بہ قول یہ ہے کہ ان سے دوبارہ زکوٰۃ نہیں لیجائے گی۔ لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ چاہے امام کی حمایت نہ ہو ان کو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ بعض لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ باغیوں اور ظالموں کو ادائیگی زکوٰۃ کی نیت سے یہ سمجھ کر دیدیجائے۔ کہ واقعۃً یہ لوگ فقیر ہیں۔ تو اس سے وجوب زکوٰۃ کا سقوط ہوجائیگا تو یہ بھی مفتی بہ قول نہیں ہے۔ احوط پہلی ہی صورت ہے۔

اس احوط پر صاحب عنایہ شارح ہدایہ لکھتے ہیں۔

فالاول احوط ای الافتاء باعادۃ صدقۃ السوائم والعشور احوط لان فی ذالک خروجا عن عھدۃ الزکوٰۃ بیقین

پہلی صورت ہی احوط ہے یعنی عشر اور سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ کے دوبارہ ادا کرنے کا فتویٰ دینا ہی احوط ہے۔ اسلئے کہ زکوٰۃ کی ذمہ داری سے بری ہوجانا اس صورت میں یقینی ہے۔

قیل کان فی قولہ وصدقۃ السوائم اشارۃ الی مانقل التمرتاشی عن الشہید ان ہذا ای صدقۃ الاموال الظاہرۃ اما اذا صادرہ السلطان ونوی ہو اداء الزکوۃ فعلی قول طائفۃ یجوز۔ والصحیح انہ لایجوز لانہ لیس للظالم ولایۃ اخذ زکوۃ الاموال الباطنۃ والظاہر من کلام المصنف العموم فی الاموال الظاہرۃ والباطنۃ

(صـ ۵۱۴ ج ۱ برحاشیہ فتح القدیر)

کہا گیا ہے کہ صدقۃ السوائم کے الفاظ میں اشارہ ہے تمرتاشی کے اس قول کی طرف وہ جو شہید سے روایت کرتے ہیں کہ یہ حکم اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کے متعلق ہے لیکن ایسی صورت میں کہ سلطان نے مصادرۃ (ظلماً بغیر حق) لے لیا ہو۔ اور دینے والے نے ادائے زکوٰۃ کی نیت کرلی ہو۔ تو ایک جماعت کے قول پر یہ جائز ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ظالم کے لئے اموال باطنہ کی زکوٰۃ لینے کا حق نہیں ہے۔ اور مصنف کے کلام کا ظاہر مفہوم یہ ہے۔ کہ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ سب کو عام ہے۔ اور سب کو شامل ہے۔ یعنی ظالم کو شرعاً نہ تو اموال باطنہ کی زکوٰۃ لینے کی ولایت ہے۔ نہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ لینے کی ولایت ہے۔

یعنی اعادہ زکوٰۃ کا فتویٰ احوط ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ذمہ داری کی ادائگی اس صورت میں یقینی ہے اس کے بعد صاحب عنایہ نے یہ بھی تصریح کردی کہ یہ حکم اموال باطنہ اور اموال ظاہرہ دونوں کے لئے عام ہے۔ اور مصنف کا ظاہر کلام اسی عموم کو مقتضی ہے علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

والاول احوط، ای الافتاء بالاعادۃ بناءً علی ان علم من یاخذ لما یاخذ شرط وہذا یقتضی التعمیم فی الاعادۃ للاموال الباطنۃ والظاہرۃ سوی الخراج

(صـ ۵۱۴ ج ۱)

پہلی صورت احوط ہے۔ یعنی دوبارہ زکوٰۃ کے ادا کرنے کا فتویٰ دینا احوط ہے) اس لئے کہ کون لیتا ہے۔ اور کس لئے لیتا ہے۔ اس کا معلوم ہونا شرط ہے۔ اور الاول احوط کا اقتضاء، خراج کے علاوہ اموال باطنہ ہوں یا ظاہرہ سب کے دوبارہ ادا کرنے کو عام ہے۔

بہرحال مفتی بہ قول بالاتفاق یہی ہے کہ زکوٰۃ امام کو دوبارہ دی جائے۔ گرچہ یہاں امام کی حمایت اور حفاظت کا وجود نہیں ہے۔ پس یہاں مسبب پایا گیا ہے۔ سبب نہیں پایا گیا۔ مگر بغیر وجود سبب یعنی بغیر وجود حمایت امام کے فتویٰ یہ ہے کہ زکوٰۃ امام کو دوبارہ دیجائے گی اور مسبب یعنی ادائے زکوٰۃ للامام پر عمل کیا جائے گا۔ بہرحال طرداً وعکساً دونوں حیثیتوں سے نفعی

احکام میں امام کی ولایت اخذ زکوٰۃ کو بسبب الحمایت ماننا۔ فقہی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔

اور مفتی بہ قول اس امر کی طرف مشعر ہے۔ کہ ولایت اخذ زکوٰۃ امام کے لئے بسبب الحمایۃ نہیں ہے بلکہ امام کے لئے ولایت اخذ زکوٰۃ بہ سبب "ولایت شرعیہ" ہے۔ اور اسی بنا پر یہاں دوبارہ زکوٰۃ کی ادائیگی پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ اور اسی کو عملاً مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔

امام کی ولایت شرعی پر نظام بیت المال کے توارث سے تائید

اسی طرح امام کے لئے "ولایت اخذ زکوٰۃ والعشر" "بسبب الحمایۃ" ماننا نظام بیت المال کے توارث کے لحاظ سے بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ اس کی بنا پر ہر سمجھدار انسان کی عقل اسکو مقتضی ہوگی کہ امام حمایت کے نام سے جن چیزوں کو اپنی رعایا سے لے۔ اس کو رعایا کی حمایت میں صرف کرے۔ یا کم سے کم اس کو اس کی مد میں صرف کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ چاہے وہ خرچ نہ کرے کیونکہ اس سے زیادہ کوئی غیر عقلی۔ غیر منطقی۔ اور غیر فقہی بات نہ ہوگی۔ کہ امام جس قسم کی جملی حمایت و حفاظت کے نام پہ کرے۔ اور جس رقم کے مطالبہ کا اپنے لئے استحقاق حمایت و حفاظت کے نام پر ثابت کرے۔ اور جس حمایت و حفاظت کے نام پر وہ رعایا کو خاص خاص قسم کے مال میں خاص خاص قسم کے فریضے ادا کرنے پر مجبور کرے۔ اس رقم سے وہ حمایت و حفاظت کے مد میں کچھ خرچ نہ کر سکے۔ یا اس کو خرچ کرنے کا کوئی اختیار نہ ہو۔

مگر نظام بیت المال کا قانون یہ ہے کہ امام زکوٰۃ کی ایک کوڑی بھی چاہے وہ زکوٰۃ اموال باطنہ سے ہو۔ یا زکوٰۃ اموال ظاہرہ سے ہو۔ حمایت و حفاظت کے مد میں خرچ نہیں کر سکتا ہے۔ بلکہ زکوٰۃ کی کوڑی کوڑی صرف ان مخصوص مدات میں صرف کریگا جس کی کتاب و سنت میں تعیین و تحدید کر دی گئی ہے۔

عالمگیری میں ہے:-

فصل - ما یوضع فی بیت المال اربعۃ انواع -	فصل - بیت المال میں جو چیزیں رکھی جائینگی، اسکی چار قسمیں ہیں -
الاولی۔ زکوٰۃ السوائم والعشور وما اخذہ العاشر من تجار المسلمین	اول - سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ اور عشر اور وہ رقم جو عاشر ان مسلمان تاجروں سے وصول کرتا ہے جو

الذين يمرون عليه ومحله ما ذكرنا من المصارف۔

اس پر گزرتے ہیں۔ اُن رقوم کے محل۔ وہ مصارف ہیں جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں یعنی مصارف زکوٰۃ کی آٹھ قسمیں فقرا و مساکین وغیرہ کی۔

والثاني خمس الغنائم والمعادن والركاز ويصرف اليوم الى ثلثة اصناف. اليتامى والمساكين۔ وابن السبيل۔

دوم۔ رکاز۔ معادن۔ اور غنیمت کا خمس

ان کے مصارف

یتامی۔ مساکین۔ اور مسافر ہیں۔

والثالث. الخراج والجزية۔ وما صولح عليه بنو نجران من الحلل وبنو تغلب من صدقة المضاعفة وما اخذه العاشر من المستامنين وتجار اهل الذمة كذا في سراج الوهاج۔

سوم۔ خراج۔ جزیہ۔ اور وہ حلّے جن پر بنو نجران[۱] سے مصالحت کی گئی تھی۔ اور وہ چند صدقہ جس پر بنو تغلب سے مصالحت کی گئی تھی۔ اور وہ رقوم جو عاشر مستامن اور ذمی تاجروں سے لیتا ہے۔

جیسا کہ سراج الوہاج میں ہے۔

ويصرف ثلثه الى عطايا المقاتلة وسد الثغور وبناء الحصون ثم الى مراصد الطريق في دار الاسلام حتى يقع الامن عن قطع اللصوص الطريق والى اصلاح القناطير والجسور۔ كذا في محيط السرخسي والى كري الانهار العظام التي لا ملك لاحد فيها۔ كالجيحون والفرات ودجلة

كذا في شرح الطحاوي

ان کے مصارف مقاتلین و مجاہدین کے عطایا ہیں۔ سرحد کی درستگی۔ قلعوں کی تعمیر۔ دار الاسلام میں گذرگاہ پر محافظین کی چوکیوں کی تعمیر۔ تاکہ چور ڈاکو سے امن ہو جائے۔ اور چھوٹے بڑے پلوں کی اصلاح۔ بڑی بڑی پبلک نہروں کی کھدائی۔ جس پر کسی کا خصوصی ملک نہ ہو۔ جیسے جیحون۔ فرات۔ دجلہ۔

جیسا کہ شرح الطحاوی میں ہے۔

والى بناء الرباطات والمساجد وسد البثق وتحصين ما يخاف عليه

اور رباطوں کی اور مسجدوں کی تعمیر اور باندھ کا بند باندھنا۔ اور جہاں کہیں باندھ کے ٹوٹنے کا خوف ہو

---

[۱] بنو نجران سے اس شرط پر مصالحت ہوئی تھی کہ دو ہزار حلّے ہر سال ادا کریں۔ ایک ہزار صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار رجب کے مہینہ میں ۱۲

البثق والى ارزاق الولاة واعوانهم
والقضاة والمفتين والمحتسبين
كذا فى محيط السرخسى والمعلمين
والمتعلمين كذا فى سراج الوهاج
ويصرف الى كل من تقلد شيئا من
امور المسلمين والى ما فيه صلاح
المومنين۔ كذا فى محيط السرخسى
والرابع۔ اللقطات هكذا فى محيط
السرخسى وما اخذ من تركة الميت
الذى مات ولم يترك وارثا
او ترك زوجا او زوجة۔ وهذا
النوع يصرف الى نفقة المرضى
وادويتهم۔ وهم فقراء والى
كفن الموتى الذين لا مال لهم والى
اللقيط وعقل جنايته والى نفقة
من هو عاجز عن الكسب وليس له
من يجب عليه نفقته وما اشبه
ذلك كذا فى شرح الطحاوى۔

پشتہ باندھنا۔ والی۔ اور والی کے ماتحت
کام کرنے والے۔ اور قاضی اور مفتی اور
محتسب اور معلم اور متعلم کے وظائف ہیں۔ اور
اسی کے مصارف میں وہ تمام لوگ ہیں جو مذہبی
خدمات کو انجام دیتے ہوں۔ اور مسلمانوں
کی صلاح و فلاح کے لئے کارکن کی حیثیت
رکھتے ہوں۔

چہارم۔ لقطے۔ اور لاوارث میت کی متروکہ
چیزیں یا ایسے میت کا متروکہ جنہوں نے شوہر
یا بی بی کے سوا کسی کو نہ چھوڑا ہو۔

اس قسم کے مال ان مریضوں کی دواؤں اور ضروری
اخراجات میں صرف ہوں گے۔ جو محتاج اور فقیر
ہوں گے۔ نیز اس سے لاوارث مردوں کا کفن دیا جائیگا۔
اور لاوارث بچوں پر صرف کیا جائے گا۔ اور دیت
ادا کی جائے گی۔ اور ان مجبور اور اپاہج لوگوں کی
پرورش کی جائے گی جن کے نفقہ کا جو کسی پر نہ ہو۔
اور اسی طرح کے دوسرے لوگوں پر بھی صرف
کیا جائیگا۔ (فتاوی عالمگیری ج ۱ صفحہ ۱۸۸)

نظام بیت المال کی اس تصریح کے بعد کہ حمایت و حفاظت کے مد میں زکوٰۃ کی ایک کوڑی بھی خرچ نہ ہوگی۔ بلکہ حمایت اور حفاظت کے مد میں "جزیہ اور خراج" سے صرف ہوگا۔ یہ بات اچھی طرح روشن اور واضح ہو جاتی ہے کہ حفاظت اور حمایت کے مقابلہ اور معاوضہ میں امام صرف خراج اور جزیہ لیتا ہے۔ زکوٰۃ کی رقم کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا یہ نظریہ کہ امام کیلئے ولایت اخذ زکوٰۃ بسبب الحمایۃ ہے۔ غیر عقلی اور غیر منطقی ہی نہیں بلکہ غیر فقہی بھی ہے۔

بسبب الحمایت کی شرط پر تبصرہ

یہ خیال کہ امام کو "اخذ زکوٰۃ کا حق بسبب الحمایت ہے۔ اور یہ معنی ہے کہ " امام کی ولایت اخذ زکوٰۃ کا مدار حمایت وحفاظت پر ہے۔ اور یہی حمایت اس کی علت تامہ ہے۔ لہٰذا امام ان ہی چیزوں کی زکوٰۃ لے گا۔ اور اسی کا مطالبہ کریگا جبکی وہ حمایت وحفاظت کرتا ہو۔ اور جو چیز اس کی حمایت وحفاظت کی حدود سے باہر ہوگی نہ وہ اس کی زکوٰۃ لے گا۔ اور نہ وہ اس کا مطالبہ کرے گا۔"

تو یہ غلط ہے۔ اور بظاہر یہ غلط فہمی غالباً " بدائع الصنائع " یا اسی طرح کی فقہ کی دوسری عبارتوں پر مبنی ہے۔ " بدائع الصنائع " کے الفاظ یہ ہیں:-

واما شرط ولاية الاخذ فانواع منها وجود الحماية من الامام حتى لو ظهر اهل البغي على مدينة من مدائن اهل العدل او قرية من قراهم وغلبوا عليها فاخذوا صدقات سوائمهم وعشور اراضيهم وخراجها ثم ظهر عليهم امام العدل لا ياخذ منهم ثانياً لان حق الاخذ للامام لاجل الحفظ والحماية ولم يوجد الخ

(بدائع الصنائع صفحہ ۳۶ ج ۲)

امام کے اخذ زکوٰۃ کی ولایت کے لئے جو شرائط ہیں ان کی چند قسمیں ہیں۔ ان شرطوں میں سے ایک شرط امام کی جانب سے حمایت کا پایا جانا ہے۔ یہاں تک کہ اگر امام عادل کے شہروں اور گاؤں میں سے کسی شہر یا گاؤں پر باغی لوگ چڑھ آئیں گے اور ان کا غلبہ ہوجائیگا اور وہ سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ اور ان کی زمینوں کا عشر اور خراج وصول کرلیں اسکے بعد پھر امام عادل کا غلبہ ہوجائے تو امام عادل ان لوگوں سے دوبارہ زکوٰۃ عشر۔ خراج نہیں لیگا۔ کیونکہ امام کو لینے کا حق حمایت اور حفاظت کی بنا پر ہے اور یہ حمایت اور حفاظت یہاں پائی نہیں گئی۔

اس عبارت میں امام کے حق اخذ زکوٰۃ کی ولایت کیلئے حمایت اور حفاظت امام شرط ٹھہرائی گئی ہے۔ اور اس پر تفریع کی گئی ہے کہ ایسی صورت میں کہ جہاں امام کی حمایت نہیں پائی جائے گی۔ وہاں امام زکوٰۃ عشر۔ خراج نہیں لیگا۔ کیونکہ امام کو لینے کا حق حمایت کی بنا پر ہے۔ اور وہ نہیں پائی گئی۔ حالانکہ گذشتہ مباحث میں یہ معلوم ہوچکا ہے کہ یہ مفتی بہ مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ فتویٰ اس پر ہے کہ امام عادل کو دوبارہ عشر۔ زکوٰۃ دینا پڑے گا۔ باوجودیکہ امام کی حمایت یہاں کے لوگوں کو

حاصل نہیں ہو۔ اور اس کے متعلق "ہدایہ"۔ "البحر الرائق"۔ اور "فتح القدیر" وغیرہ کا حوالہ تفصیل سے گذر چکا ہے۔

بہر حال غلط فہمی کا باعث "لفظ شرط" اور اس سے دھوکہ کھانا ہے کہ فقہا جہاں بھی شرط کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس سے ان کی مراد ہر جگہہ علت تامہ ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ فقہاء کرام "لفظ شرط اور لفظ سبب" وہاں بھی استعمال کرتے ہیں جہاں ان کی مراد شرط فی الجملہ یا سبب فی الجملہ ہوتی ہے۔ ہر جگہہ علت تامہ نہیں ہوتی ہے۔ اور نہ ہر فرد میں اس کی عمومیت مقصود و مطلوب ہوتی ہے۔ مثلاً فقہاء اسی مسئلہ زکوٰۃ میں "کتاب الزکوٰۃ" کے عنوان کے ماتحت بغیر کسی قید کے وجوب زکوٰۃ کی شرط میں لکھتے ہیں :-

وشرط وجوبها العقل والبلوغ والاسلام والحرية وملك نصاب حولی۔ فارغ عن الدين وحوائجه الاصلية نام ولو تقديرًا (كنز الدائق)

زکوٰۃ کے وجوب کی شرط عقل۔ بلوغ۔ اسلام۔ حریت ایسے نصاب کا جس پر ایک سال گذر چکا ہو، مالک ہونا، قرض کا نہ ہونا۔ حوائج اصلیہ سے فارغ ہونا نامی ہونا (و تقدیراً)

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اس عبارت میں اور اسی طرح فقہ کی اور کتابوں میں بھی مطلقاً وجوب زکوٰۃ کے لیے بلوغ کو شرط قرار دیتے ہیں۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی ہر صورت میں وجوب زکوٰۃ کے لیے بلوغ کی شرط ضروری ہے۔ بغیر اس کے وجوب زکوٰۃ نہ ہوگا۔ حالانکہ پیداوار کی زکوٰۃ میں جس کو عشر کہتے ہیں، وجوب عشر کیلئے بلوغ[ع] شرط نہیں ہے۔ عشری زمین کا مالک اگر نابالغ ہوگا تو اس کی زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا۔ اسی طرح فقہاء اگرچہ ولایت اخذ زکوٰۃ" کے لئے "حمایت امام" شرط قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ بدائع الصنائع وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ زکوٰۃ کی ہر قسم میں "ولایت اخذ زکوٰۃ کیلئے یہ شرط ضروری ہے۔ یعنی جہاں حمایت پائی جائے گی وہاں "ولایت اخذ" ہوگی اور جہاں حمایت نہیں

ع جس طرح بلوغ وجوب عشر کے لئے شرط نہیں ہے عاقل ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ کیونکہ مجنون کی عشری زمین میں بھی عشر فرض ہے۔ اسی طرح فارغ عن الدین ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ حولان حول بھی شرط نہیں ہے ملکیت ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ تفصیل شرائط عشر کی بحث میں آئے گی۔ حالانکہ ان کل چیزوں کو زکوٰۃ کے وجوب کی شرط میں بغیر کسی تخصیص اور تقیید کے فقہاء عموماً لکھتے ہیں۔ عبد الصمد رحمانی

پائی جائے گی۔ وہاں "ولایت اخذ زکوٰۃ" نہیں ہوگی۔

کیونکہ گذشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ ایسی صورت میں کہ باغیوں نے شہر پر قبضہ کرلیا۔ اور وہاں کے لوگوں سے عشر۔ خراج۔ زکوٰۃ وصول کرلیا اسکے بعد پھر امام عادل کا قبضہ ہوگیا تو مفتی بہ مسئلہ یہ ہے کہ امام عادل کو دوبارہ عشر اور زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔ باوجودیکہ لوگوں کو امام عادل کی حمایت اور حفاظت حاصل نہ تھی

بہرحال ولایت اخذ زکوٰۃ کے متعلق بھی فقہائے کرام کے اقوال میں نہ تضاد ہے نہ تخالف ہے۔ نہ حمایت امام کی شرط، امام کی ولایت شرعی کے منافی ہے۔ نہ متضاد ہے۔ بظاہر اس طرح کی غلط فہمی محض اس وجہ سے ہوتی ہے کہ بغیر سمجھے بوجھے اپنی غلطی سے فقہاء کے اقوال کو غیر محل پر حمل کیا جاتا ہے۔ اور اس میں غلط معنی پہنائے جاتے ہیں۔ پھر اس غلط معنی سے غلط نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس پر مزید برآں یہ کہ غلط تفریعات شروع کردیجاتی ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کے نام سے بے دینی کی اشاعت ہوتی ہے۔ اور نفس اس فریب میں مبتلا رہتا ہے کہ اپنی کم فہمی۔ بے بصری کے باوجود ہم جو رائے رکھتے ہیں وہی صحیح ہے۔

خلاصۂ بحث

ان تمام مباحث کے سامنے ہوجانے کے بعد جو "باب ولایت اخذ الزکوٰۃ والعشر" اور باب فی الاموال الباطنۃ وحق المطالبۃ والتصرف فیہا للامام میں ہم تفصیل سے پیش کرچکے ہیں، لازمی طور پر یہ سامنے آتے ہیں کہ

(۱) امام و امیر اور اس کے والی کو اموال باطنہ ہوں یا اموال ظاہرہ، ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ کے مطالبہ اور اخذ کا حق حاصل ہے۔

(۲) اور اس مطالبہ اور اخذ کا حق اس کو "ولایت شرعی" کی بناء پر ہے۔

(۳) عہد نبوت میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عامل مقرر فرمایا تھا۔

(۴) عامہ مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما (اموال ظاہرہ کی طرح) اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا مطالبہ فرماتے تھے۔

(۵) عملی زندگی عہدِ نبوت اور عہدِ شیخین میں یہ تھی کہ مصدق اموال باطنہ کی زکوٰۃ بھی اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی طرح وصول کرتے تھے۔

(۶) یہ خیال غلط ہے کہ حضور صلعم اور شیخین کے عہد میں ارباب اموال "اموال باطنہ" کی زکوٰۃ کو خود سے حسب مرضی اپنے دے آتے تھے۔ اُن سے مطالبہ نہیں ہوتا تھا۔

(۷) تفویض سے پہلے عہد عثمانی میں بھی اسی پر عمل تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ تفویض توکیل حق تھی۔ اسقاط حق نہ تھی۔

(۸) مبسوط سرخسی کے فیصلہ کی بنا پر جو ظاہر الروایۃ پر مبنی ہے۔ ارباب اموال کو اسکا حق نہیں ہے کہ اپنی زکوٰۃ کو اپنے اختیار سے مستحقین زکوٰۃ پر صرف کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو وہ زکوٰۃ سے بری الذمہ نہیں ہوں گے۔ اور عند اللہ ان کی سبکدوشی نہیں ہوگی۔

(۹) ہر قسم کی زکوٰۃ کی کتاب و سنت کی روشنی میں شرعی تنظیم کی صحیح شکل صرف یہ ہے کہ ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ امیر کے بیت المال میں داخل کی جائے۔ اور اس کے بیت المال کے واسطہ سے فقراء اور مستحقین زکوٰۃ کو دی جائے۔

(۱۰) لہٰذا ایسے صوبہ میں جہاں امارت شرعیہ قائم ہو اور امیر شریعت صوبہ کے ماتحت بیت المال بھی قائم ہو۔ اور جمع و تقسیم زکوٰۃ کا کام باقاعدہ اور منظم طریق پر جاری ہو، شرعاً یہ ناجائز ہوگا کہ اس صوبہ میں جمع اور تقسیم زکوٰۃ کے لئے کوئی کمیٹی قائم کیجائے۔ یا اور کوئی دوسری صورت پیدا کی جائے۔

اس دور میں جب کہ ہر کام یورپ کی تقلید میں یورپ کے طرز پر کمیٹی بنا کر انجام دیجانے لگی ہے۔ صوبہ بہار میں بعض جگہ زکوٰۃ کمیٹی کا نام بھی سننے میں آیا تو میں نے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلی سے استفتاء کیا کہ یہ شرعاً جائز ہے۔ حضرت مفتی اعظم کا جواب مع استفتاء کے حسب ذیل ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے صوبہ میں جہاں امارت شرعیہ قائم ہو، وہاں اس طرح کی کمیٹی بنانا قطعاً ناجائز اور مذموم ہے۔

استفتا

بسم اللہ تعالیٰ

ایسے صوبہ میں جہاں امیر کی نگرانی میں ادارہ امارت شرعیہ اور اس کے ماتحت دار القضاء، دار الافتاء، بیت المال وغیرہ مختلف شعبے قائم ہوں اور دیندار مسلمان زکوٰۃ وعشر بیت المال میں ادا کرتے ہوں شرعاً یہ صحیح ہوگا۔ کہ وصولی زکوٰۃ وعشر کے لئے کوئی شخص بغیر اجازت امیر شریعت صوبہ، کمیٹی قائم کرے۔ اور مسلمانوں کو اس کمیٹی میں زکوٰۃ دینے کے لئے کہے اور اس کی تبلیغ کرے۔

الجواب

زکوٰۃ وعشر وغیرہ فرائض مالیہ کا وجوب جن حکم شرعیہ ومصالح بشریہ پر مبنی ہے، ان کا تقاضا یہ ہے کہ ادائے زکوٰۃ وعشر اور مستحقین پر ان کی تقسیم میں تنظیم کامل کا لحاظ رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ انفرادی تصرفات میں تنظیم مفقود ہوتی ہے۔ اس غلامی کے دور میں جو تفرق وتشتت کا دور ہے، امکانی صورت یہی نظر آتی ہے کہ اہل حل وعقد کی کوئی جماعت اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے۔ لیکن جس مقام (صوبہ) میں امارت شرعیہ قائم ہو، اور اس کے ماتحت جمع وتقسیم صدقات کا کام باقاعدہ اور منظم طریق پر ہو رہا ہو وہاں کے مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ امارت شرعیہ کے بیت المال میں ہی یہ رقم جمع کریں۔ اس جگہ کوئی دوسری کمیٹی بنانا قائم شدہ تنظیم کو خراب کرنے کے معنی میں ہوگا جو قطعاً ناجائز ومذموم ہے۔ جہاں امارت قائم نہ ہو وہاں کے مسلمان اگر کوئی ایسی کمیٹی بنالیں تو قیام امارت شرعیہ تک وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (دہلی)

(۱۱) ان تصریحات کے بعد ہر اس دیندار مسلمان کا (جو اپنی دینی ودنیاوی سعادت اس میں سمجھتا ہے کہ اپنی ذات کو اپنی خواہش کو اپنے اعمال کو اپنے عقائد کو کتاب وسنت کے ماتحت رکھے۔ اور اپنی خواہش اور ہوائے نفس کے تابع اور ماتحت خدا کی کتاب، اور رسول کی سنت اور دین اسلام کو نہ بنائے) یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ کو نظام شرعی کے مطابق امارت شرعیہ میں داخل کرے تاکہ اسکی زکوٰۃ صحیح

طور پر ادا بھی ہو جائے اور صحیح طور پر وہ بری الذمہ بھی ہو جائے اور عند اللہ بھی اس کی سبکدوشی ہو جائے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ حضور امیر شریعت صوبہ بہار کی طرف سے ارباب زکوٰۃ کے لئے یہ ارشاد ہے کہ "وہ اپنی زکوٰۃ سے اپنے یہاں کے کسی خاص مستحق کو کچھ رقم دینی چاہتے ہوں تو وہ اس کی اطلاع دفتر بیت المال امارت شرعیہ صوبہ بہار واڑیسہ میں ناظم بیت المال کو دیں۔ یہاں سے ان کے نام ان کی سفارش کے مطابق رقم بھیجدی جائیگی۔ یا دفتر بیت المال سے اجازت حاصل کرکے اپنے یہاں کے مستحقین کو جو کچھ دینا چاہتے ہوں دیں۔ بقیہ رقم بیت المال میں مع حساب کے بھیجدیں۔

باب کیف تؤدی الزکوٰۃ علی الفور او علی التاخیر

ادائیگی زکوٰۃ کی شرعی صورت

ادائیگی بالفور ہو یا بالتاخیر

زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کی ایجابی اور سلبی حیثیت کی اہمیت اور اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے بعد کہ زکوٰۃ کی وصولی کی ولایت امام کو ہے۔ اور ارباب مال کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم کو خود مستحقین پر صرف کریں، بلکہ امام کو دیں تاکہ وہ مصالح دینی کے پیش نظر مصارف زکوٰۃ کے ضروری محل میں بلحاظ ماحول خرچ کرے۔ ترتیب کا مقتضا یہ ہے کہ دینے کے مسئلہ پر ضروری تبصرہ کر دیا جائے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے متعلق فقہا کرام کا کیا فتویٰ ہے۔

زکوٰۃ کے شرائط وجوب وجود کے بعد (جس کا بیان اپنے محل پر آگے آتا ہے) فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ارباب مال پر یہ واجب ہے؟ کہ وہ فوراً زکوٰۃ کی واجب شدہ رقم ادا کر دیں۔ اور خواہ مخواہ کی تاخیر سے کام نہ لیں۔ یا ان کے لئے تاخیر کی گنجائش ہے؟

درمختار میں ہے :-

افترا ضها عمری ای علی التراخی وصححه الباقلانی وغیره وقیل فوری ای واجب علی الفور وعلیه الفتویٰ۔ کما فی شرح الوهبانیة فیاثم بتاخیرها بلا عذر (کتاب الزکوٰۃ)	زکوٰۃ کی فرضیت عمری ہے۔ یعنی دیر سویر اس کو ادا کرنا ضروری ہے، باقلانی وغیرہ نے اسکی تصحیح کی ہے اور کہا ہے کہ یہ فوری ہے اور وجوب کے بعد فوراً ادا کرنا واجب ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ شرح وہبانیہ میں ہے۔ لہٰذا بلا عذر تاخیر کرنے میں گنہگار ہوگا۔

یعنی ادائیگی زکوٰۃ کا فریضہ بعض فقہا کے نزدیک علی التراخی ہے۔ یعنی واجب شدہ رقم کو جس وقت بھی ادا کریگا وجوب کی ادائیگی ہوگی اور اس تاخیر پر گنہگار نہیں ہوگا لیکن تاخیر اگر اتنی لمبی ہوتی گئی کہ وہ موت کے گھاٹ لگ گیا اور بغیر ادائیگی زکوٰۃ مر گیا تو گنہگار ہوگا۔ ابوبکر جصاص رازی کا یہی خیال ہے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ مسئلہ یہ ہے کہ سال تمام ہو جانے کے بعد باوجود قدرت ادائیگی زکوٰۃ کے اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ اور نصاب ہلاک ہو گیا تو اس پر ضمان (تاوان) کا لزوم نہیں ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ زکوٰۃ کی واجب شدہ رقم کو ادا کرنا فوری طریقہ پر واجب نہیں ہے۔ ورنہ تاخیر پر ضمان لازم آتا۔ جیسا کہ رمضان کے روزہ کی تاخیر پر اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔

شامی میں ہے:۔

واستدل الجصاص لہ بمن علیہ الزکوٰۃ اذا ھلک نصابہ بعد تمام الحول والتمکن من الاداء انہ لایضمن ولو کانت علی الفور یضمن کمن اخر صوم شھر رمضان عن وقتہ فان علیہ القضاء (صفحہ ۱۴ / ج ۲)

اس مدعا پر جصاص نے استدلال اس شخص سے کیا ہے جس پر کہ زکوٰۃ واجب ہو اور حولان حول اور قدرت ادائیگی کے بعد اس کا نصاب ہلاک ہو گیا کہ اس پر ضمان لازم نہیں آتا ہے۔ اگر زکوٰۃ کی ادائیگی فی الفور واجب ہوتی تو اس کو ضمان دینا پڑتا۔ جیسے کہ اس شخص پر قضا کرنا روزہ کا واجب ہوتا ہے جس نے رمضان کے مہینے کے روزہ کو اپنے وقت سے مؤخر کر دیا ہو

اس کے خلاف بعض فقہا کا فتویٰ یہ ہے کہ سال کے تمام ہونے کے بعد ارباب مال پر واجب ہے کہ واجب شدہ رقم زکوٰۃ فوراً ادا کریں اور نہ بلا عذر تاخیر میں گنہگار رہیں گے۔ در مختار میں اسکے متعلق یہ تصریح ہے کہ مفتی بہ قول یہی ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:۔

ذکر الکرخی انھا علی الفور وذکر فی المنتقی ما یدل علیہ فانہ قال اذا لم یود الزکوٰۃ حتی مضی حولان فقد اساء واثم ولم یحل لہ ما صنع وعلیہ الزکوٰۃ حول واحد وعن محمد ان من لم یود الزکوٰۃ لم تقبل شھادتہ وروی عنہ ان التاخیر لا یجوز وھذا نص علی الفور وھو ظاھر مذھب الشافعی (صفحہ ۳ / ج ۲)

امام کرخی نے ذکر کیا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی فی الفور واجب ہے، اور منتقی میں جو مذکور ہے وہ اسی پر دال ہے۔ صاحب منتقی کا قول ہے جب صاحب زکوٰۃ اپنی زکوٰۃ ادا نہ کرے یہاں تک کہ دو سال گزر جائے تو اس نے برا کیا اور گنہگار ہوا۔ اور جو کچھ اس نے کیا وہ حلال نہیں ہوا۔ اور اس پر ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ امام محمد سے روایت ہے کہ جو شخص زکوٰۃ نہیں ادا کریگا اس کی شہادت نہیں قبول ہوگی۔ نیز امام محمد سے روایت ہے کہ تاخیر جائز نہیں ہے۔ اور یہ نص فوراً ادائیگی پر ہے۔ امام شافعی کا یہی ظاہری مذہب ہے۔

اس اختلاف کا منشا یہ ہے کہ فقہاء کا دراصل اس میں اختلاف ہے کہ فعل امر کا مقتضا کیا ہے۔ آیا اس کا مقتضا یہ ہے کہ مامور بہ یعنی جس فعل کے بجالانے کے لئے امر ہوا ہے اس کو فوراً عمل میں لایا جائے۔ یا تاخیر کے ساتھ عمل میں لایا جائے۔ صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:۔

واصل المسئلة ان الامر المطلق عن الوقت هل يقتضي وجوب الفعل على الفور ام على التراخي كالامر بقضاء صوم رمضان والامر بالكفارات والنذور المطلقة وسجدة التلاوة ونحوها فهو على الاختلاف الذي ذكرنا (صفحہ ۲/۲۵)

اصل مسئلہ اس باب میں یہ غور طلب ہے کہ ایسا امر جس کے ساتھ وقت کی قید نہیں ہو۔ آیا اسکا اقتضا وجوب فعل علی الفور ہے یا علی التراخی یعنی اس امر کی وجہ سے جو فعل واجب ہوا ہے اسکو فوراً ادا کیا جائے یا تاخیر کے ساتھ ادا کیا جائے۔ مثلاً قضا روزۂ رمضان، اور کفارہ اور نذر اور سجدۂ تلاوت وغیرہ کے متعلق امر۔ اسی مذکورہ اختلاف پر اس کی بنا ہے۔

لیکن دراصل اس مسئلہ میں مختار مسلک یہ ہے کہ امر کے مقتضا میں نہ تو "فور" داخل ہے نہ "تاخیر" داخل ہے۔ بلکہ امر کا مقتضا یہ ہے کہ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ مامور بہ کا امتثال کیا جائے اور بجالایا جائے۔ کیونکہ امر کے مفہوم میں کسی قید کا اعتبار نہیں ہے اسلئے مخاطب بحیثیت مفہوم فعل امر کے بغیر کسی قرینہ خارجیہ خود مختار ہے جس طرح بھی چاہے مامور بہ کو بجالائے۔

فتح القدیر میں ہے:-

فان المختار في الاصول ان مطلق الامر لا يقتضي الفور ولا التراخي بل مجرد طلب المأمور به فيجوز للمكلف كل من التراخي والفور في الامتثال لانه لم يطلب منه الفعل مقيداً باحدهما فيبقى على خياره في المباح الاصلي۔ (صفحہ ۱/۴۸۲)

اصول میں مختار مذہب یہ ہے کہ مطلق امر (یعنی جس میں وقت کی قید نہیں ہے) نہ فور کو چاہتا ہے نہ تراخی کو چاہتا ہے بلکہ صرف مامور بہ کے امتثال کو چاہتا ہے۔ یعنی اس کا مدلول صرف مامور بہ کو طلب کرنا ہے۔ پس امتثال یعنی بجا آوری میں مکلف کے لئے دونوں صورتیں جائز ہیں، فوراً ادا کرے یا تاخیر سے کیونکہ مامور بہ کو ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ مقید کرکے طلب نہیں کیا گیا ہے لہٰذا اباحت اصلی کے قاعدہ پر مکلف کو اختیار رہیگا، وہ جس طرح چاہے ادا کرے۔

قول فیصل

اس مسئلہ میں ان علمی موشگافیوں کے بعد عمل کیلئے قول فیصل کیا ہے؟ اور مفتی بہ مختار مسلک کیا ہے؟ تو اس کے متعلق درمختار کی یہ تصریح گذر چکی ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے کہ جب سال تمام ہو جائے تو واجب شدہ رقم فوراً ادا کردی جائے۔

کیونکہ علاوہ اس کے کہ کتاب و سنت کے نصوص سے مدلول مطابقی کے طور پر نہ سہی التزامی طور پر ضرور سمجھا جاتا ہے کہ واجب شدہ زکوٰۃ کی رقم کی ادائیگی میں تاخیر پسندیدہ امر نہیں ہے۔ صحابۂ کرام کا عمل۔ بیت المال کا نظام سب کا مقتضا یہی ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے اور وہ کہتے ہیں کہ نفس امر کا مقتضا مفہوم کے اعتبار سے اگرچہ مطلق ہے اور اس میں کوئی قید ملحوظ نہیں ہے اور اس اعتبار سے مامور بہ کی فرضیت مطلقاً ثابت ہوگی۔ یعنی آتوا الزکوٰۃ کے امر کا مقتضا صرف یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا نفس زکوٰۃ کی ادائیگی کی فرضیت کا اس سے ثبوت ہوگا۔ جس میں "فوراً" اور "تاخیر" کی کوئی قید نہیں ہے اور مکلف مختار ہے کہ وہ زکوٰۃ (جو مامور بہ ہے) جس طرح بھی ہو (چاہے علی الفور چاہے علی التراخی) ادا کرے۔ لیکن قرینہ خارجیہ سے ادائیگی علی الفور کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ قرینہ خارجیہ یہاں فقراء کو دفع ضرورت کے خیال سے دینا ہے۔ اور یہ مقصد بغیر اس کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے کہ وجوب علی الفور ہو۔ پس آتوا الزکوٰۃ سے معنی کے اعتبار سے قطعی فرضیت کا ثبوت ہوگا۔ اور قرینہ خارجیہ کے اعتبار سے فوریت کا وجوب ثابت ہوگا۔ لہٰذا بغیر ضرورت اس میں تاخیر گناہ کو مستلزم ہوگا۔ یعنی تاخیر کرنے والا گنہگار ہوگا۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

علامہ ابن ہمام کا فتویٰ

زکوٰۃ فرض ہے اور فوراً ادا کرنا واجب ہے، بغیر ضرورت تاخیر گناہ ہے

والوجه المختار ان الامر بالصرف الى الفقير معه قرينة الفور وهي انه لدفع حاجته وهي معجلة فمتى لم تجب على الفور لم يحصل المقصود من الايجاب على وجه التمام وقال ابو بكر الرازي

وجہ مختار یہ ہے کہ فقیروں پر صرف کرنے کا جو حکم ہے اس کے ساتھ فوری ادائیگی کا قرینہ ہے اور وہ قرینہ فقراء کی ضرورت کا دفع کرنا ہے۔ اور یہ فوری ادائیگی پر مبنی ہے۔ پس جبکہ ادائیگی علی الفور واجب نہیں ہوگی تو واجب کرنے کا جو مقصود ہے وہ پورے طور پر حاصل نہیں ہوگا۔ ابو بکر رازی کا قول ہے کہ زکوٰۃ

وجوب الزكوة على التراخي لما قلنا
ان مطلق الامر لا يقتضي الفور فيجوز
للمكلف تاخيره وهذا معنى قولهم
مطلق الامر للتراخي لا انهم يعنون
ان التراخي مقتضاه قلنا ان لم يقتضه
فالمعنى الذي عيناه يقتضيه و
هو ظني فتكون الزكوة فريضة
وفوريتها واجبة - فيلزم
بتاخيره من غير ضرورة الاثم الخ
(فتح القدير ص ۴۸۳ ج ۱)

على التراخی ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم کہہ چکے ہیں کہ
مطلق امر فوری ادائیگی کو نہیں چاہتا ہے۔ لہذا مکلف کے
لئے تاخیر کرنا جائز ہے۔ اور یہی معنی ہیں انکے اس قول کے
کہ مطلق الامر تراخی کیلئے ہے۔ وہ لوگ یہ مراد نہیں لیتے ہیں
کہ تراخی امر کے مقتضاء میں داخل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امر اگر
چہ فوری ادائیگی کو اپنے مقتضا کے اعتبار سے نہیں چاہتا ہے،
لیکن وہ مقصود جسکو ہم نے متعین کیا ہے وہ فوری ادائیگی کو
چاہتا ہے اور یہ ظنی ہے۔ لہذا امر کے مقتضا ہونے کی حیثیت
سے زکوۃ تو فرض ہے اور زکوۃ کی فوری ادائیگی واجب ہے۔
پس بغیر ضرورت تاخیر سے گناہ لازم آئیگا

حاصل یہ کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امر تراخی کیلئے ہے۔ ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امر میں تراخی کا مفہوم ہے بلکہ انکا مطلب یہ ہے کہ چونکہ امر فوراً ادائیگی کے مفہوم کا حامل نہیں ہے، تراخی (تاخیر) جائز ہے لیکن قرینہ خارجیہ فوراً ادائیگی کے وجوب کو مستلزم ہے۔ امام کرخی رح حاکم شہید سے بھی اسکی تصریح ہے بلکہ امام اعظم ابو حنیفہ رح سے فقیہ ابو جعفر کی روایت بھی اسی معنی میں ہے۔ فتح القدیر میں ہے:-

علامہ ابن ہمام کے فتوی کی تائید

امام کرخی رح حاکم شہید۔ امام ابو حنیفہ رح سے

كما صرح به الكرخي - والحاكم الشهيد
في المنتقى وهو عين ماذكره الفقيه
ابو جعفر عن ابي حنيفة - انه يكره
ان يؤخرها من غير عذر - فان
كراهة التحريم هي المحمل عند
اطلاق اصحابنا عنهم (ص ۴۸۳ ج ۱)

جیسا کہ امام کرخی اور حاکم شہید نے منتقی میں تصریح کی ہے
وہ بعینہ وہی بات ہے جس کو فقیہ ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ
رحمۃ اللہ سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رح بغیر عذر کے تاخیر
کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور کراہت فقہا کی اصطلاح
میں جب مطلق بولتے ہیں تو اس کا محمل کراہت تحریمی ہی
ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ امام کرخی اور حاکم شہید سے تو علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی کی تائید۔

صراحتہً "منتقی" میں مذکور ہے - اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یہ ہے کہ امام صاحب بغیر عذر کے ادائے زکوٰۃ کی تاخیر کو مکروہ سمجھتے ہیں - اور مکروہ جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے - اور کراہت تحریمی گناہ ہے - لہٰذا ادائے زکوٰۃ میں تاخیر کراہت تحریمی کو مستلزم ہوگی اور کراہت تحریمی مستلزم گناہ ہوگی -

اس کے بعد فتح القدیر میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک نقل کیا ہے - اس کے بعد یہ لکھا ہے تینوں ائمہ سے زکوٰۃ کی فوری ادائگی کا واجب ہونا ثابت ہے -

ائمہ ثلٰثہ حنفیہ کا مسلک

وجوب فوریت زکوٰۃ ہے

فقد ثبت عن الثلاثۃ وجوب فوریۃ الزکوٰۃ (فتح القدیر صفحہ ۴۸۳ ج ۱)

تینوں اماموں (یعنی امام ابو حنیفہ رح - امام ابو یوسف رح - امام محمد رحمہم اللہ) سے زکوٰۃ کا فوراً ادا کرنا ثابت ہے -

ان تصریحات کی بنا پر ایک دیندار مسلمان کا عمل یہ ہونا چاہیے کہ سال کے تمام ہو جانے کے بعد واجب شدہ زکوٰۃ کی رقم فوراً ادا کر دے تاکہ فرض کی ادائیگی کے ساتھ وجوب کی ذمہ داری بھی ادا ہو جائے - اور دنیاوی لین دین اور کاروبار جو ہر وقت نئی نئی شکل میں سامنے آتے رہتے ہیں - اس سے مانع نہ ہوں - کیونکہ مسلمان کی شان یہ بتائی گئی ہے کہ

رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار - (نور ع ۵ پ ۱۸)

وہ ایسے مرد ہیں کہ ان کو کوئی تجارت اور کوئی بیع اللہ کی یاد سے - اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی ہے - اور وہ اس دن (یعنی قیامت) سے ڈرتے رہیں جس میں (خوف سے) لوگوں کے دل اور آنکھیں الٹ جائینگی -

اس فقہی استدلال کے بعد ہم دو حدیث پر اس بحث کو ختم کرنا چاہتے ہیں - پہلی حدیث بخاری شریف کی ہے - عقبہ بن حارث کی روایت ہے :-

صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العصر فاسرع ثم دخل البیت فلم یلبث ان خرج فقلت او قیل لہ فقال کنت خلفت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی پھر جلدی سے گھر تشریف لیگئے اور پھر فوراً ہی تشریف لے آئے سوال پر آپ نے فرمایا کہ صدقہ (زکوٰۃ) کا ایک ٹکڑا میں گھر میں چھوڑ آیا تھا -

فی البیت تبراً من الصدقة فکرهته ان ابیته فقسمته (بخاری)

پس میں نے مکروہ سمجھا کہ اس حالت میں رات گذاروں یعنی رات بھر اسکو گھر میں چھوڑ دوں پس میں نے اس کو تقسیم کر دیا۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صدقہ کی رقم کو گھر میں رکھنا بہتر نہیں ہے۔ جہاں تک جلد ممکن ہو اپنے گھر سے نکال دے۔ اس حدیث کے ذیل میں ابن بطال کا یہ قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے:۔

ان الخیر ینبغی ان یبادر به فان الآفات تعرض والموانع تمنع والموت لا یؤمن والتسویف غیر محمود (نیل الاوطار صفحہ ۲۱۳)

نیک کام اس کا سزاوار ہے کہ اس کو جلد کیا جائے اسلئے کہ آفات ہر وقت پیش آنے کے لئے تیار ہیں اور موانع روک دینے کیلئے اور موت سے امن نہیں اور حسرت کا اظہار غیر محمود امر ہے۔

دوسری حدیث بھی بخاری ہی کی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں۔ وہ فرماتی ہیں:۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما خالطت الصدقة مالاً قط الا اھلکته (بخاری)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ زکوۃ کا اختلاط نہیں ہوتا ہے کسی مال کے ساتھ لیکن اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ زکوۃ کی رقم کا دوسری رقم کے ساتھ مجرد اختلاط اس کی بربادی کا باعث ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ زکوۃ نکالنے کے بعد اس سے کسی طرح کا اختلاط نہ رکھیں۔ بلکہ اس کو حسب الحکم آئین اسلامی اپنے امیر کو ادا کر دیں۔ اور اس کے بیت المال میں بھیج دیں۔

باب انواع الزکوٰۃ ومبادیہا ومسائلہا

انواع زکوٰۃ

شریعت اسلامی میں چار قسم کے مالوں پر زکوٰۃ فرض ہے - (١) سونا - چاندی پر (٢) کھیتی اور درختوں کی پیداوار پر (٣) تجارتی اموال پر (٤) سائمہ[ع] جانوروں پر ان میں سے پہلی تینوں قسموں کا بیان قرآن مجید اور احادیث دونوں میں ہے اور چھیلی قسم کا بیان صرف احادیث شریف میں اور چاروں قسمیں انواع الزکوٰۃ میں داخل ہیں ابوبکر جصاص رازی احکام القرآن میں سونا اور چاندی کے متعلق لکھتے ہیں :-

فمما نص الله تعالے علیه من اصناف الاموال التی تجب فیها الزکوٰۃ الذهب والفضة لقوله والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم، فنص علی وجوب الحق فیهما باخص اسمائهما تاکیدا وتبیینا - (صفحہ ١٣٩ / ج ٣)

ال کے ان اقسام سے جن پر زکوٰۃ واجب ہے - جن مالوں کو اللہ تعالے نے قرآن مجید میں منصوص طور پر بیان فرمایا ہے سونا - چاندی بھی ہے - ان کا ذکر خدا کے اس قول میں ہے والذین یکنزون الذهب والفضة الخ جو لوگ سونا اور چاندی جمع رکھتے ہیں اور اس کی زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیدیجئے - پس ان دونوں چیزوں میں زکوٰۃ کے وجوب کو ان کے نام کے ساتھ بالخصوص تاکیدی طور پر پورے زور کے ساتھ بیان کیا ہے -

مقصد یہ ہے کہ سونا اور چاندی کی زکوٰۃ کے وجوب پر ان کے مخصوص نام کے ساتھ نص کرنا بغرض تاکید اور تبیان ہے - اور کنز شرعی اصطلاح میں اسی کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو اور جس کی زکوٰۃ دیدی جائے وہ کنز نہیں ہے - حدیث شریف میں ہے -

عن ام سلمة قالت کنت البس اوضاحا فقلت یا رسول الله اکنز هو - فقال

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے - انہوں نے کہا میں کنگن پہنتی تھی تو میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا

ع سائمہ ان جانوروں کو کہتے ہیں جو سال کے اکثر حصے میں چراگاہ پر رہتے ہوں اور گھر میں ان کو کھانے کے لئے کچھ نہ دیا جاتا ہو اور مقصد ان سے سواری کرنا یا گوشت کھانا نہ ہو - بلکہ وہ یا ان کی نسل سے فائدہ اٹھاتا ہو -

ما بلغ ان تؤدی زکوٰتہ فلیس بکنز۔ (ابوداؤد)

یہ بھی کنز ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جو مال اس حد کو پہنچے کہ اسکی زکوٰۃ دینی چاہیے پھر اسکی زکوٰۃ دیجائے وہ کنز نہیں ہے۔

اس کے بعد زکوٰۃ کی دوسری قسم کھیتی اور درختوں کے پھلوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ

وممانص علیہ زکاۃ الزروع والثمار فی قولہ وھو الذی انشا جنات معروشات (الی قولہ) کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ (احکام القرآن للجصاص صفحہ ۱۲۹ ج ۳)

ان چیزوں میں سے جن کا نص خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ پیداوار اور پھلوں کی زکوٰۃ ہے اسکے لئے خدا کا یہ قول ہے وھو الذی انشا جنات معروشات الخ (الی قولہ) کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ

پوری آیت سورۃ انعام میں یوں ہے:-

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔

(انعام ع ۱۷ پ ۸)

اور وہ اللہ ہی کی ذات ہے۔ جس نے (طرح طرح کے درختوں کے) باغ پیدا کئے۔ ٹٹیوں پر چڑھی ہوئی (جیسے انگور کی بیلیں) اور بغیر اس کے (جیسے عام درخت) اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کے پھل مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ نیز زیتون اور انار کے درخت۔ صورت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور مختلف۔ سو (خدا کی اس پیداوار کے) پھل کھاؤ جب اسمیں پھل لگ جائیں اور جس دن فصل کاٹو تو اسکا حق زکوٰۃ ادا کرو۔ اور اسراف نہ کرو۔ خدا مسرف کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت کے مفہوم اور عموم کے متعلق علامہ جصاص رازی احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔

ذکر اللہ تعالیٰ الزرع والنخل والزیتون والرمان ثم قال کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ وھو عطف علی جمیع المذکور فاقتضی ذلک ایجاب الحق فی سائر الزروع

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کھیتی۔ کھجور۔ زیتون۔ انار کا ذکر کیا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ جب پھلدار ہوجائیں تو اس کے پھل کھاؤ۔ اور کاٹنے کے دن اسکا حق زکوٰۃ ادا کرو۔ نیز وہ معطوف ہے جمیع مذکور پر۔ لہٰذا اسکا اقتضا ہر قسم کی کھیتی اور ہر قسم کے پھل جو آیت میں مذکور ہیں زکوٰۃ واجب کرتا ہے۔

والثمار المذکورۃ فی الآیتہ

(صفحہ ۳ احکام القرآن)

زکوۃ کی تیسری قسم تجارتی مال کے متعلق قرآن مجید میں یہ آیت ہے۔

یاایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم (بقرہ ع ۳۶)	اپنی کمائی کی پاک اور عمدہ چیزوں میں سے انفاق کرو

صاحب معالم التنزیل اس آیت کی تفسیر میں ماکسبتم کی تفسیر تجارت اور صناعت سے کرتے ہیں۔

الزکوۃ واجبتہ فی مال التجارۃ عند اکثر اھل العلم فبعد الحول یقوم العرض فیخرج من قیمتھا ربع العشر اذا کان قیمتھا عشرین دینارا او مائتی درھم (صفحہ ۱۳۲)	اکثر اہل علم کے نزدیک تجارت کے مال میں زکوۃ واجب ہے۔ سال گذرنے کے بعد سامان تجارت کی قیمت لگائی جائیگی اور اس کی قیمت سے چالیسواں حصہ زکوۃ نکالا جائیگا۔ جبکہ اسکی قیمت بیس اشرفی یا دو سو درہم ہو۔

تفسیر مدارک میں ہے :۔

یاایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم من جیاد مکسوباتکم و فیہ دلیل وجوب الزکوۃ فی اموال التجارۃ	ایمان والو اپنی پاک کمائیوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو یعنی اپنے عمدہ مالوں میں سے۔ اور اس آیت میں اموال تجارت کے بارے میں وجوب زکوۃ پر دلیل ہے۔

حدیث میں یہ تصریح ہے :۔

عن سمرۃ بن جندب قال اما بعد فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی نعد للبیع	سمرہ بن جندب رض سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا بعد حمد و صلوۃ کے معلوم ہو کہ آنحضرت ہم کو حکم دیا کرتے تھے کہ ہم تجارتی مال کی زکوۃ ادا کیا کریں۔

(ابوداود باب العروض اذا کانت للتجارۃ ہل فیہا زکوۃ)

یہ حدیث اپنے مفہوم میں عام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے تجارتی مال پر زکوۃ فرض ہے۔
زکوۃ کی چوتھی قسم جانوروں کی زکوۃ کے متعلق حدیث شریف میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے۔

عن ابی ذر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من رجل یکون لہ ابل او بقر او غنم لا یودی حقہا الا اُتی بہا یوم القیمۃ اعظم ما یکون واسمنہ تطاؤہ باخفافہا وتنطحہ بقرونہا کلما جازت اخریہا ردت علیہ اولیہا حتی یقضی بین الناس (متفق علیہ)

حضرت ابو ذرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس کے پاس اونٹ، گائے، بکری ہو اور اس کے حق زکوٰۃ کو ادا نہیں کریگا تو وہ ان سب کے ساتھ قیامت کے دن لایا جائے گا۔ اور وہ سب اپنی حالت کے اعتبار سے زیادہ بڑی اور موٹی ہوں گی۔ وہ سب اسکو اپنے کھروں سے کچلیں گی اور اپنے سینگوں سے ماریں گی۔ جب پچھلی قطار گذرے گی تو پہلی قطار لوٹائی جائے گی یہاں تک کہ تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔

اس سے پہلے "عذاب منع زکوٰۃ" کے عنوان کے ماتحت بہ روایت صحیح مسلم حضرت ابو ہریرہؓ کی طویل حدیث جانوروں کے متعلق گذر چکی ہے۔ اور بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے بحرین والوں کو جو خط جانوروں کی زکوٰۃ کے متعلق لکھا تھا اس کی ابتدا ان الفاظ سے کی گئی تھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہذہ فریضۃ الصدقۃ التی فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المسلمین والتی امر اللہ بہا رسولہ الخ

ان چاروں قسموں میں سے ہر قسم پر بحث ہم الگ الگ باب میں کریں گے لیکن ان میں تین قسموں کے متعلق کچھ تفصیل کریں گے اور چوتھی قسم کے متعلق محض خانہ پری طور پر مختصر مسائل تکمیل ابواب کے نقطہ نظر سے لکھیں گے۔ کیونکہ ہندوستان میں عموماً اس طرح کے سائمہ جانور مسلمان نہیں رکھتے ہیں اور زکوٰۃ کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ چاہے وہ دار الاسلام میں ہوں یا دار الحرب میں۔

مسلمانان دار الحرب اور زکوٰۃ

فقہ کی کتابوں میں عموماً چاہے وہ عربی کی ہو یا اردو کی۔ ان کتابوں میں اس پر کوئی خصوصی بحث نہیں ہوتی ہے۔ کہ مسلمانان دار الحرب کے ساتھ عشر و زکوٰۃ کا تعلق کیا ہے اور اس کی کی وجہ سے بعض مذہب سے ناواقف حضرات کے افکار گراہی اس باب میں الجھ بہی نہیں، بلکہ

مضحکہ اور بے مائگی کا مرقع بھی ہوتے ہیں، جن کو سُن کر ان کے حال پر حسرت ہوتی ہے اور اپنی ذات پر ندامت ہوتی ہے کہ ان کی جہالت اور لاعلمی میں ہماری کوتاہی کا قصور بھی کم نہیں ہے۔ فقہ عربی کی بڑی بڑی ذمہ دار کتابیں عموماً اُس وقت لکھی گئیں جبکہ کسی نہ کسی شکل میں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ چاہے وہ صحیح معنوں میں اسلامی حکومت نہ رہی ہو لیکن آئینی طور پر پھر بھی اس کی وجہ سے ملک کو دارالاسلام کی حیثیت حاصل تھی۔ دارالحرب کی حیثیت نہ تھی۔ اس وجہ سے عموماً فقہ کے ہر باب میں مسائل اسی حیثیت سے مدون ہوتے رہے۔ اور اس میں وہ معذور تھے۔ اس لیے کہ ان کے ماحول کا مقتضا یہی تھا۔ ہاں اس بدبخت دور میں جبکہ دارالاسلام دارالحرب ہو گیا، ہمارا پہلا فریضہ تھا کہ ہم اس کمی کو پورا کرتے اور اردو میں اس پر کتابیں لکھتے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔

پورے ہندوستان میں امارت شرعیہ صوبہ بہار قابل صد تشکر ہے کہ اس نے ابتدا قیام ہی سے اس مسئلہ کی طرف توجہ کی۔ اور اس مسئلہ پر مختلف طرق سے روشنی ڈالی۔ جریدۂ امارت اور جریدۂ نقیب میں تحریری حیثیت سے اس مسئلہ کی اشاعت کی گئی۔ نیز مبلغین اور منتظمین کے ذریعہ تقریری حیثیت سے اس کی تبلیغ کی گئی اور مختلف چھوٹے چھوٹے رسائل بھی شائع کیے گئے۔

پھر بھی زبانی اطلاعات اور مبلغین امارت شرعیہ کی رپورٹوں سے برابر اس غلط فہمی کا پتہ چلتا رہتا ہے جو اس باب میں اب تک موجود ہے۔ ایسے بزرگ بھی آج کے دور میں ملتے ہیں جن کی غلط جسارت کا یہ حال ہے کہ وہ پوچھتے ہیں کہ کیا دارالحرب کے مسلمانوں کو زکوٰۃ سے تعلق ہو سکتا ہے، جبکہ نہ اسلامی سلطنت ہے، نہ اسلامی بیت المال ہے نیز ایسے مجتہد مفتی بھی ملتے ہیں جن کا فتویٰ یہ ہوتا ہے کہ ہندوستان چونکہ دارالحرب ہے لہٰذا یہاں کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست۔

دارالحرب اور زکوٰۃ

دارالحرب کے مسلمانوں کو زکوٰۃ سے کیا تعلق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "شرح السیر الکبیر سرخسی" میں جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہر روایت پر مبنی ہے۔ یہ تصریح ہے کہ

دار الحرب کے مسلمانوں پر ان کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر وہ ادا نہیں کرے گا تو گنہگار ہو گا۔

فان الزکوٰۃ تجب علیہ فی مالہ فی دار الحرب (الا تری) انہ یومر بالاداء ویصیر آثما اذا لم یود (صفحہ ۲۹۱ ج ۴)

بلا شبہ زکوٰۃ مسلمانوں کے مال میں دار الحرب میں بھی واجب ہے۔ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ اس کو ادائیگی زکوٰۃ کا حکم کیا جائیگا اور وہ ادا نہیں کریگا تو گنہگار ہوگا۔

اسکے علاوہ دار الحرب کے متعلق یہ بھی تصریح ہے کہ مسلمانوں کا امام جسطرح دار الحرب میں مسلمانوں پر زنا، چوری، ڈکیتی وغیرہ پر حد جاری نہیں کر سکتا ہے۔ مسلمانان دار الحرب سے زکوٰۃ بھی جبراً نہیں وصول کر سکتا ہے۔ لیکن دار الحرب کے مسلمانوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا جائیگا۔ اگر وہ زکوٰۃ نہیں ادا کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ جیسے نماز اور روزہ کے ترک پر گنہگار ہوں گے

ولان الزکوٰۃ حق اللہ تعالیٰ ففی موضع لا یجری فیہ حکم امام المسلمین ولا یاخذ بذلک کما لا یاخذ بسائر حقوق اللہ التی لزمہ فی دار الحرب نحو حد الزنا وحد السرقۃ وحد قطاع الطریق وحد الشرب الا ان المسلم یومر بان یودی زکوٰۃ مالہ فیما بینہ وبین ربہ ولا یجبر۔ وان لم یود فھو آثم لانہ حال الحول علی مال مسلم فیجب فیھا الزکوٰۃ ومتی وجب یومر بالاداء کالصلوٰۃ والصوم الخ

صفحہ ۲۹۰ ج ۴

زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے بس ایسی جگہ میں کہ وہاں مسلمانوں کے امام کا حکم جاری نہیں ہو۔ یعنی دار الاسلام نہ ہو۔ دار الاسلام کا امام دار الحرب کے مسلمانوں سے زکوٰۃ نہیں وصول کریگا جس طرح بقیہ جملہ حقوق خداوندی جو دار الحرب میں مسلمانوں پر لازم ہوتے ہیں اسکے بارے میں ان کو نہیں پکڑے گا۔ جیسے زنا کی حد۔ چوری کی حد۔ ڈاکہ کی حد۔ شراب کی حد۔ لیکن دار الحرب کے مسلمانوں کو حکم دیا جائیگا کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ عند اللہ ادا کریں لیکن جبر نہیں کیا جائیگا اگر وہ زکوٰۃ نہیں ادا کریگا تو گنہگار ہوگا کیونکہ مسلمان کے مال پر ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور جب واجب ہوئی تو نماز روزہ کی طرح ادائیگی زکوٰۃ کا بھی حکم دیا جائیگا۔

پھر دار الحرب میں مسلمانوں کے لئے صرف نماز اور روزہ اور زکوٰۃ ہی کے لئے قانون اسلامی کا لزوم نہیں ہے بلکہ ہر وہ معاملہ جس کا تعلق حکومت کافرہ سے نہ ہو بلکہ باہم مسلمانوں سے ہو مسلمان ان سب معاملات میں احکام اسلامی کا پابند ہوگا۔ اور اس طرح کی جزئیات کی

تصریح فقہ کی تمام ذمہ دار کتابوں میں ہے۔ شرح السیر الکبیر سرخسی میں ہے:۔

ولو کانا مسلمین فی دار الحرب بامان تعامل احدهما صاحبه فهذا وما لو كانت المعاملة بينهما في دار الاسلام على السواء لان المسلم ملتزم بحكم الاسلام حيث ما يكون الخ (صفحہ ۱۲۸ ج ۴)	اگر دو مسلمان دارالحرب میں امان سے ہوں اور اُن دونوں نے باہم کوئی معاملہ کیا ہو پس یہ معاملہ اور ہر وہ معاملہ جو ان دونوں کے درمیان دار السلام میں ہوا ہو۔ برابر ہے۔ اس لئے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں وہ اسلامی احکام کے پابند ہیں۔

بہرحال، نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور اس طرح کے تمام فرائض واجبات مسلمانوں پر بلا اختلاف ہر جگہ پر فرض و واجب ہیں، چاہے وہ دارالاسلام میں ہوں یا دارالحرب میں اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں نہ کسی اہل علم کا اختلاف ہے اور نہ اس پر بحث کی ضرورت ہے فقہی حیثیت سے یہ چند حوالے مبسوط اور شرح السیر الکبیر کی کافی ہیں جو امام محمد کی ظاہر روایت پر مبنی ہیں۔ اس کی فرضیت، اس کی اہمیت، اس کی ادائگی اور عدم ادائگی پر ثواب و عقاب، قرآن مجید اور حدیث شریف سے، جو اپنے مفہوم میں عام ہیں، شروع کتاب میں ہم ضروری تشریح کے ساتھ لکھ آئے ہیں اسلئے ہم بالقصد ان کا ذکر اس جگہ دوبارہ نہیں کرنا چاہتے۔ ناظرین زکوٰۃ کی فرضیت اور اہمیت کے مسئلہ کو شروع کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

دارالحرب اور عشر

عشر شریعت اسلام میں کیا چیز ہے؟ اس کی فرضیت کا کیا ثبوت ہے؟ کسطرح کی زمین عشری ہوتی ہے؟ کتنی مقدار میں عشر فرض ہے اور اس مقدار میں زکوٰۃ مفروضہ کتنی ہے؟ نیز اس کے متعلق دوسرے مسائل انواع زکوٰۃ کی دوسری قسم میں بیان ہوں گے۔ اس جگہ ہم فقط یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دارالحرب کی وہ زمین جس کے مالک مسلمان ہیں اس پر عشر واجب ہے یا نہیں؟

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الخراج" میں ایک فصل جو اسکے متعلق

لکھی ہے، اور اس میں خلیفہ وقت ہارون رشید کے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ دار الحرب کے مسلمانوں کی جان اور انکی زمینوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

قال ابو یوسف وسألت یا امیر المومنین عن قوم من اھل الحرب اسلموا علی انفسھم وارضیھم ما الحکم فی ذلک؟ فان دمائھم حرام وما اسلموا علیه من اموالھم فلھم وکذلک ارضوھم لھم وھی ارض عشر بمنزلة المدینة حیث اسلم اھلھا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وکانت ارضھم ارض عشر۔ وکذلک الطائف والبحرین (کتاب الخراج) ص۶۲

امام ابو یوسفؒ نے کہا اے امیر المومنین آپ نے دار الحرب میں رہنے والی اس قوم کے متعلق پوچھا ہے جو اپنی جان و مال کے ساتھ مسلمان ہو گئی کہ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (جواب یہ ہے) ان کا خون حرام ہے اور جو مال ان کے پاس اسلام قبول کرنے کے وقت تھا اس کے وہ مالک ہیں۔ اسی طرح اپنی زمین کے وہ مالک ہیں اور وہ زمین عشری ہو گی اور ان کا حکم بمنزلہ مدینہ منورہ کے ہو گا۔ جہاں کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لائے اور انکی زمین عشری میں تھی ویسے ہی طائف اور بحران کا حکم تھا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانان دار الحرب کی جان کا حکم شرعاً یہ ہے کہ ان کا خون یعنی شرعاً ان کی جان محترم ہے اور کسی مسلمان کے لئے کسی مسلمان کا خون بہانا حلال نہیں ہے۔ بلکہ حرام ہے۔ اور مسلمانان دار الحرب کے وہ کل اموال جو اسلام لانے کے وقت ان کے قبضہ میں تھے۔ شرعاً ان کا حکم یہ ہے کہ وہ سب کے سب ان کی ملک میں ہوں گے اور وہ انکے مالک ہوں گے۔ اور مسلمانان دار الحرب کی وہ کل زمینیں جو اسوقت ان کے پاس تھیں شرعاً ان کا حکم یہ ہے کہ وہ سب ان کی ملکیت میں رہیں گی اور وہ عشری ہوں گی۔

جیسا کہ مدینہ منورہ، وہاں کے لوگوں نے جب اسلام قبول کیا تو اسوقت مدینہ منورہ کی حیثیت دار الحرب کی تھی۔ مگر اسلام لانے کے بعد ان کی زمین عشری زمین تھی۔ اسی حکم میں طائف اور نجران بھی تھے۔

اسی کے بعد امام ابو یوسفؒ دوسری فصل میں جس کا عنوان حد ارض العشر من ارض الخراج ہے، کلی حکم کے طور پر لکھتے ہیں کہ تمام روئے زمین کے لئے چاہے وہ عرب ہو یا عجم، یہی حکم ہے کہ جب وہاں کے باشندے مسلمان ہو جائیں گے تو زمین

جو ان کے قبضہ میں اسوقت ہوگی وہ سب ان کی ملک ہوگی اور وہ سب زمین عشری ہوگی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

فکل ارض اسلم اھلھا علیھا وھی من ارض العرب او ارض العجم فھی لھم وھی ارض عشر بمنزلۃ المدینۃ حین اسلم علیھا اھلھا وبمنزلۃ الیمن (کتاب الخراج) صـ۶۳	ہر ایسی زمین کہ اس کے مالک نے اسلام قبول کرلیا ہو، چاہے وہ عرب کی زمین ہو یا عجم کی۔ وہ زمین عشری ہوگی۔ اور ان کا حکم، بمنزلہ مدینہ منورہ اور یمن کے ہوگا۔ جب کہ اس کے باشندے نے اسلام قبول کیا تھا۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں اس کی تعبیر ہے:۔

وارض العشر کل ارض اسلم علیھا اھلھا فھی ارض عشر (کتاب الخراج) صـ۷۰	(عشری زمین) عرب و عجم میں سے جس زمین کے باشندوں نے اسلام قبول کرلیا تو وہ زمین جو ان کے قبضہ میں ہے وہ سب زمین عشری ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کے ہمعصر یحییٰ بن آدم قرشیؒ ہیں۔ ان کی بھی ایک کتاب کا نام کتاب الخراج ہے اس مسئلہ کے متعلق ان کا بھی فتویٰ یہی ہے۔

کل من اسلم من خلق اللہ قبل القتال فھم احرار مسلمون و ارضوھم ارض عشر لانھم اسلموا قبل ان یظھر علیھم المسلمون وقبل ان یجری علیھم الخراج	جہاد سے پہلے اللہ کی مخلوق میں سے جو شخص بھی اسلام قبول کریگا تو وہ آزاد مسلمان ہوں گے اور ان کی زمین عشری زمین ہوگی۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے قبل اس کے کہ مسلمان ان پر غالب ہوں اور قبل اس کے کہ ان پر خراج کا حکم نافذ ہو اسلام قبول کیا ہے۔

کتاب الخراج یحییٰ ابن آدم صـ۲۸

حاصل یہ ہے کہ دار الحرب کے مسلمانوں کی زمین عشری ہوگی۔ یہی حکم شرعی ہے ہاں دار الحرب کی وہ زمین جسکا تعلق نہ تو مسلمانوں سے ہے اور نہ اسلامی حکومت سے ہے۔ تو وہ زمین شرعاً نہ عشری ہوگی نہ خراجی ہوگی۔ کیونکہ اسلامی شریعت کے اصول پر ابتداءً زمین کے خراجی ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ امام کسی شہر کو اپنی طاقت سے فتح کرے اور اس پر غالب ہوجائے۔ لیکن وہاں کی زمین کو وہاں کے کافروں کے ملک میں چھوڑ دے اور اس پر خراج مقرر کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس ملک کے باشندے

بغیر جنگ کے امام المسلمین سے صلح کرلیں اور اطاعت قبول کرلیں تو انکی زمین ان کی ملک رہیگی اور ان کی زمین خراجی ہو گی۔ اور اس پر امام خراج مقرر کریگا۔ ہاں امام اگر کسی ملک کو بزور شمشیر فتح کر کے وہاں کی زمین کو فاتح مسلمانوں پر تقسیم کردے تو وہ زمین عشری ہو جائے گی۔

امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں۔

ایما دار من دور الاعاجم قد ظهر علیها الامام وترکها فی ایدی اهلها فهی ارض خراج وان قسمها بین الذین غنموها فهی ارض عشر الا تری ان عمر ابن الخطابؓ ظهر علی ارض الاعاجم وترکها فی ایدیهم فهی ارض خراج۔ وکل ارض من اراضی الاعاجم صالح علیها اهلها وصاروا ذمیة فهی ارض خراج (کتاب الخراج) ص ۶۲

عجمیوں کے ملکوں میں سے جو ملک بھی ایسا ہو کہ امام کا اس پر غلبہ ہو گیا اور امام نے اسکو انہیں لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا تو وہ زمین خراجی ہو گی اور اگر امام نے اسکو فاتحین کے درمیان تقسیم کردیا تو وہ زمین عشری ہو گی کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عجمیوں کی زمین پر غالب ہوئے اور اسکو ان ہی لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا۔ وہ زمین خراجی ہے اور ہر وہ زمین عجمیوں کی جس پر ان کے مالکوں سے مصالحت ہو گئی اور وہ لوگ ذمی بن گئے۔ بس وہ بھی خراجی ہے۔

بہرحال کسی زمین کے ابتداءً شرعی حیثیت سے خراجی ہونے کے لئے شریعت اسلامی میں جو اصول ہے وہ یہ ہے کہ بادشاہ اسلام (امام المسلمین) کا اس سے ان دونوں مذکورہ صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا تعلق ہو اور جب تک یہ تعلق نہیں ہوگا دارالحرب کی زمین خراجی نہیں ہو گی بموجودہ حالت میں شرعًا یہاں کی کسی زمین پر خراج شرعی نہیں ہے۔ کیونکہ خراج شرعی دارالاسلام کے رہنے والوں کے ساتھ مختص ہے۔ شرح السیر الکبیر میں ہے۔

ان خراج الارض لا یجب الا علی من هو من اهل دارنا لانه حکم من احکام المسلمین وحکم المسلمین لا یجری الا علی من هو من دار الاسلام (شرح السیر الکبیر) ص ۳۸

زمین کا خراج نہیں واجب ہوتا ہے۔ لیکن اسی شخص پر جو دارالاسلام کا رہنے والا ہو۔ اسلئے کہ مسلمانوں کے احکام میں سے یہ حکم ہے۔ اور مسلمانوں کا حکم نہیں جاری ہوتا ہے لیکن اسی شخص پر جو دارالاسلام میں ہو۔

پس مالگذاری کی شکل میں جو کچھ حکومت وقت لے رہی ہے اسکو شرعی خراج نہیں کہا جاسکتا ہے

اس لئے یہاں شرعی حیثیت سے اسوقت عشر وخراج کا اجتماع کسی جگہ نہیں ہے۔ اسلئے میں اس کتاب میں "الخراج والعشر لا یجتمعان" کے مسئلہ پر بحث نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہاں شرعاً زمین کی حیثیت عشری تو ہے لیکن شرعاً خراجی نہیں ہے جسکا ادا کرنا امام کو واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح دار الحرب کی زمین کے ساتھ مسلمانوں کا یا مسلمانوں کے بادشاہ کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ تو دار الحرب کی زمین شرعاً عشری بھی نہیں ہوگی بعض کتب فقہ

عے اور عشر جس خراج کے ساتھ جمع نہیں ہوتی ہے۔ وہ شرعی خراج ہے۔ حضرت مولانا عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی جلد دوم میں جو یہ لکھا ہے کہ :۔

"جو شخص اپنی زمین میں زراعت کرے۔ اس پر ادا کرنا۔ اور مصارف زکوٰۃ میں صرف کرنا دسواں حصہ غلہ کا واجب ہے۔ اگر زراعت بذریعہ پانی برسات یا نہروں غیرہ کے ہو۔ اور اگر کنویں سے پانی نکلوا کے اور خرچ کر کے زراعت کی ہو تو بیسواں حصہ واجب ہے۔ لیکن جس صورت میں کہ خراج اس زمین کا حاکم وقت کو دینا پڑتا ہو۔ اس وقت ادائے عشر وغیرہ ساقط ہے۔ جیسا کہ رد المحتار وغیرہ میں ہے لا یجتمع العشر مع الخراج انتہی (ص ۳۲۰ ج ۲)

اس خراج سے مراد خراج شرعی ہے۔ یعنی کسی کے پاس ایسی زمین ہو کہ اس پر خراج شاہی وقت سے چلا آتا ہو۔ اور اب جو وہ وقت میں وہ خراج حاکم وقت کو ادا کرتا ہو۔ تو اس پر عشر لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ مولانا رحمۃ اللہ نے جس جزئی کو استدلال میں پیش کیا ہے اس میں خراج سے خراج شرعی مراد ہے۔ خراج انگریزی نہیں ۱۲

عے اس سے "شامی" کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہے۔ فان اس ضہالیست ارض خراج او عشر (باب الزکوٰۃ) شامی کا یہ مجمل قول بلا سند مذکور ہے۔ نہ تو کسی امام کی طرف منسوب ہے، نہ اس کی کوئی دلیل بیان کی گئی ہے۔ نہ کسی دوسری کتب فقہ میں اس طرح کی عبارت میری نظر سے گذری ہے۔ اس لئے یہ قول نہ لائق اعتبار ہے' نہ قابل استناد۔ نہ لائق فتوی ہے۔ ایسی حالت میں شامی کے اس مجمل قول کو اسی پر حمل کیا جائیگا کہ دار الحرب کی وہ زمین مراد ہے جو حربی کے قبضہ میں ہوں۔ تاکہ شرح السیر الکبیر سرخسی کے موافق بھی ہو جائے جو ظاہر روایت پر مبنی ہے اور کتاب الخراج امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف بھی نہ رہے۔

"عبد الصمد رحمانی"

میں جو اس مضمون کی عبارت ہے کہ دار الحرب کی زمین نہ عشری ہوتی ہے نہ خراجی۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ دار الحرب کی وہ زمین جو حربی کے قبضہ میں ہوں اور ان کی ملک میں ہوں وہ نہ عشری ہوں گی۔ نہ خراجی۔ یہ معنی کہ مطلقاً دار الحرب کی زمین چاہے وہ مسلمانوں کی ملک میں ہوں۔ یا اہل دار الحرب یعنی کفار کی ملک میں ہوں۔ وہ عشری نہیں ہوگی۔ تو یہ کتاب الخراج امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح مذکور کی بناء پر کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ شرح السیر الکبیر سرخسی میں دار الحرب کی اس زمین کے متعلق جو اہل حرب کی ہو، یہ تصریح صاف لفظوں میں بغیر ابہام و اجمال کے مذکور ہے۔

(ولا عشر ولا خراج) لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب و اراضی اھل الحرب لیست بعشریۃ ولا خراجیۃ (ص ۲۰۳ ج ۴)	(اس میں نہ عشر ہوگا نہ خراج) اس لئے کہ عشر و خراج مسلمانوں کی زمین پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمین اہل حرب کی ہے۔ (یعنی اس کافر کی ہے جو دار الحرب میں رہتا ہے) اور اہل حرب کی زمین نہ عشری ہوتی ہے نہ خراجی۔

حاصل بحث

مسلمانوں پر زکوٰۃ اور عشر کے مسئلہ میں دار الحرب اور دار الاسلام کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ وہ ہر جگہ جہاں کہیں بھی ہوں نماز، روزہ، حج وغیرہ کیطرح زکوٰۃ کے بھی مکلف ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ میں جسطرح دار الاسلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے اس واقعہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ جو زیر عنوان "مانعین زکوٰۃ کے لئے دنیا میں تعزیری حکم قتال ص ۴۵ میں گذر چکا ہے۔

اسی طرح نماز۔ زکوٰۃ۔ میں دار الحرب میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ جیسا کہ شرح "السیر الکبیر" کی تصریحات اور قرآن و حدیث کے عموم سے معلوم ہو چکا ہے۔

ہندوستان کی زمین کا حکم

دار الحرب کے رہنے والے مسلمانوں کے لئے زکوٰۃ و عشر کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد یہ مسئلہ بھی خود بخود ہر شخص کے سامنے آجانا چاہیئے۔ کہ ہندوستان جو دار الحرب ہے۔

یہاں کے مسلمانوں پر زکوٰۃ و عشر کی حیثیت سے کیا فریضہ ہے۔ اس باب میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر بھی زمینیں عشری ہیں۔

اس لئے کہ مسلمانوں نے اس ملک کو بزور شمشیر فتح کیا۔ فاتحین کو زمین دیگئی۔ یا غیر مزروعہ زمین کو مسلمانوں نے آباد کیا۔ یعنی سلطانی زمینوں میں سے مسلمانوں کو دی گئیں۔ اور یہ سب صورتیں زمین کی عشری ہونے کی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ اسلامی حملہ کے وقت بعض گاؤں کے لوگ قبل ہی اپنی خوشی سے مشرف باسلام ہوئے ہوں۔ اس لئے وہاں کی زمین بھی عشری ہوگی۔ اور سلطان اسلام کے عہد میں عشر کے وصول کرنے کا بھی ثبوت[ع] ہے۔ بلکہ ہمارے صوبہ بہار میں تو اس عہد انگریزی

ع چنانچہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان سے جو ۱۰۹۰ھ میں محمد ہاشم صوبہ دار کے نام جاری ہوا تھا۔ عشری زمین کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ فرمان اس وقت بعینہٖ "برلن" کی شاہی لائبریری میں محفوظ ہے۔ جسکی نقل پروفیسر جادو ناتھ سرکار ایم۔ اے نے وہاں سے لیکر جنرل اینڈ پروسیڈنگ آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جلد ۲ نمبر ۶ جون ۱۹۰۶ء میں شائع کیا ہے اور تاریخ "مرات احمدی" میں اس فرمان کا مسودہ مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔

اس کی دفعہ چہارم میں افتادہ زمین کے متعلق، اگر اس کو مسلمانوں کے ساتھ بندوبست کیا جائے، یہ حکم مذکور ہے:۔

"و زمین مذکور قریب اراضی عشری بود۔ بر او عشر مقرر نمایند" الخ

پھر عشری زمین پر عشر کا تقرر یہ عہد عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی (متع اللہ المسلمین بطول بقائہ) کے ذیل کے ذمہ دارانہ بیان پر کہ:۔

ہندوستان میں جب اسلامی حکومتیں قائم تھیں تو چند بادشاہوں کو چھوڑ کر اکثر زمانوں میں اسلامی محاصل "اسلامی قوانین" کے مطابق لئے جاتے تھے۔ اکبر کے بعد جب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۸۰ھ میں اسلامی نظام مال "و بیت المال" کو قائم کیا۔ اور اسلامی نظام کے مطابق اسلامی طریق محاصل کو رواج دیا۔ تو جسطرح ہندوؤں پر جزیہ اور خراج قائم کرکے محصلین جزیہ و خراج کو مقرر کیا۔ اسی طرح مسلمانوں سے زکوٰۃ اور عشر کے وصول کرنے کیلئے محصل مقرر فرمائے۔ مقدمہ ص ۱۲

([illegible])

میں کبھی سروے سے پہلے عشر کے رواج کا ثبوت ملتا ہے۔ اگرچہ ناواقفیت کی وجہ سے لوگ اس کو عشر نہیں سمجھتے تھے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم نے دیکھا کہ زمیندار کاشتکاروں سے بٹائی کے کھیت میں ایک مقدار "دھیک" کے نام سے وصول کرتے تھے۔ مگر وہ لوگ نادانی سے اسکو زمینداری کا حق سمجھتے تھے اور اپنے مصرف میں لاتے تھے۔ حالانکہ "دھیک" ٹھیک لفظی ترجمہ عشر کا ہے۔ چونکہ ہندوستان کے سلاطین مغلیہ نے

(بقیہ حاشیہ ماسبق) یہ صاف ظاہر ہے کہ اکثر مسلمان بادشاہوں کے عہد میں عشر کی تحصیل ہوتی تھی۔ یعنی عشری زمینیں تھیں۔ بہر خصوصیت سے صوبہ بہار میں "دھیک" کا عام رواج اسکی کھلی دلیل ہے۔ کہ سلاطین مغلیہ کے عہد میں صوبہ بہار میں ہر جگہ عشر کی وصولی ہوتی تھی جس کے معنی ہیں کہ صوبہ بہار میں ہر جگہ عشری زمینیں تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے بعض علاقہ میں عشری زمین نہ ہو۔ جیساکہ اپنے دیار کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے مالابد منہ میں عشری زمین کے متعلق لکھا ہے کہ "دریں دیار نیست"

لہذا تمامی ہند کے لئے عموماً اور صوبہ بہار کے لئے خصوصاً۔ کہنا تاریخی حیثیت سے بالکل صحیح نہیں ہے کہ اراضی الهند لیست بعشریة ولا خراجیة بل اراضی الحوزة ای اراضی بیت المال المملکة کما ذکر مولنا محمد علی تھانوی فی رسالتہ پھر ہندوستان کے زمینوں کے بارے میں "اراضی حوزہ" کا دعا اس لئے بھی صحیح نہیں ہوگا کہ اس کی بنیاد صرف احتمال پر ہے۔ حالانکہ فقہی اصول کی بنا پر "ظاہر" کے مقابلہ میں بغیر دلیل شرعی کے احتمال کوئی حجت نہیں ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر ملک ظاہر بیبرس نے جب اراضی مصر کے متعلق اراضی حوزہ ہونے کا احتمال پیش کیا اور اس طرح تمام زمین پر قبضہ کرنا چاہا تو علماء نے سخت شناعت کی اور اس کا رد کیا۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے خلاف میں "اجماع" نقل کیا۔ علامہ ابن عابدین نے "شامی" میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

وسبقه الی ذلك الملك الظاهر	اس بات کی طرف ملک ظاہر بیبرس نے اقدام کیا اور
بیبرس فانه اراد مطالبة	اپنے زمین والوں سے ایسے وثائق کے مطالبہ کا ارادہ
ذوی العقارات بمستندات	کیا جو ان کے لئے زمین کی ملکیت کی شہادت بہم پہنچائیں
تشهد لهم بالملك والا انتزعها	ورنہ ان کی زمین ان کے ہاتھوں سے نکال لی جائے گی۔

تمام مصطلحات کو فارسی میں رکھا تھا۔ اس لئے عشر کا ترجمہ "دھیک" کر دیا گیا اور وہ زمیندار کی معرفت وصول ہوتا رہا۔ اسلامی حکومت کے بعد اصل حقیقت سے لوگ غافل ہو گئے اور اس کو غلط طور پر استعمال کرنے لگے۔ مرہٹے کے زمانہ میں اس کو ناجائز ابواب سمجھ کر رعایا نے ساقط کر دیا۔ اور بہت ممکن ہے کہ اکثر علاقوں میں سرے

من ایدیھم متعللا بما تعلل بہ ذلک الظالم فقام علیہ شیخ الاسلام الامام النووی اعلمہ بان ذلک غایۃ الجھل والعناد وانہ لا یحل عند احد علماء المسلمین بل من فی یدہ شیٔ فھو ملکہ لا یحل لاحد الاعتراض علیہ ولا یکلف اثباتہ ولا زال النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ یشنع علی السلطان ویعظہ الی ان کف عن ذلک فھذا الحبر الذی اتفقت علماء المذاھب علی قبول نقلہ واعتراف بتحقیقہ وفضلہ۔ نقل اجماع العلماء علی عدم المطالبۃ بمستندھم عملا بالید الظاھر فیھا انھا وضعت بحق اللہ (صفحہ ۲۸۰ ج ۳)

اس ارادہ پر شیخ الاسلام امام نووی اس کے مقابلہ میں آئے اور اس کو تبلایا کہ یہ اس کی انتہا درجہ کی جہالت اور عناد ہے۔ اور علماء مسلمین میں سے کسی ایک عالم کے نزدیک یہ حلال نہیں ہے۔ بلکہ جس شخص کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ اس کی ملک ہے اور کسی شخص کے لئے اس پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ اس کو دلیل سے ثابت کرنے کی تکلیف دی جائیگی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ سلطان پر شناعت کرتے رہے اور اس کو نصیحت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے رک گیا۔ پس یہ علامہ (امام نووی) جن کی نقل کے قبول پر تمام علماء مذاہب کا اتفاق ہے اور ان کی تحقیق و فضل کا اعتراف ہے۔ بمقابلہ "ید ظاہر" کے وثائق کے عدم مطالبہ پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ یعنی اس کا ظاہری قبضہ اس کے قبضہ کی صحت کے لئے کافی سمجھا جائے گا۔

✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧

بہر حال حنفی فیصلہ بھی یہی ہے۔ علامہ ممدوح لکھتے ہیں:۔

والحاصل فی الاراضی الشامیۃ والمصریۃ ونحوھا ان ما علم منھا کونہ لبیت المال بوجہ شرعی

حاصل یہ ہے کہ شام۔ مصر یا اس کے مثل دوسرے مقامات کی اراضی میں جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ شرعی طریقہ سے بیت المال کی ملک ہے۔ تو اس کا حکم وہ ہے

سے بہت پہلے یہ چیز چھوٹ گئی ہو. بہرحال عشری زمین کے وجود اور تحقیق میں کوئی شک نہیں ہے. جو لوگ عشری کے وجود سے انکار کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں. ہاں یہ ضرور ہے کہ کچھ زمین خراجی بھی ہے. اور یہ وہ زمین ہے جس پر خراج مقرر کر کے کفار کو مالکانہ قابض رہنے دیا گیا ہو یعنی تغیرات سے عشری زمین خراجی ہو جاتی ہے. اور بعض دوسرے تغیرات سے

لحکمه ماذکر کالاستاسراح عن الفتح — جو شارح نے "فتح" سے نقل کیا ہے. اور

ومالم یعلم فهو ملك لاربابه الخ — جس کے متعلق علم نہ ہو تو وہ ان کے مالکوں کی ملک ہے۔

(شامی صفحہ ۲۸۰ ج ۳)

موجودہ ہندوستان کی زمینوں کے متعلق "اراضی حوزہ" کے ادعا کی بنیاد چونکہ صرف احتمال پر ہے اور شرعی اصول پر اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہندوستان کی زمینوں کی حیثیت ابتدا سے ایسی ہی اراضی حوزہ کی تھی لہذا یہ بیت المال کی ملکیت نہیں ہوں گی. بلکہ جس کے ہاتھ میں زمین اس وقت ہے وہی اس کے مالک ہیں. عام ازیں کہ وہ عشری ہوں یا خراجی ہوں. حضرت شیخ جلال تھانیسری قدس اللہ سرہ سے فتاوی عزیزیہ میں جو یہ منقول ہے کہ ابتدا فتح میں ہندوستان کی زمین "سواد عراق" کی طرح بیت المال کی ملک تھی اس کی حیثیت موقوفہ ہونے کی تھی تو یہ حنفیہ کا مسلک نہیں ہے بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے. حنفیہ کے نزدیک "سواد عراق" کی کل زمین جو عہد فاروقی رضؓ میں مفتوح ہوئیں وہ وہاں کے کاشتکاروں کی ملک تھیں. لہذا ابتدا فتح میں ہندوستان کی زمین کی حالت جیسا کہ حضرت شیخ قدس سرہ سے منقول ہے "سواد عراق" کی حالت تھی تو حنفی مسلک پر بلا اختلاف ہندوستان کی زمین کاشتکاروں کی ملک ہوگی. بیت المال کی ملکیت اور موقوفہ نہیں ہوگی. عام ازیں کہ عشری ہوں۔ یا خراجی ہوں. میرے سامنے حضرت شیخ قدس سرہ کا اصل رسالہ نہیں ہے، جس سے معلوم ہو سکے. حنفیہ کے مسلک کا یا شافعیہ کے مسلک کا بیان حضرت شیخ قدس سرہ کی تحریر میں ہے۔ حنفیہ کا "سواد عراق" کے متعلق تمام ذمہ دار کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ "سواد عراق" کی زمین وہاں کے کاشتکاروں کی ملکیت میں تھیں. مثلاً کتاب الخراج میں ہے:۔

وایما ارض افتتحها الامام عنوة فقسمها بین الذی افتتحوها فان رای ذلك افضل فهو فی سعة — امام نے جس ملک کو قہراً فتح کیا، اور اس کو فاتحین پر تقسیم کر دیا. تو اگر امام اس کو بہتر سمجھتا ہے تو اس کی ایسا کرنے کی گنجائش ہے. بعد وہ زمین عشری زمین ہوگی اور اگر اس کو

خراجی زمین عشری ہو جاتی ہے۔ بلکہ جو نہ عشری ہے اور نہ خراجی وہ بھی عشری ہو جاتی ہے اس لئے جو زمین اسوقت مسلمانوں کے قبضہ اور تصرف میں ہے اس کے متعلق قطعاً یہ فیصلہ کرنا کہ یہ صرف خراجی ہے عشری نہیں ہے سخت غلطی ہے۔ کیونکہ تمام ان اصولوں کو جو آئین اسلامی میں بیان کئے گئے۔ سب کو سامنے رکھ کر۔ اگر مسلمانوں کی زمینوں پر غور کیا جائے تو حسب ذیل

(بقیہ حاشیہ ص) من ذلك وهي ارض عشر. وان لم يقسمها ورأى الصلاح في اقرارها في ايدي اهلها كما فعل عمر بن الخطاب رضي الله عنه في السواد فله ذلك وهي ارض خراج وليس له ان يأخذها بعد ذلك منهم، وهي ملك لهم يتوارثونها ويتبايعونها. ويضع عليهم الخراج ولا يكلفوا من ذلك ما لا يطيقون.

اگر اس کو تقسیم نہیں کیا۔ اور مصلحت اسی میں سمجھا کر وہ اپنے مالکوں کے قبضہ میں رہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سواد عراق میں کیا۔ تو اس کے لئے یہ جائز ہے اور وہ زمین خراجی ہوگی۔ اور امام کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ اس کے بعد ان سے لے۔ اور وہ زمین ان کی ملک ہوگی۔ وہ لوگ اس کو بیع کریں گے اور اس کے وارث ہوں گے اور ان پر خراج مقرر کیا جائیگا۔ اور ان کی برداشت سے باہر ان پر بوجھ نہیں رکھا جائیگا۔

(کتاب الخراج لامام ابی یوسف ص ۷۵)

❊ ❊ ❊ ❊

ردالمحتار میں کتاب الخراج کی اسی تصریح کی بناء پر یہ مذکور ہے۔

فان المسلمين افتتحوا ارض العراق والشام ومصر لم يقسموا شيئاً من ذلك. بل وضع عمر رضـ عليها الخراج (ص ۳۹۳ ج ۳)

مسلمانوں نے عراق، شام۔ اور مصر کی زمینوں کو فتح کیا۔ اور ان میں سے کچھ بھی تقسیم نہیں کیا بلکہ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خراج مقرر کیا۔

پھر اسی تحریر میں جو حضرت شیخ سے منقول ہے یہ بھی ارشاد ہے کہ:۔

ہر قطعہ کہ پادشاہ وقت بطریق تابید حقیقی یا حکمی بکسے بخشد ملک او شد۔

یعنی ہندوستان کی وہ زمینیں جو بادشاہ وقت سے کسی کو ملی ہیں وہ اس کی ملک ہوں گی بیت المال کی ملکیت نہیں ہوگی۔

صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) بادشاہان اسلام کے وقت سے موروثی ہیں۔

(۲) بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

(۳) موروثی زمینیں ہیں۔ مگر شاہی وقت سے نہیں۔ مگر یہ بھی معلوم نہیں کہ کیونکر قبضہ میں آ گئی ہیں۔

(۴) جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں۔ یا بطریق ہبہ۔ یا بذریعہ وصیت ان کو ملی ہیں۔ اور جس نے فروخت کیا۔ یا ہبہ کیا۔ یا وصیت کی اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی۔ اسی طرح برابر سلسلہ جاری رہا ہے۔

(۵) جو زمین مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آئی ہے۔ اور اوپر جا کر یہ معلوم ہوا۔ کہ بادشاہ اسلام نے دی تھی۔

(۶) مسلمانوں کے قبضہ میں وراثۃً یا خرید و فروخت کے ذریعہ سے ہے۔ لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں کہ پہلے کے لوگوں نے کس طرح حاصل کیا تھا۔

(۷) انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے کسی مسلمان کی ملکیت تھی۔

(۸) انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطریق معافی زمین دی۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔

(۹) مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے۔ یا آسمانی و دریائی پانی۔ یا اپنے کنوئیں سے سیراب ہوتی ہے۔

(۱۰) مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکانات کو مزروعہ بنایا۔ اور اسکی سیرابی عشری پانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱) پھر اسی تحریر میں ان زمینوں کے متعلق جو اس وقت کاشتکاروں کے ہاتھ میں ہیں اس کے متعلق حضرت شیخ قدس سرہ کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے متعلق حضرت شیخ قدس سرہ نے شبہ کا اظہار فرمایا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "اگلوں نے کس طرح پر عطا کیا ہے۔ اس میں "ظنون کا تعارض" ہے۔

بہر حال در زمین اینجا نیز شبہ است۔ و در وجہ اعطاء پیشینیاں نیز تعارض ظنون۔

و در ایسی صورت میں حضرت امام نووی کے منقولہ اجماع کی بنا پر "ید ظاہر" کا اعتبار ہوگا۔ اور یہی حنفیہ کا ...

[illegible]

سے ہوئی یا بنا بر قول بعض کسی پانی سے سیراب ہوئی ہو۔

(۱۱) مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدی ہے۔ لیکن بیچنے والے نے غیر مسلم سے خرید کیا تھا۔

(۱۲) مسلمانوں نے غیر مسلم سے خرید کیا ہے۔

(۱۳) انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو وہ زمین بطور معافی دی۔ جو کسی غیر مسلم کی ملکیت تھی

ان تیرہ صورتوں میں پہلی دس صورتوں میں سب زمین عشری۔ اور اس میں حسب قاعدہ دسواں حصہ یا بیسواں حصہ پیداوار کا واجب ہے۔ کیونکہ ان تمام صورتوں میں خراجی ہونے کی کوئی علت پائی نہیں جاتی ہے۔ اور صرف تین صورتیں ایسی ہیں کہ حسب میں فقہائے حنفیہ کے اصول سے وہ زمین خراجی ہے یعنی پادشاہ اسلام اگر ہوتا تو وہ تو مسلمانوں سے اس زمین کا خراج وصول کرتا۔ لیکن ان تمام تفصیلات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی زمین کے خراجی ہونے کی بہت کم صورتیں ہیں۔ اور ان کی تحقیق بھی نہایت مشکل ہے اسلئے ظاہر حال کا لحاظ کر کے مسلمانوں کو احتیاط کے مسلک پر تمام زمینوں کی پیداوار میں عشر نکالنا چاہئے۔ یہاں پر دو نہایت معتبر فتوے ہم نقل کرتے ہیں۔ جن سے ہمارے تمام بیانات کی تصدیق ہوگی۔ رسالہ علم الفقہ میں مولانا عبدالشکور صاحب نے یہ دونوں فتوے لکھے ہیں کہ ہندوستان کی زمین کے عشری ہونے کے متعلق علماء ہند کی خدمت میں ہم نے خطوط لکھے۔ مگر جواب صرف دو جگہ سے آیا۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا۔ اور دوسرا دارالعلوم دیوبند کا۔ سوال کی عبارت یہ تھی۔

استفتاء

حامداً و مصلیاً و مسلماً

کیا فرماتے ہیں علماء حنفیہ کہ ہندوستان کی زمینوں پر عشر ہے یا نہیں؟

؎ مسلمانوں پر بحیثیت مسلمان کے عشر کا لزوم ہوتا ہے۔ اور اس پر ابتداءً خراج کا تقرر ممنوع ہے لیکن ایسی صورت میں اگر وہ اپنے اختیار سے خراج قبول کرے۔ خراج کا لزوم ہوگا۔ اسی بنا پر آخر کی یہ تینوں صورتیں خراجی ہیں۔ شامی میں ہے۔ ان الممنوع وضع الخراج ابتداءً اجبراً۔ اما باختیارہ فیجوز۔ (باب العشر ص ۶۴ ج ۲)

قرآن مجید میں تو "واتوا حقہ یوم حصادہ" مطلق ہے۔ کسی مقام کی قید نہیں اسی طرح احادیث میں بھی جہاں عشر کا حکم دیا گیا ہے۔ کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔

جواب حضرت مولنا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

جو زمین عشری ہے اس پر عشر واجب ہے۔ اور جو خراجی ہے اس پر خراج واجب ہے۔ جو زمین مسلمانوں کے پاس سے آئی ہے وہ عشری ہے۔ اور جس کا حال معلوم نہ ہوا۔ اور مسلمانوں کے پاس ہو۔ وہ بھی بظاہر حال عشری سمجھی جائے گی۔ اور جو زمین عشری ہو اس کا عشر فقرا کو دینا چاہیئے۔ اور جو خراجی ہو اس کا خراج سرکاری محصول میں محسوب ہو جائیگا۔ مستقل اور خراج دینے کی حاجت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مہر)

جواب دار العلوم دیوبند

ہندوستان کی زمین جو مملوک اہل اسلام ہے۔ اس پر عشر واجب ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ اہل اسلام پر عشر واجب ہوتا ہے۔ اور کفار پر خراج۔

احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمان اگر کافر سے زمین خراجی خریدے۔ تو وہ خراجی ہی رہتی ہے۔ مگر ابتداءً اہل اسلام پر خراج لازم نہیں ہوتا۔ بلکہ عشر لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ عشر میں معنی عبادت کے ہیں اور وہ زکوٰۃ ارض ہے۔ لہذا محل اسکے اہل اسلام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس ملک کو بادشاہ اسلام فتح کرے۔ غانمین اور غیر غانمین مسلمین کو تقسیم کر دیوے۔ یا وہاں کے رہنے والے مسلمان ہو جائیں۔ اور وہ اراضی انہی کو دیجائے تو سب عشری ہیں۔ پس ہندوستان کی زمینیں ان دو امور سے خالی نہیں یا مالک ان کے مسلمان ہو گئے۔ اور وہ اراضی ان کے پاس چھوڑ دی گئی یا عطایائے سلطانی ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً بادشاہ اسلام نے ان کو دیئے۔ ان دو قسموں پر عشر واجب ہے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ بعض اراضی جو اول سے کفار کے پاس چھوڑ دی گئی ہو۔ اور ان پر خراج مقرر کیا گیا ہو۔ اور کسی طرح اہل اسلام کے پاس آگئی ہوں۔

تو وہ بھی خراجی ہی رہیں گی۔ مگر چونکہ یہ امر مشخص اور ممیز ہونا دشوار ہے۔ ونیز شاذ ونادر ہے۔ بلکہ اکثر مسلمانوں کے پاس اس وقت وہی اراضی ہیں جو انکے اباو اجداد کو بادشاہ اسلام نے دی تھیں۔ یا انہوں نے مسلمانوں سے خریدی ہیں۔ یا سرکار انگلشیہ نے بعض اہل اسلام کی اراضی بعض کو دی ہیں۔ اس لیئے ان جملہ اقسام میں عشر واجب ہے۔ اور شاذ ونادر کو معدوم سمجھ کر جمیع اراضی مملوکہ اہل اسلام کو عشری کہا جائیگا۔ اور محصول سرکاری سے جو اس وقت دیا جاتا ہے، عشر ساقط نہ ہوگا۔ قال فی الدر المختار وما اسلم اھلہ طوعا۔ او فتح عنوۃ وقسم بین جیشنا عشریۃ۔ فھی عشریۃ لانہ الیق بالمسلم فقط واللہ اعلم

(مہر)

مولانا رشید احمد صاحب کے جواب میں ہندوستان کے اندر عشری زمین ہونے اور ان پر عشر واجب ہونے کا بیان ہے۔ اور یہ کہ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ اور وہ مسلمانوں کے پاس سے آئی ہیں۔ یا ان کا حال معلوم نہ ہو اس کو وہ عشری فرماتے ہیں۔ اور عشر کو واجب کہتے ہیں۔ تو وہ ایک اصول کا بیان ہے۔ لیکن دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ نے حکم بہت واضح شاہ دیا ہے۔ مسلمانوں کی زمینوں کا خراجی ہونا۔ مشکوک یا شاذ ونادر ہے۔ اس لئے وہ ساقط الاعتبار ہیں اور کل اہل اسلام کی زمینوں پر عشر واجب بتایا ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک دوسری جہت سے بھی ادائے فرض میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دیگر ائمہ کرام رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مسلمان کی ہر زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔ اگرچہ خراجی ہی زمین کیوں نہ ہو۔ چنانچہ بہت سے صحابہ اور تابعین رض عراق کے اندر خراجی زمین کے مالک تھے اور وہ خراج کے علاوہ عشر بھی دیتے تھے۔ اسلئے جہاں بڑے امام کے مسالک سے عملاً منافات نہ ہو۔ اور احتیاط کی راہ اختیار کی جائے تو بہتر ہے کیونکہ ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار کا عشر ادا کرنا گناہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مبارک جن کے متعلق علامہ شامی نے یہ لکھا ہے کہ

(قولہ عبداللہ بن مبارک) الزاھد۔ عبداللہ ابن مبارک۔ زاہد۔ فقیہ اور محدث

الفقیہ المحدث احد الائمۃ جمع الفقہ والادب والنحو واللغۃ والفصاحۃ والورع والعبادۃ۔ وصنف الکتب الکثیرۃ۔ قال الذھبی ھو احد ارکان ھذہ الامۃ فی العلم والحدیث والزھد واحد شیوخ الامام احمد۔ اخذ عن ابی حنیفۃ ومدحہ فی المواضع کثیرۃ وشھد لہ الائمہ مات سنہ ۱۸۱ھ (صفحہ ۱۶۱ ج ۱)

ہیں۔ آئمہ حنفیہ کے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ عبادت۔ تقویٰ۔ فصاحت۔ لغت۔ نحو۔ ادب فقہ کے جامع ہیں۔ بہت سی کتابیں آپ نے تصنیف کی ہیں۔ علامہ ذہبی کا قول ہے کہ عبداللہ ابن مبارک علم حدیث اور زہد میں اس امت کے بڑے لوگوں میں سے ایک بڑے شخص ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ میں سے ایک شیخ یہ بھی ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور امام صاحب کی بہت جگہ تعریف کی ہے۔

ان کے متعلق علامہ ابو عبید کی کتاب الاموال میں یہ روایت ہے کہ وہ اہل مردان کو خراج کے ساتھ عشر کی ادائیگی کا فتویٰ دیتے تھے۔

وحدثنی نعیم بن حماد قال سمعت عبداللہ بن المبارک غیر مرۃ یامر اھل مردان بالعشر مع الخراج (کتاب الاموال صفحہ ۸۹)

نعیم بن حماد نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے بہت مرتبہ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ سے سنا۔ وہ مردان کے لوگوں کو خراج کے ساتھ عشر کا حکم دیتے تھے۔

اسی کتاب الاموال ۲۴۳ میں صحابہ اور تابعین کے متعلق یہ روایت ہے

ولا نعلم احدا من الصحابۃ قال "لا یجتمع علیہ العشر والخراج" ولا نعلم من التابعین الا شئی یروی عن عکرمہ رواہ عنہ رجل من اھل خراسان یکنی ابا المنیب سمعہ یقول ذلک۔ صفحہ ۹۰

صحابہ کرام میں کسی ایک صحابی کو بھی ہم نہیں جانتے ہیں جس کا یہ قول ہو کہ عشر و خراج جمع نہیں ہوسکتا ہے۔ اور نہ تابعین میں کسی کو ہم جانتے ہیں جس کا یہ قول ہو۔ لیکن ایک بات جو عکرمہ سے مروی ہے۔ ان سے خراسان کے ایک شخص نے روایت کیا۔ جس کی کنیت ابوالمنیب تھی۔ ان سے سنا وہ کہتے تھے کہ عشر و خراج جمع نہیں ہو سکتا ہے۔

زکوٰۃ کی پہلی قسم

فی زکوٰۃ الاموال

زکوٰۃ کی پہلی قسم یعنی سونا۔ چاندی کی زکوٰۃ کے مسائل کے بیان سے پہلے ہم ان ضروری امور کو بتا دینا چاہتے ہیں۔ جو سونا۔ چاندی کی زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے شرط ہیں۔ یعنی بغیر ان کے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ہے۔

شرائط فرضیت زکوٰۃ

فرضیت زکوٰۃ کے لئے حسب ذیل آٹھ شرائط ہیں۔ اسلام۔ عقل۔ بلوغ۔ حولان حول۔ ملک نصاب۔ دین سے فارغ ہونا۔ حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا۔ حریت۔

(۱) اسلام۔ یعنی زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض ہے۔ کافروں پر فرض نہیں ہے۔ پہلے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور جملہ عبادات کے مخاطب قرآن مجید میں صرف مسلمان ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اوپر گذر چکی ہے۔ اس میں اس امر کی تصریح ہے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن جانیکے وقت یہ ارشاد فرمایا تھا کہ پہلے دعوت اسلام دیجیو۔ جب اسلام قبول کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نماز و زکوٰۃ فرض کیا ہے۔

(۲و۳) عقل و بلوغ۔ زکوٰۃ عاقل و بالغ مرد و عورت پر فرض ہے۔ نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اسلئے کہ نابالغ سے تکالیف شرعیہ ساقط ہیں۔ لہذا نابالغ کی ملک میں جتنا مال بھی ہو اس پر یا اس کے ولی پر زکوٰۃ نکالنا فرض نہیں ہے۔

(قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) رافع القلم عن ثلثۃ۔ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ابوداؤد۔ نسائی)

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے) تین آدمی شرعاً مکلف نہیں ہیں۔ نائم (جو نیند میں ہو) یہاں تک کہ بیدار ہو۔ نابالغ بچے یہاں تک کہ وہ عاقل ہو جائے۔

عہ فی الھدایۃ۔ الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل۔ البالغ المسلم اذا ملک نصابا ملکا تاما وحال علیہ الحول۔ الخ وان کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل اذا بلغ نصابا۔ الخ ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن الخ (کتاب الزکوٰۃ)

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ مجنوں اور نابالغ جملہ احکام شرعیہ سے دچاہے نماز و روزہ ہو یا زکوٰۃ و حج، غیر مکلف ہیں۔ نابالغ کے متعلق حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام اور اکثر تابعین۔ اور امام ابو حنیفہ رح کا مسلک یہی ہے۔
جنون کے متعلق فقہاء کرام کی یہ تفصیل ہے کہ جنون اگر اصلی ہے۔ تو بہر حال زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ اور اگر اصلی نہیں ہے۔ تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ نقصان عقل پورے سال بھر رہتا ہے تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ اور اگر پورے سال بھر نہیں رہتا ہے تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔

(۴) حولان حول۔ یعنی مال پر ایک سال کا گذر جانا۔ بغیر ایک سال گذرے ہوئے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ہے۔ موطا امام مالک میں حضرت نافع سے اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رض سے روایت ہے۔ ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں۔

عن عائشہ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا زکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول۔

(کتاب الزکوٰۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ حضور فرماتے تھے کہ کسی مال پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی یہاں تک کہ اس پر ایک سال گذر جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال پر ایک سال پورا گذرنا شرط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شروع سال اور آخر سال میں اگر نصاب پورا ہوگا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ سال کے وسط میں کم ہونے کا اعتبار نہیں۔ ہاں اگر شروع سال ہی میں یا آخر سال میں نصاب کی کمی ہو جائے تو ایسی حالت میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

(۵) ملک نصاب۔ یعنی سونا۔ چاندی۔ کی جتنی مقدار پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ اتنی مقدار کا مالک ہونا۔ اگر اس سے کم کا مالک ہوگا۔ تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ابو داؤد میں روایت ہے۔

ے الاصلی وھو المتصل بزمن الصبی بان جن قبل البلوغ فبلغ مجنونا والعارضی بان بلغ عاقلا ثم جن فیما ذکرنا من الحکم وھو ظاھر الروایۃ۔
(فتح القدیر تحت قولہ ولو افاق)

عن علی کرم اللہ وجہہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا کانت مائتا درہم وحال علیہ الحول ففیھا خمسۃ دراھم۔ (باب فی زکوٰۃ السائمہ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور اس پر ایک سال گذر جائے تو ان میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے۔

(۶) قرض سے فارغ ہونا۔ یعنی جس مال پر اتنا قرض ہو کہ اس کے ادا کرنے پر نصاب پورا نہ رہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ موطا میں لکھتے ہیں۔

من کان علیہ دین۔ ولہ مال فلیدفع دینہ من مالہ۔ فان بقی بعد ذلک ما تجب فیہ الزکوٰۃ وتلک مائتا درھم او عشرون مثقالاً ذھبا فصاعدا۔ ان کان الذی بقی اقل من ذلک بعد ما یدفع من مالہ الدین فلیست فیہ الزکوٰۃ۔ وھو قول ابی حنیفہ رحمۃ اللہ۔

جو شخص کہ اس پر دین ہو۔ اور اس کے لئے مال ہو تو اسکو چاہئے کہ پہلے اپنے مال سے اپنے دَین کو ادا کرے پھر اگر قرض ادا کرنے کے بعد اتنا مال باقی رہے کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو۔ تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور وجوب زکوٰۃ کا نصاب) دو سو درہم۔ یا بیس مثقال ہوتا ہے۔ یا اس سے زیادہ۔ اور دین ادا کرنے کے بعد اس سے کم باقی ہے۔ تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

(موطا امام محمد باب زکوٰۃ المال)

یہاں قرض سے مراد ایسا قرض ہے۔ جسکا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو سکتا ہو۔ چاہے وہ اللہ تعالیٰ کا قرض ہو۔ جیسے زکوٰۃ عشر وغیرہ کہ یہ دراصل حق اللہ ہیں۔ مگر اس کے مطالبہ کا حق امام کو ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ یا بندوں کا قرض ہو۔

(۷) حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا۔ یعنی وہ مال اپنی اصلی ضرورتوں سے زیادہ ہو۔ یعنی جو مال اصلی ضرورتوں کے لئے ہو۔ اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قد کانت النواضح علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہ فلم اعلم احدا اراد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ منھا صدقۃ ولا احدا

کام کرنے والی یا پانی لانے والی اونٹنیوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں کسی کو نہیں جانتا ہوں کہ انہوں نے روایت کی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی زکوٰۃ لی ہو۔ یا کسی خلیفہ نے

من خلفائہ۔ ولا شک ان شاء اللہ — زکوٰۃ لی ہو۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اس میں کوئی تنگی نہیں۔
ان قد کان للرجل الخمس واکثر — کہ آدمی کے پاس پانچ یا اس سے زیادہ اس طرح کے اونٹ تھے۔

اسی طرح ضرورت کی دوسری چیزیں بھی اس میں داخل ہیں۔ ہدایہ میں اسی طرح کی چند ضروری چیزوں کے متعلق یہ تصریح ہے۔

ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن — رہنے کے مکان۔ بدن کے کپڑے۔ گھر کے
واثاث المنزل ودواب الرکوب و — اسباب۔ سواری کے جانور۔ خدمت کے
عبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال — غلام۔ استعمال میں رہنے والے ہتھیار
زکوٰۃ (کتاب الزکوٰۃ) — پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۲) حریت۔ یعنی آزاد مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہے۔ غلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ کیونکہ غلام کا اپنا مال نہیں ہوتا ہے۔ اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ مولا کا ہوتا ہے۔ اسی بنا پر مکاتب کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ لیس فی مال المکاتب زکوٰۃ (منتخب کنز العمال)

چاندی اور سونے کا نصاب

زکوٰۃ کی فرضیت کے شرائط میں "نصاب کا مالک ہونا بھی ہے" جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اس لئے چاندی اور سونا کا نصاب شرعاً کتنا ہے، سمجھ لینا چاہیئے۔

چاندی کا نصاب

چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے۔ یعنی دو سو درہم سے اگر کم چاندی ہو تو صرف اس مقدار میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ کیونکہ نصاب نہیں پایا گیا۔ اب جاننا چاہیئے کہ ہندوستانی حساب سے دو سو درہم کی کیا مقدار ہوگی۔ تو ہندوستانی وزن کی طرف تحویل کرتے اور ہندوستانی صحیح وزن بیان کرنے میں لوگوں کو سخت دقتیں پیش آتی ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ شرح موطا میں صحیح وزن معلوم کرنے سے مایوسی کا اظہار کرتے ہیں۔ کیونکہ درہم کی مقدار کو قیراط اور جو وغیرہ سے معلوم کرنے کے بعد

تولہ، ماشہ اور رتی کی طرف تحویل کرنے میں بھی مشکلیں پیش آتی ہیں اور ہندوستانی وزن کی طرف تحویل میں علماء کا اختلاف رہا ہے۔

سب سے کم مقدار تولہ و ماشہ کے حساب سے دو سو درہم کا وزن ۳۶ تولہ ۵ ماشہ ۴ رتی ہے اور وہ اس حساب سے کہ جو درہم زکوٰۃ وغیرہ میں شرعاً معتبر ہے، وہ وہ درہم ہے کہ جو دس درہم کہ سات مثقال کے برابر ہو۔

تمام کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے۔ پس دو سو درہم کے ایک سو چالیس مثقال ہوتے ہیں۔ اور مثقال کا وزن سو جو کے برابر ہے۔ اس کی بھی فقہائے کرام نے تصریح کر دی ہے۔ اور سو جو کا وزن ہندوستانی وزن کے حساب سے تین ماشہ ایک رتی ہے۔ کیونکہ چار جو کی ایک رتی۔ لہٰذا سو جو کی ۲۵ رتی۔ اور آٹھ رتی کا ایک ماشہ ہوتا ہے۔ اس لئے ۲۵ رتی کا تین ماشہ ایک رتی ہوا۔ پس اس حساب سے ایک سو چالیس مثقال جو دو سو درہم کا ہم وزن ہے۔ ہندوستان[ع] کے سوناری وزن کے رو سے ۳۶ تولہ پانچ ماشہ چار رتی ہوا۔ اور یہی چاندی کا نصاب ہوا۔ اور اس کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ یعنی دس ماشہ ساڑھے سات رتی ہوئی۔

ع ہندوستان کے سوناری وزن سے الخ یعنی ہندوستانی حساب سے جو چاندی کا نصاب ۳۶ تولے پانچ ماشے چار رتی بتایا گیا ہے۔ وہ باعتبار ہندوستان کے سوناری وزن کے ہے جو اس وقت مروج ہے اور مروجہ اوزان میں چار جو کی ایک رتی ہوتی ہے۔ اور ایسی رتی سے آٹھ رتیوں کا ایک ماشہ ہوتا ہے۔ اور ۱۲ ماشوں کا ایک تولہ ہوتا ہے۔

اس تحویل کی بنیاد حضرت مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ کے اس حساب پر ہے جس میں سرخ (یعنی گھنگچی) کو رتی قرار دیا گیا ہے۔ اور ہر سرخ کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ "ھذا الجزا یکون بقدار اربع شعیرات" (عمدۃ الرعایۃ) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مدظلہ دہلی کا اسی پر اعتراض ہے کہ ہر سرخ چار جو کا نہیں ہوتا ہے۔ یہی بنیادی فروگذاشت ہے جس کی تصریح حضرت مفتی صاحب نے اپنی "رائے گرامی" میں کی ہے۔ اور مجھ سے زبانی بھی فرمایا۔ بلکہ ایک سرخ کو اور چار جو کو برابر پانی پر تول کر دکھلایا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ پس میری اس تحویل کی بنیاد اوزان مروجہ پر ہے۔ جس میں رتی کی بنیاد مذکورۃ الصدر سرخ پر نہیں ہے لہٰذا اس کو اس

چونکہ ادائے فرض میں احتیاط کا اختیار کرنا افضل و بہتر ہے۔ اس لئے اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ اور چاندی کا نصاب اور زکوٰۃ در اصل وزن ہی کے حساب سے ہے۔ مگر جب چاندی کا سکہ موزوں ہو یعنی وزن کر کے بنایا جائے تو عدد کے لحاظ سے بھی نصاب زکوٰۃ کا حساب ہو سکتا ہے۔ اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فرو گذاشت سے تعلق نہیں ہے۔ ہاں اگر سرخ سے چار رتی والا سرخ مراد ہو۔ تو پھر مجھ کو اختلاف نہیں رہیگا۔

حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلی نے اپنی گرامی رائے میں چاندی کے نصاب کے متعلق لکھا ہے۔

"میرے نزدیک صحیح مقدار چون تولہ دو ماشہ سے کم نہیں۔ اسی طرح سونے کے نصاب اور پھر صاع کی مقدار میں فرق ہو جائیگا" (ص ۳)

میں نے ۱۳۶۱ھ سے لیکر ۱۳۶۴ھ تک حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں زبانی بھی بار بار عرض کیا، اور بذریعہ مراسلات کے بھی برابر یاددہانی کی۔ کہ جس حساب پر حضرت کی رائے گرامی کی بنیاد ہے مرحمت ہو تاکہ اسکو شائع کر دیا جائے اور اس طرح یہ ایک کمی بھی پوری ہو جائے گی۔ اور اہل علم کے سامنے حساب بھی آجائے گا۔ مگر افسوس مسلسل ناسازی طبع کے باعث حضرت ممدوح کو اسکا موقع نہیں ملا۔ کہ ضبط تحریر میں لاسکیں۔

علماء دیوبند کا نظریہ بجائے چون تولہ ۲ ماشہ باون تولہ ۲ ماشہ ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند نے اس کی تحقیق میں ایک کتاب ارجح الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل" نامی تحریر فرمائی ہے۔ اور وہ چھپ چکی ہے۔

مولانا ممدوح کے نظریہ کی بنیاد ذیل کے حساب پر ہے

"مولانا لکھنوی نے ستر جو۔ جو مقدار درہم ہے۔ اسکو دو ماشہ ڈیڑھ رتی قرار دیا۔ اور جمہور علماء ہند نے تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا قرار دیا۔ اسیطرح مثقال مولانا لکھنوی کی تحقیق پر تین ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے۔ اور جمہور کی تحقیق پر ساڑھے چار ماشہ" کا پھر چونکہ صاع کا وزن بھی تمام تر درہم اور مثقال ہی سے لیا جاتا ہے۔ تو اسی کے حساب سے صاع کے وزن میں بھی تفاوت ہو گیا۔ الخ

اس کے بعد مولانا ممدوح نے اپنے نظریہ کے متعلق ان کاوشوں کو بیان فرمایا ہے۔ جو اس نظریہ کی

کہ دو سو درہم میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے۔ اور چالیس درہم میں ایک۔

اس بنا پر جبکہ ہندوستانی سکہ یعنی روپیہ کبھی وزن ہی کے ساتھ مروج تھا اسلئے بغرض سہولت روپیوں کے عدد کے اعتبار سے بھی نصاب کا حساب کیا جاتا تھا۔ اور وہ ان دنوں ایک نصاب تقریباً چالیس روپیہ تھا۔ آنے والی عبارتوں میں تفہیم کے لحاظ سے چالیس روپیہ کو نصاب فرض کر کے مسئلہ کی تصویر بیان کی گئی ہے۔ لیکن اب سکہ کے متعلق ایک بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ فقہی اصول پر جو سکہ چاندی کا نہیں ہوتا ہے مگر بازار میں رائج ہوتا ہے تو اس میں قیمت کا اعتبار ہوتا ہے۔ یعنی اس سکہ کی جتنی تعداد سے قیمتاً بازار میں اتنے چاندی کے سکے (روپے) یا خود چاندی مل جائے جس پر زکوٰۃ لازم آجائے تو اس سکہ کی اس تعداد پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔

عہ عالمگیری میں ہے۔ الدراھم اذا کانت مغشوشۃ فان کان الغالب ھو الفضۃ فھی کالدراھم الخالصۃ وان غلب الغش فلیس کالفضۃ کالستوقۃ فینظر ان کانت رائجۃ اونوی التجارۃ اعتبرت قیمتھا فان بلغت نصابا من ادنی الدراھم التی تجب فیھا الزکوٰۃ وھی التی غلبت فضتھا وجبت فیھا الزکوٰۃ والا فلا۔ ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تحقیق کے سلسلہ میں کام لایا ہے۔ ناظرین اصل کتاب منگوا کر ملاحظہ فرمالیں۔

عبادات میں "ظاہر روایت" کا فیصلہ یہ ہے کہ احتیاط پر عمل کیا جائے یعنی محتمل کی حد سے نکل کر متیقن پر عمل کیا جائے۔ اس لئے میرے نزدیک ۶۰ تولہ ۵ ماشہ ۴ رتی کو زکوٰۃ کا نصاب قرار دینا احوط ہے۔ اور اس کا اختیار کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا بہتر ہے۔ "شرح السیر الکبیر" میں ہے۔

انما یحذ فی العبادۃ بالاحتیاط وطریق الاحتیاط فی البناء علی المتیقن بدون المحتمل (ص۱۶۱ ج۱)

عبادت میں صرف احتیاط کی صورت کو اختیار کیا جائیگا اور احتیاط کا طریقہ یہ ہے کہ عمل کی بنیاد متیقن پر رکھی جائے۔ محتمل پر نہ رکھی جائے۔

دفتر امارت شرعیہ کا خیال ہے پہلی فرصت میں ایک رسالہ "تحقیقات امارت شرعیہ متعلق مقادیر شرعیہ" جو پوری تفصیل و شرح اپنے دامن میں رکھتا ہو شائع کرے۔ والامر بید اللہ تعالیٰ عبدالصمد رحمانی ۱۲

سونے کا نصاب

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے۔ یعنی ہندوستانی وزن سے پانچ تولہ دو ماشہ ۴ رتی سونا یعنی پانچ تولہ ڈھائی ماشہ، اس مقدار سے کم سونے پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ اور پانچ تولہ ڈھائی ماشہ کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ یعنی ایک ماشہ ساڑھے چار رتی ہوئی۔

سونا چاندی کی زکوٰۃ کے ضروری مسائل

(۱) سونا چاندی کے نصاب پر جب سال تمام ہو جائے یعنی ابتدائی سال میں بھی فقط چالیس روپیہ خرچ سے بچا ہوا تھا اور آخر سال میں بھی چالیس روپیہ بچ گیا تو ایک نصاب پر پورا سال گذر گیا۔ اگرچہ درمیان سال میں چالیس سے کم ہو گیا ہو بس اس صورت میں زکوٰۃ کا ادا کرنا فرض ہے۔ اسی طرح سونے کے نصاب کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔

(۲) دَین و قرض زکوٰۃ کی فرضیت میں مانع ہے۔ بشرطیکہ دَین اس قسم کا ہو جسکا کوئی مطالبہ کرنیوالا بندوں کی طرف سے ہو۔ جیسے کسی کا دستگرداں ہو کہ قرض دینے والے کا حق مطالبہ ہے۔ یا گذشتہ سال کی زکوٰۃ باقی ہو تو یہ بھی ایسا ہی دَین ہے کہ جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہے یعنی امام و والی کہ اس کو زکوٰۃ کے مطالبہ کا حق ہے فقراء و مساکین کو نہیں (فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ وغیرہ) بس ایسے دین کے مقدار کو منہا کر کے جس قدر بچے۔ اگر نصاب سے کم ہو جائے تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ مثلاً چالیس روپیہ ابتدائے سال کے بعد سے آخر سال میں موجود ہے لیکن بیس روپیہ قرض ہے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ مقدار قرض کو منہا کرنے کے بعد بیس روپے بچتے ہیں۔ اور نصاب سے کم ہے، اسلئے زکوٰۃ فرض نہ ہوئی۔

اور اگر ساٹھ روپیہ آخر سال میں موجود ہو۔ تو بیس قرض میں وضع کر کے چالیس بچے اور یہ کامل نصاب ہے۔ اس میں زکوٰۃ فرض ہوگی۔

(۳) اگر کسی کے پاس بیس روپیہ سال تمام پر موجود ہیں اور ایک تولہ سونا بھی موجود ہو تو سونے کی قیمت لگا کر روپیہ کا نصاب اگر پورا ہو جاتا ہو، تو نصاب پورا شمار کر کے زکوٰۃ نکالنا امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے۔ مثلاً ایک تولہ سونے کی قیمت

بیس[20] روپیہ ہو تو چالیس پورے ہو گئے۔ لہذا زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اور اگر انیس قیمت لگے تو فرض نہ ہوگی۔ یعنی سونا اور چاندی دونوں ملا کر دو میں سے کسی ایک کا نصاب پورا ہوتا ہو تو قیمت لگا کر نصاب پورا کرنا چاہیے۔ اور چاہے کہ سونے کی قیمت لگا کر چاندی میں ملا دی جائے یا چاندی کی قیمت لگا کر سونے ہی میں ضم کر دی جائے۔ دونوں جائز ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ جس صورت میں فقراء کا نفع ہو۔ یعنی جس تدبیر سے زکوٰۃ زیادہ ہو اُس صورت کو اختیار کرنا چاہیے۔

(۴) زکوٰۃ کے ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا یعنی کوئی ایسی تدبیر کرنا کہ زکوٰۃ نہ دینا پڑے، ناجائز ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں اس کی تصریح فرما دی ہے۔

(۵) سونا اور چاندی عام ازیں کہ سکّہ کی شکل میں ہو، جیسے روپیہ اشرفی یا زیورات[عٰ] بنے ہوئے ہوں یا ظروف ہوں مثلاً عطر دان، گلاب پاش، حقہ، منہ نال یا ڈھیلے رکھے ہوں، بہر صورت یہ اموال زکوٰۃ ہیں۔ بعد سال تمام اور تحقیق مقدار نصاب زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سونے چاندی میں مصرفی یا غیر مصرفی کا لحاظ نہیں ہے۔

(۶) نوٹ[عٰ] اور پیسہ بھی روپیہ کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے اموال زکوٰۃ سے ہیں

عٰ ایسے زیورات جن کے اندر لاکھ بھر دیا جاتا ہے۔ ان کے وزن کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی ظرف میں پانی بھر کر اس کو وزن کر لیا جائے۔ اس کے بعد اس میں اس زیور کو ڈال کر وزن کیا جائے۔ اب اس پر جو مقدار بڑھے گی وہ سونے چاندی کی ہوگی۔ لاکھ کا وزن نہیں ہوگا۔ ۱۲

عٰ نوٹ کے قائم مقام روپیہ ہونے میں متاخرین علماء کا اتفاق ہے۔ کیونکہ گرچہ خلقۃً ثمن نہیں ہے۔ مگر عرفاً اور اصطلاحاً حکم ثمن میں ہے۔ حضرت مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں۔

نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے، بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سو روپیہ کا کوئی ہلاک کر دے تو اصل مالک سو روپیہ تاوان لیتا ہے اور سو روپیہ کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اُس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود صرف سو روپیہ کا

ان میں بھی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ مثلاً کسی کے پاس صرف چالیس روپے کے نوٹ ہوجائیں یا چالیس روپے کے پیسے تو بعد سال کے ایک روپیہ زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اگر سال ختم ہوچکا ہو اور قرض سے پاک ہو۔

(۷) سونے یا چاندی کے ایک نصاب پر سال تمام ہونے کے بعد چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہے۔ لیکن سونا چاندی جب ایک نصاب سے زائد ہو اور چاہے جس قدر زیادتی ہو۔ صاحبین کے نزدیک کل کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا چاہئے۔ مثلاً کسی کے پاس پینتالیس [illegible] ([illegible]) ہے تو اس کی زکوٰۃ [illegible] نکالنا چاہئے اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک نصاب سے جب زائد ہو تو جب تک نصاب کا پانچواں حصہ پایا نہ جائے اس زائد میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ بلکہ معاف ہے مثلاً چالیس کے بعد جب تک آٹھ روپے پورے نہ ہولیں۔ امام صاحب کے نزدیک ایک ہی روپیہ زکوٰۃ ہوگی۔ اور جب آٹھ روپیہ زائد ہوں گے تو آٹھ روپیہ کا چالیسواں حصہ [illegible] دام مزید زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ پھر اسکے اوپر سات روپیہ زائد ہوں تو اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ جب تک یہ آٹھ پورے نہ ہولیں یعنی [illegible] کی بجائے [illegible] ہو تو وہی [illegible] کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔ اور معاف یہاں تک کہ [illegible] ہو جائے۔ کیونکہ [illegible] ایک نصاب ہوا۔ اور [illegible] روپیہ ایک نصاب کا وہ خمس ہے۔ خلاصہ یہ کہ نصاب پورے ہونے کے بعد نصاب سے پانچواں حصہ کی مقدار سے کم تک امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک معاف ہے۔

(بقیہ حاشیہ) بیچا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے اور نوٹ سو روپیہ کا اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقت ادا خواہ نوٹ سو روپیہ کا دیوے یا سو روپیہ دیوے دونوں ادا مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عذر نہیں ہوتا ہے۔"

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:۔

"پیسے اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے نہیں گئے ہیں۔ بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے۔ گو عینیت خلقیہ نہیں، بلکہ عینیت عرفیہ ہو۔" (مجموعہ فتاویٰ ص [illegible])

اسی طرح حضرت مولینا احمد رضا خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ بریلوی نے اپنے رسالہ "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" میں تحریر فرمایا ہے۔

نقشہ نصاب زکوٰۃ چاندی بر مسلک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

نمبر	وزن چاندی	مقدار زکوٰۃ	کیفیت	تعداد روپیہ	مقدار زکوٰۃ	کیفیت
۱	۵۲ تولہ ۶ ماشہ ۴ رتی	۱ تولہ ۳ ماشہ ۷ ۱/۲ رتی	یہ مقدار زکوٰۃ پورے ایک نصاب کا چالیسواں حصہ ہے۔	لعه	عـه	روپیہ کے حساب سے چالیس روپیہ ایک نصاب ہے اور چالیسواں حصہ جو مقدار زکوٰۃ ہے وہ ایک روپیہ ہے۔
۲	۶۳ تولہ ۹ ماشہ	ایک تولہ ایک ماشہ ایک رتی	۱۰ تولہ ۶ ماشہ ۴ رتی نصاب کا پانچواں حصہ ہے جو ایک نصاب پر زیادہ ہے لہٰذا پورے چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہوگی۔ اگر پانچویں حصہ سے کم زیادتی ہوتی تو زیادتی پر زکوٰۃ نہ ہوتی۔	للعه	عـه ۳ / ۴ دام	آٹھ روپیہ نصاب کا پانچواں حصہ ہے اور اس کا چالیسواں حصہ ۳ / ۴ دام ہے۔
۳	۷۵ تولہ ۴ رتی	ایک تولہ چھ ماشہ ایک رتی	اصل نصاب سے ۲۱ تولہ ۱ ماشہ زیادہ ہے جو نصاب کا دو خمس ہے۔ اگر ایک خمس سے زیادہ اور دو خمس سے پورا نہ ہوتا تو زکوٰۃ کی مقدار نمبر دوم کے موافق ہوتی۔	لله	عـه ۶ / ۸ دام	سولہ روپیہ اصل نصاب کا دو خمس ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہوئی اور وہ ۶ / ۸ دام ہے۔ اگر ایک خمس سے زیادہ اور دو خمس سے کم ہوتا تو نمبر دوم کے موافق زکوٰۃ ہوتی۔
۴	۸۴ تولہ ۴ ماشہ	ایک تولہ ۵ ماشہ ۴ رتی	اصل نصاب سے تین خمس نصاب زیادہ ہے۔ اسلئے اس پر بھی زکوٰۃ ہوئی۔ اگر کچھ کم زیادہ ہوتی تو ۳ کے مطابق ہوتی۔	للعه	عـه ۹ / ۱۲ دام	چوبیس روپیہ یعنی نصاب کا تین خمس زیادہ ہوا۔ لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض ہوئی
۵	۹۵ تولہ ۷ ماشہ ۴ رتی	ایک تولہ ۷ ماشہ ۵ ۱/۲ رتی	اصل نصاب سے چار خمس نصاب زیادہ ہے۔ لہٰذا اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہوئی	لله	عـه ۱۲ / ۱۶ دام	بتیس ۳۲ روپیہ اصل نصاب سے چار خمس نصاب زیادہ ہے۔ اسلئے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

نوٹ: اسی طرح خمس نصاب کا جب اضافہ ہوگا اس کے چالیسویں حصے کی مقدار زکوٰۃ کی مقدار میں اضافہ ہوگا۔ خمس نصاب ۱۰ تولہ ۶ ماشہ ۴ رتی ہے اور اس کا چالیسواں حصہ ۲ ماشہ ۱ ۱/۲ رتی ہے۔ اگر پورا خمس زیادہ نہ ہو تو پھر معاف ہے۔

عبد الصمد رحمانی

نوٹ: روپیہ کے حساب سے خمس نصاب آٹھ روپیہ ہے اور اس کا چالیسواں حصہ ۳ / ۴ دام ہے۔ امام صاحب کے مسلک پر جب تک خمس نصاب کا اضافہ نہیں ہوگا زکوٰۃ سابق رہیگی اور جب جب خمس نصاب بڑھتا جائیگا زکوٰۃ بھی بڑھتی جائیگی۔ اسی حساب سے زکوٰۃ دینی ہوگی۔

عبد الصمد رحمانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماسبق) نوٹ چوتھی قسم سے ہے۔ اصل میں یہ ایک متاع ہے پہلے تو ایک پرچہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور صاحبین کے نزدیک سب پر زکوٰۃ ہے۔ اور سب مقدار کا چالیسواں حصہ دینا چاہیے احادیث سے دونوں قولوں کی تائید ہوتی ہے۔ بعض جہت سے امام صاحب کا قول بندوں کے لئے آرام دہ ہے۔ اور بعض جہت سے صاحبین و دیگر آئمہ کا قول۔

(۸) سونا چاندی، روپیہ پیسہ، نوٹ کے ایک نصاب پر جب ملک و قبضہ ابتدائے سال میں ہو مثلاً چالیس ۴۰ روپیہ اور آخر سال میں اس کے قبضہ و ملک میں سو روپیہ ہو جائے تو پورے سو روپیہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اگرچہ سو روپیہ پر حولان حول نہ ہوا۔ اس لئے حولان حول ایک جنس کے نصاب پر شرط ہے۔ اور وہ بایں معنی کہ سال کے اول و آخر میں نصاب سے کم نہ ہو۔

(بقیہ حاشیہ) کاغذ کا ہے۔ اور اصطلاح میں ثمن ہے۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ رقمیں کہ اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے۔" پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

"ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے۔ اس لئے کہ آپ نے جان لیا کہ وہ خود قیمتی مال ہے۔ دستاویز و رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے۔ زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو۔ اور نوٹ میں نیت تجارت کی بھی حاجت نہیں۔ اس لئے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ "ثمن اصطلاحی جب تک رائج ہے۔ زکوٰۃ اس میں واجب ہے" یہ نوٹ کو نیت تجارت سے اصلاً جدائی نہیں۔ کہ بغیر مبادلہ اس سے نفع لے ہی نہیں سکتے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔" "فتاویٰ علامہ قاری ہدایہ" میں ہے "فتویٰ اس پر ہے کہ پیسے[۱] جب تک رائج رہیں ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ جبکہ دو سو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں انتہی ۱۲ اور نوٹ جو سال زکوٰۃ تمام ہونے سے پہلے وہ اپنی جنس کے نصاب یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملایا جائے گا۔ جیسا کہ تجارتی مال کا حکم ہے۔" (ص ۲۵)

اسی طرح اور علماء کرام کا بھی نوٹ کے متعلق یہ اتفاق ہے کہ یہ حکم ثمن میں ہے ۱۲

[۱] علامہ قاری ہدایہ کے فتاویٰ سے پیسوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ لہٰذا اس پر کسی بحث کی حاجت نہیں رہی ۱۲ عبدالصمد رحمانی

(۹) اگر کوئی مال ایسا ہو جس میں سونا بھی ہو، اور چاندی بھی تو جس کا غلبہ ہوگا۔ اسی کا اعتبار ہوگا۔ یعنی اگر سونا زیادہ ہوگا تو سب سونا سمجھا جائے گا اور اگر چاندی زیادہ ہوگی تو سب چاندی سمجھی جائے گی اور جس کا غلبہ ہوگا اسی کے اعتبار سے زکوٰۃ دی جائے گی۔

(۱۰) چاندی یا سونا میں کھوٹ ملا ہوا ہو، مگر غالب نہ ہو تو وہ کالعدم سمجھا جائے گا۔

(۱۱) ایسی صورت میں کہ زکوٰۃ کا وجوب ہو چکا ہے، ادائیگی کا وقت بھی آگیا ہے۔ امام کا مطالبہ بھی ہو چکا ہے۔ مگر کسی عذر کی وجہ سے ادا نہ کر سکا اور اتفاق ایسا ہوا کہ مال ہلاک ہو گیا یا چوری ہو گیا، تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ لیکن اگر خود ہلاک کر دے تو زکوٰۃ دینی ضروری ہوگی۔

(۱۲) زکوٰۃ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے وہی چیز ادا کی جائے بلکہ زکوٰۃ میں یہ اختیار ہے کہ چاہے تو وہی چیز دے یا اس کی قیمت دے لیکن قیمت اس زمانہ کی معتبر ہوگی جب کہ وہ ادا کر رہا ہے۔ مثلاً جب زکوٰۃ فرض ہوئی تھی تو اس وقت ایک تولہ چاندی کی قیمت ۱۲ تھی اور ادا کرنے کے وقت ایک روپیہ ہے تو ایک روپیہ ادا کرنی پڑے گی۔

(۱۳) زکوٰۃ سال کے ختم ہونے سے پہلے یا کئی سال کی پیشگی دینا چاہے تو شرعاً یہ جائز ہے۔

(۱۴) زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے کے وقت ادائیگی زکوٰۃ کی نیت ضروری ہے۔ اگر نیت نہیں کی گئی اور یوں ہی روپیہ دیدیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی پھر دوبارہ دینا پڑے گی۔ اور جو کچھ دیا ہے اس کا ثواب نفل کی حیثیت سے ملیگا۔

(۱۵) زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت سے اگر زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کر کے رکھی گئی ہو پھر ادا کرنیکے وقت کوئی نیت نہیں کی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(۱۶) اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے بغیر اس کی اجازت کے زکوٰۃ ادا کر دے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ گرچہ اس کے ادا کرنے کے بعد وہ شخص اس کی منظوری بھی دے پھر بھی زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی اور نہ دینے والے کو اس سے وصولی کا حق ہوگا۔ جس کی طرف سے دیا ہے۔

(۱۷) زکوٰۃ کا روپیہ خود جاکر امیر کو نہیں دیا۔ یا خود جاکر بیت المال میں داخل نہیں کیا۔ بلکہ کسی اور کو دیدیا کہ وہ جاکر دیدے تو یہ جائز ہے۔ اور زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائیگی۔ چاہے اس شخص درمیانی نے دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہ کی ہو۔

(۱۸) جب مال پر پورا سال گذر جائے تو فوراً زکوٰۃ ادا کر دینی چاہئے۔ یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور یہی خلفائے راشدین کا اسوہ ہے۔

عن ابن شھاب ان ابا بکر و عمر لم یکونا یاخذان الصدقۃ بنسیئۃ یبعثان علیھا فی الجدب والخصب والسمن والعجف لان اخذھا فی کل عام عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ

ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما زکوٰۃ کو ادھار نہ رکھتے تھے۔ یعنی وصولی کا جو وقت ہوتا تھا اسی وقت لیتے تھے۔ گرانی اور ارزانی خوش حالی اور بدحالی (ہر حال میں) اس کی تحصیل کراتے تھے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا ہر سال لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(۱۹) اگر کوئی شخص حرام مال کو حلال مال کے ساتھ ملا دے تو زکوٰۃ کے مسئلہ میں اعتبار حلال کا ہوگا۔ اور سب کی زکوٰۃ دینی پڑے گی۔

(۲۰) وہ مال جو ضرورت اصلیہ کے لئے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں۔ مثلاً پہننے کے کپڑے، رہنے کے مکان، سواری کے گھوڑے، خانہ داری کے اسباب، جیسے پتیلی۔ دیگچی۔ بڑی دیگ، سینی۔ لگن۔ کھانے کے برتن، اسی طرح سچے موتیوں کا ہار۔ نیز دیگر جواہرات مثل یاقوت، زمرد، نیلم، ہیرے کا نگ یا ہار یا جڑے ہوں جو تجارت کے لئے نہ ہوں معرفی ہوں یا مخزونہ، اس پر بھی زکوٰۃ نہ ہوگی۔ اور سونے چاندی کے سوا جتنا مال و اسباب ہو۔ اگر سوداگری کا سامان نہیں ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔

(۲۱) کسی کے پاس دس پانچ گھر ہوں جو کرایہ پر لگائے جاتے ہیں یا دیگ وغیرہ ہوں جو کرایہ پر چلتے ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ کرایہ پر چلانے سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح پیشہ ور لوگوں کے اوزار اور کتابوں پر زکوٰۃ نہیں۔ اگر وہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔

زکوٰۃ کی دوسری قسم

(فی زکوٰۃ الزروع والاثمار)

زکوٰۃ کی دوسری قسم زمین کی پیداوار اور پھل ہے۔ اس قسم کی زکوٰۃ کا نام عشر

ہے اور اکثر علماء کے علم سے موسوم ہے ورنہ درحقیقت یہ زکوٰۃ ہی ہے۔ اسی لئے صاحب ہدایہ نے عشر کے بیان کے لئے اس کے باب کا عنوان ہی "باب زکوٰۃ الزرع والثمار" رکھا۔ اور مصارف بھی عشر کے زکوٰۃ ہی کے ہیں اسلئے عشر کی ادائیگی کی فضیلت و ترک عشر کی مذمت کے لئے ان تمام آیات و احادیث کو سامنے رکھنا چاہئے جو ترک زکوٰۃ کے باب میں ثابت ہیں۔ اور شروع کتاب میں ذکر کی گئی ہیں۔

عشر کی فرضیت

مسلمانوں پر ان کی زمین کی پیداوار میں جو زکوٰۃ فرض ہے اس کو شریعت اسلام میں جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، عشر کہتے ہیں۔ اس کی فرضیت جو کتاب و سنت سے ثابت ہے قرآن مجید میں اس کے متعلق ایک آیت سورہ بقر میں ارشاد ہے:

یا ایھا الذین امنوا انفقوا من	ایمان والو! اپنی حلال اور پاک کمائیوں میں سے
طیبات ما کسبتم و مما اخرجنا لکم	اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے زمین سے تمہارے
من الارض (بقرہ ع ۳۷ پ ۳)	لئے پیدا کیا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔

اس آیت میں دو باتیں بتائی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ کی راہ میں کیسی چیزیں دینی چاہئیں۔ اس کے متعلق ارشاد ہے کہ اپنی کمائی سے طیب چیزیں خرچ کرو۔ طیب کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ دل سے اتری ہوئی ناپسندیدہ چیز اللہ کی راہ میں نہ دو۔ بلکہ عمدہ پسندیدہ مرغوب چیز اللہ کی راہ میں دو۔ یعنی صدقہ و خیرات میں خراب قسم کا پھل، خراب قسم کے غلے، خراب قسم کے جانور وغیرہ نہ دو۔ دوسری بات یہ کہ جو چیزیں از قسم اناج (غلے) میوے اور پھل وغیرہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں ان میں سے انفاق کرو۔ یعنی اللہ و رسول کا مقررہ حق ادا کرو۔

تفسیر مظہری میں حضرت علامہ ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

والصحیح ان الاٰیۃ فی الزکوٰۃ لان الامر	اور صحیح یہ کہ یہ آیت زکوٰۃ کے بارے میں ہے۔ اس لئے
للجب ولا وجہ لحملھا علی التطوع	کہ امر وجوب کے لئے ہے۔ اور اس کو تطوع (نفلی نفل) پر محمل

فهذا امر باخراج العشر من خارج الارض ۔

کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ پس یہ زمین کی پیداوار سے عشر نکالنے کا امر ہے۔

(مسئلہ) اجمع العلماء علی وجوب العشر فی النخل والکروم وفیما یقتات من الحبوب ان کان مسقیا بماء السماء او العیون او الاودیة والانهار التی لا مؤنة فیها او نصف العشر ان کان مسقیا بغرب او دالیة وعلی انه لا صدقة فی کلاء وحطب مما لا یراد به استغلال الارض الخ (صفحہ ۲۹۳)

(مسئلہ) کھجور کے درخت اور انگور اور غلہ جو کھانے کیلئے رکھا جا سکے ان سب میں عشر کے واجب ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ اگر آسمانی پانی اور چشمے یا نہر وغیرہ سے سیراب کئے گئے ہوں جس میں کوئی خاص مشقت نہیں ہوتی ہے اور ان سب میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ عشر کا واجب ہوگا۔ اگر اس کی سیرابی بذریعہ ڈول یا رہٹ وغیرہ کے کی گئی ہو۔ اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ ان گھاس اور لکڑیوں میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے جن سے زمین کی آمدنی مقصود نہ ہو۔

تفسیر "معالم التنزیل" میں ہے :-

قوله تعالی یا ایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات من خیار وقال ابن مسعود ومجاهد من حلالات ما کسبتم بالتجارة والصناعة وفیه دلالة علی اباحة الکسب وانه ینقسم الی طیب وخبیث ۔

(صفحہ ۱۳۲)

اللہ تعالیٰ کا قول :- ایمان والو خرچ کرو طیبات سے یعنی پسندیدہ چیزوں سے۔ ابن مسعود اور مجاہد نے کہا حلال چیزوں سے جو کچھ تم نے حاصل کیا ہو۔ بذریعہ تجارت اور صنعت و حرفت کے اور اس میں دلالت ہے کسب کی اباحت پر اور اس پر کہ انسان جو کچھ کسب کرتا ہے اور کماتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ طیب اور خبیث یعنی اچھی اور بری حلال اور حرام۔

(الی ان قال) ومما اخرجنا لکم من الارض قیل هذا امر باخراج العشور من الثمار والحبوب واتفق اهل العلم علی ایجاب العشر فی النخیل والکروم وفیما یقتات من الحبوب

(الی ان قال) (اور خرچ کرو) ان چیزوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے زمین سے۔ کہا گیا ہے کہ غلے اور پھلوں سے عشر نکالنے کے بارے میں حکم ہے۔ اور تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کھجور کے ان درختوں میں اور انگور میں اور ان غلوں میں جو کھانے کے لئے رکھے جا سکیں۔ اگر وہ سیراب کئے گئے ہوں آسمانی بارش سے یا ایسی نہر سے

ان كان مسقيا بماء السماء او من نهر يجرى الماء اليه من غير مؤنة وان كان مسقيا بسانية او بنضح ففيه نصف العشر (صفحہ ۱۳۲)

جس کا پانی بغیر مشقت کے پہنچتا ہو، عشر (یعنی پیداوار کا دسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا) واجب ہے۔ اور اگر سیراب کئے گئے ہوں پانی کھینچنے والے اونٹ سے یا کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو تو اس میں نصف عشر (یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے۔)

تفسیر "خازن" میں ہے :-

(والمسئلة الثانية) فى قوله تعالىٰ وما اخرجنا لكم من الارض ظاهر الاٰية يدل على وجوب زكوة فى كل ماخرج من الارض من النبات مما يزرع الادميون لكن جمهور العلماء خصصوا هذا العموم فاوجبوا الزكوة فى النخيل والكرم وفيما يقتات ويدخر من الحبوب واوجب ابو حنيفة الزكوة فى كل ما يقصد من نبات الارض الخ (صفحہ ۱۳۳ ج ۱)

اللہ تعالیٰ کے قول وما اخرجنا لکم من الارض کی ظاہر آیت ہر اس چیز میں جو زمین سے نکلے جس کی انسانوں نے کھیتی کی ہو۔ زکوٰۃ کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

لیکن جمہور علماء نے اس عموم میں تخصیص کر دی ہے۔ اور کھجور میں انگور میں اور ان غلوں میں جو کھانے کے لئے رکھا جا سکے زکوٰۃ واجب قرار دیا ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ہر اس پیداوار میں جو مقصود بالذات ہو، زکوٰۃ فرض لکھا ہے۔

امام رازی "تفسیر کبیر" میں لکھتے ہیں :-

المسئلة الاولى ـ ظاهر الاية يدل على وجوب الزكوة فى كل مال يكتسبه الانسان فيدخل فيه زكوة التجارة وزكوة الذهب والفضة وزكوة النعم لان ذلك مما يوصف بانه مكتسب ويدل على وجوب الزكوة فى كل ما تنبت

(مسئلہ اولیٰ) ظاہر آیت پر ہر اس مال میں جس کو انسان نے کما کر حاصل کیا ہو زکوٰۃ کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ پس اس میں تجارت کی زکوٰۃ، سونا چاندی کی زکوٰۃ، چوپایوں کی زکوٰۃ داخل ہے اسلئے کہ یہ سب اموال مکسوبہ کہے جاتے ہیں۔ اور یہ آیت ہر اس چیز پر جس کو زمین اگاتی ہو زکوٰۃ واجب کرتی ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول ہے۔ اور اس آیت میں ان کا استدلال نہایت ہی ظاہر ہے

الارض علی ما ھو قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

واستدلالہ بھذہ الآیۃ ظاھر جداً (ص ۵۱۰ ج ۲) ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

"شیخ زادہ" میں ہے:-

وقال الحسن المراد بھذہ النفقۃ الزکوٰۃ المفروضۃ لان ھذا امر والامر للوجوب واستدل ابو حنیفۃ لعموم ھذہ الآیۃ علی وجوب الزکوٰۃ فی کل ما تنبتہ الارض قلیلا کان او کثیرا۔ (صفحہ ۵۸۰ / ۱۵)

حسنؒ کا قول ہے کہ اس آیت میں خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ مفروضہ ہے۔ اس لئے کہ یہ امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ اور اسی آیۃ کے عموم سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہر اس چیز میں جس کو زمین اُگائے زکوٰۃ کے واجب ہونے کا استدلال کیا ہے۔ کم پیداوار ہو یا زیادہ ہو۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں امر وجوب کے لئے ہے۔ یعنی زکوٰۃ کی فرضیت کا اس سے ثبوت ہوتا ہے اور ما کسبتم کے معنی میں ہر قسم کی کمائی ہوئی چیز داخل ہے۔ چاہے تجارت کے ذریعہ ہو یا صنعت و حرفت کے ذریعہ ہو۔ اور وہ اموال مکسوبہ چاہے سونا چاندی ہوں یا جانور ہوں یا کوئی دوسری چیز ہوں اور مما اخرجنا لکم من الارض کے معنی میں ہر قسم کے غلے اور پھل داخل ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اس کی سیرابی بغیر مشقت کے بارش یا دریا کے پانی سے ہوئی تو اس میں عشر (یعنی دسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا) فرض ہے۔ اور اگر اس کی سیرابی کنویں سے یا مول کے پانی سے ہوئی ہو تو اسمیں عشر کا نصف یعنی بیسواں حصہ زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔

دوسری آیت سورۂ "انعام" میں ہے، ارشاد ہے:-

وھو الذی انشا جنّٰت معروشٰت وغیر معروشٰت والنخل والزرع مختلفا اکلہ والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہ کلوا من ثمرہ اذا اثمر واتوا حقہ یوم حصادہ الآیۃ

(انعام ع ۱۷ پ ۸) ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

اور وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے طرح طرح کے (درختوں کے) باغ پیدا کئے، ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے (جیسے انگور کی بیلیں) اور بغیر اس کے (جیسے عام درخت) اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کے پھل مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ نیز زیتون اور انار کے درخت صورت میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے اور

ایک دوسرے سے مختلف سو (خدا کی اس پیداوار کے)
پھل کھاؤ۔ جب اس میں پھل لگ جائیں اور
جس دن فصل کاٹو اس کا حق زکوۃ ادا کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے باغ اور کھجور اور ہر قسم کی کھیتی اور زیتون اور انار کا ذکر کرکے دو حکم دیا ہے۔ ایک تو یہ کہ ساری کھیتیاں اور باغات جن پر ہمارے رزق کا مدار ہے اللہ ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ کا انعام ہے کہ ان کی جانب سے یہ فرمان ملتا ہے کہ "کلوا" تم لوگوں کو اس کے کھانے کی اجازت ہے۔

دوسرا حکم یہ ملتا ہے کہ "اٰتوا حقہٗ" کہ ان کھیتوں کی پیداوار اور باغوں کے پھل کا حق ادا کرو جس کو عشر کہتے ہیں۔

تفسیر "خازن" میں ہے:۔

واختلفوا فی ھذا الحق المامور باخراجہ وقال ابن عباس وانس ابن مالک ھو الزکوۃ المفروضۃ وھذا قول طاؤس والحسن وجابر بن زید و سعید بن المسیب ومحمد بن الحنفیہ وقتادۃ قال قتادۃ فی قولہ واٰتوا حقہ یوم حصادہ ای من الصدقۃ المفروضۃ ذکر لنا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنّ فیما سقت السماء والعین السائحۃ او سقاہ النیل والندی او کان بعلاً العشر کاملاً و ان سقی بنضح اوسانیۃ فنصف العشر الخ

(صفحہ ۴۹ / ج ۲)

اس حق کے بارے میں جس کے نکالنے کا اس آیت میں حکم کیا گیا ہے۔ علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اور حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ زکوۃ مفروضہ ہے۔ یہی قول طاؤس کا ہے، حسن کا ہے، جابر بن زید کا ہے۔ سعید ابن المسیب کا ہے۔ محمد بن حنفیہ اور قتادہ کا ہے۔

آتوا حقہ یوم حصادہ کے بارے میں قتادہ کا قول ہے کہ یہ زکوۃ مفروضہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیداوار میں جس کو آسمان کی بارش نے، چشمے نے بہایا ہو یا نیل سے یا نمی سے سیرابی ہوتی ہو یہ سنت قرار دی ہے کہ اس میں کامل عشر ہے۔ اور اگر اونٹ یا رہٹ وغیرہ سے بہایا ہے تو اس میں نصف عشر ہے۔

ع بعلا بفتح الباء الموحدۃ وسکون العین المھملۃ وہو ما یشرب بعروقہ من الارض من غیر سقی سماء ولا غیرہا ...

"تفسیر کبیر" میں ہے:-

(البحث الثانی) فی تفسیر قولہ واٰتوا حقہ ثلٰثۃ اقوال - (الاول) قال ابن عباس فی روایۃ عطاء یرید بہ العشر فیما سقت السماء ونصف العشر فیما سقی بالدوالیب وھو قول سعید بن المسیب والحسن وطاؤس والضحاک - فان قالوا کیف یؤدی الزکوۃ یوم الحصاد والحب فی السنبل وایضاً ھٰذہ السورۃ مکیۃ وایجاب الزکوۃ مدنی قلنا لما تعذر اجراء قولہ واٰتوا حقہ علٰی ظاھرہ بالدلیل الذی ذکرتم - لاجرم حملناہ علٰی تعلق حق الزکوۃ بہ فی ذٰلک الوقت والمعنی اعزموا علٰی ایتاء الحق یوم الحصاد ولا تؤخروہ عن اول وقت یمکن فیہ الایتاء - والجواب عن السؤال الثانی لا نسلم ان الزکوۃ ما کانت واجبۃ فی مکۃ بل لا نزاع ان الاٰیۃ المدنیۃ وردت بایجابھا الا ان ذٰلک لا یمنع انھا کانت واجبۃ بمکۃ وقیل ایضاً ھٰذہ الاٰیۃ مدنیۃ

(بحث ثانی) واٰتوا حقہ یوم حصادہ کی تفسیر میں تین قول ہیں - (پہلا قول) عطاء کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس سے عشر ہے - (اس زمین کی پیداوار میں) جس کو آسمانی بارش نے پلایا ہو اور نصف عشر ہے، اس میں جو رہٹ سے پلایا گیا ہو - سعید بن المسیب - حسن - طاؤس - ضحاک کا قول یہی ہے اگر یہ شبہہ ہو کہ کاٹنے کے دن زکوۃ کس طرح ادا کیجائیگی، اس دن تو دانے خوشے میں رہتے ہیں - نیز یہ سورۃ مکی ہے اور زکوٰۃ کا واجب کیا جانا مدینہ میں ہے - ہم اسکا جواب دیں گے کہ جیسا کہ تم نے ذکر کیا کہ ظاہر معنی پر آیت کو حمل کرنا متعذر ہے - یہ آیت اس معنی پر محمول ہے کہ کاٹنے کے وقت میں زکوۃ کے حق کا تعلق ہو گیا - اور مراد یہ ہے کہ کاٹنے ہی کے دن ادائیگی عشر کی عزیمت کر لو - اور سب سے پہلے موقع میں جس وقت ادا کرنا ممکن ہو جائے ادائیگی عشر میں تاخیر نہ کرو دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم کو یہ تسلیم نہیں ہے کہ زکوۃ مکہ میں واجب نہیں ہوئی تھی - ہاں اس میں کوئی نزاع نہیں ہے کہ مدنی آیت زکوٰۃ کے ایجاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ اس کو مانع نہیں ہے کہ مکہ میں زکوۃ واجب ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت واٰتوا حقہ یوم حصادہ مدنی ہے

÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) انظر فی النسخۃ رۃ وکل نخل وزرع لا یسقی - او ما سقتہ السماء - قیل ہو الاشجار التی تشرب بعروقہا من الارض - السانیۃ ہی البعیر الذی یستقی بہ الماء من البیر ویقال لہ الناضح ۱۲

(والقول الثانی) ان ھذا حق فی المال سوی الزکوٰۃ - وقال مجاھد اذا حصدت فحضرت المساکین فاطرح لھم منه - و اذا دسته وذریته - فاطرح لھم منه واذا کیلته فاطرح لھم منه - واذا عرفت کیله فاعزل زکوٰته -

(دوسرا قول) اس آیت میں جس حق کا ذکر ہے - وہ ایسا مالی حق ہے - جو زکوٰۃ کے سوا ہے - مجاہد کا قول ہے کہ جب کھیتی کٹے اور مساکین آجائیں تو اس سے کچھ مساکین کو دیدو - اور جب اس کی مالش کرکے اُساون کرو تو مساکین کو اس سے کچھ دو - اور جب اس کو وزن کرنے لگو اس وقت بھی اس سے مساکین کو دو - اور جب وزن معلوم ہو جائے اس وقت اس کی زکوٰۃ یعنی عشر نکالو -

(والقول الثالث) ان ھذا کان قبل وجوب الزکوٰۃ فلما فرضت الزکوٰۃ نسخ ھذا - وھذا قول سعید بن جبیر

(تیسرا قول) یہ حق زکوٰۃ کے واجب ہونے سے پہلے تھا - جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو یہ منسوخ ہو گیا - یہ قول سعید بن جبیر کا ہے -

والاصح ھو القول الاول والدلیل علیه ان قوله تعالیٰ واٰتوا حقه انما یحسن ذکره لو کان ذلک الحق معلوما قبل ورود ھذه الاٰیة لئلا تبقی ھذه الاٰیة مجملة - وقد قال علیه الصلوٰۃ والسلام لیس فی المال حق سوی الزکوٰۃ فوجب ان یکون المراد بھذا الحق حق الزکوٰۃ (صفحہ ۲۳۵ ج ۲)

اور سب سے صحیح تر قول پہلا قول ہے - دلیل اس پر یہ ہے واتوا حقه الخ کے ارشاد کا ذکر مستحسن اس حالت میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے پہلے یہ حق معلوم ہو تاکہ یہ آیت مجمل نہ رہے - اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مال میں سوائے زکوٰۃ کے کوئی (فرض) حق نہیں ہے - پس واجب ہوا کہ اس حق سے مراد زکوٰۃ کا حق ہو -

÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

اسی طرح کی تصریحات تمام ذمہ دار تفسیروں میں ہیں - سب کا حاصل یہ ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ عشر کی فرضیت کے بارہ میں ہے - اور یہی قول صحیح ہے - پھر اس کے متعلق احادیث میں بیان ہے کہ جس حق کو ادا کرنے کے لئے حکم دیا جا رہا ہے، وہ حق کیا ہے - اس بنا پر اصل زکوٰۃ عشر کی فرضیت دلیل قطعی یعنی قرآن مجید سے ثابت ہے - اور مقدار عشر حدیث سے ثابت ہے - اور چونکہ آیت اس مقدار کے بیان میں مجمل ہے لہٰذا احادیث سے جو مقدار ثابت ہوگی، آیت کی مراد میں داخل ہوگی -

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

لاشك ان الكتاب مجمل۔ والحكم فيه التوقف الى ان ياتى البيان والبيان فوض الى رسول اللہ صلى اللہ تعالى عليه وسلم۔ والنبى صلى اللہ تعالى عليه وسلم بين ذلك فى سائر الاموال فيكون اصل الزكوة ثابتا بدليل قطعى والمقدار بالحديث

(عمدۃ القاری ج ۴ صفحہ ۲۵)

کوئی شک نہیں ہے کہ کتاب کا حکم مجمل ہے اور مجمل حکم میں یہاں تک توقف کرنا ہے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے اس کا بیان آجائے۔ اور بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جملہ قسم کے مال کے بارے میں بیان فرما دیا ہے۔ پس اصل زکوۃ تو دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ اور مقدار زکوۃ حدیث سے ثابت ہے۔

اسی لئے امام نووی زکوۃ کی بحث میں مال کی زکوۃ کے بعد عشر کی زکوۃ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کی زکوۃ پر اجماع ہے جیسا کہ تفسیر مظہری کے حوالہ میں بھی گذر چکا ہے کہ وجوب عشر پر علماء کا اجماع ہے۔

ثم جعلها فى اموال النامية وهى العين والزرع والماشية۔ واجمعوا على وجوب الزكوة فى هذه الانواع الخ

(نووی شرح مسلم کتاب الزکوۃ ج ۱ صفحہ ۳۱۵)

اللہ تعالیٰ نے اموال نامیہ میں زکوۃ مقرر کیا ہے۔ وہ عین، اور کھیتی اور جانور ہیں۔ اور جملہ انواع کی زکوۃ کے وجوب پر اجماع ہے۔

عشر کی مقدار

کلام مجید سے اس قدر معلوم ہوا کہ غلہ میں زکوۃ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے مملوکہ غلہ سے بھی کچھ نکالنا چاہئے۔ کس قدر نکالنا چاہئے اسکے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ

فيما سقت السماء والعيون او كان عثريا **العشر**۔ وما سقى بالنضح نصف العشر۔

(رواہ البخاری عن عبد اللہ بن عمر)

جو زمین آسمانی بارش اور نہروں سے سیراب ہوتی ہو یا سوت دار زمین ہو (یعنی بلا خرچ سیراب ہو) تو اس میں دسواں حصہ زکوۃ فرض ہے۔ اور جو زمین کنوئیں وغیرہ سے پانی کھینچکر سیراب کیجاتی ہے تو اس میں بیسواں حصہ زکوۃ ہے۔

اس مضمون کی بہت سی حدیثیں ہیں ۔ مگر مفہوم سب کا ایک ہے ۔ اس لئے صرف ایک حدیث شریف لکھدی گئی ۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ عشر کی کتنی مقدار ہے ۔ اور جس طرح سونے چاندی کی زکوٰۃ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ چالیسواں حصّہ زکوٰۃ ہے ۔ اسی طرح غلہ کی بھی زکوٰۃ میں بھی فرمایا کہ دسواں حصّہ یا بیسواں حصّہ ہے ۔ غلہ کی زکوٰۃ کو سونا چاندی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے ۔ یعنی غلہ میں بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ دی جائے ، یہ بالکل غلط ہے ۔ کسی مذہب میں بھی درست نہیں ہے ۔

عشر کا نصاب

سونے چاندی ، جانور وغیرہ کی زکوٰۃ کے لئے ایک مقدار معین ہے ۔ اس سے کم میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ، جس کو نصاب کہتے ہیں ۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ۔ تو اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ عشر میں یعنی غلہ کی زکوٰۃ کے لئے بھی نصاب ہے یا نہیں ؟ تو اس کے متعلق یہ مسئلہ ہے کہ امام ابو حنیفہ[ف] رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلہ کے لئے نصاب مقرر نہیں ہے ۔ بلکہ جس قدر پیدا ہو

ف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے متعلق علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں :-

واحتج بظاھر الحدیث بما ذکرنا وعموم قولہ تعالیٰ ومما اخرجنا لکم من الارض وقولہ تعالیٰ واٰتوا حقہ یوم حصادہ۔ واستثنی ابو حنیفۃ من ذلک الحطب والقصب والحشیش والتبن والسعف وھذا الاختلاف فیہ لاحد۔ وذکر فی المبسوط الطرفاء عوض الحطب والسعف ورق جرید النخل الذی تصنع منہ المراوح ونحوھا الی ان قال قول ابی حنیفۃ مذہب ابراھیم النخعی ومجاھد وحماد وزفر وعمر بن عبد العزیز

حضرت امام ابو حنیفہ رح نے ظاہر حدیث اور خداوندی ارشاد ممّا اخرجنا لکم من الارض ۔ واٰتوا حقہ یوم حصادہ کے عموم سے استدلال کیا ہے اور اس سے لکڑی ۔ زکٹ خشک و تر گھاس اور کھجور کے پتے کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عشر سے مستثنیٰ کر دیا ہے ۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور مبسوط میں حطب کی جگہ طرفاء کا ذکر ہے ۔ اور سعف کہتے ہیں کھجور کے پتوں کو جن سے پنکھے وغیرہ بنائے جاتے ہیں (الی ان قال)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول ہے ۔ یہی مذہب ہے ابراہیم نخعی کا ۔ مجاہد کا ۔ حماد کا ۔ زفر کا ۔ عمرو بن عبد العزیز کا ذکر کیا اس کو ابو عمر نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کا دسواں یا بیسواں حصہ نکالنا فرض ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کے نزدیک عشر کے لئے بھی نصاب ہے۔ یعنی پانچ وسق سے کم میں زکوۃ یعنی عشر فرض نہیں ہے۔ اور ایک وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے (اور فی صاع ۲۰۰ ۔۲ ماریختہ بحساب ۸۰ روپیہ سیر ہوتا ہے) تو اس حساب سے پانچ وسق کی مقدار ~~~ اٹھارہ من تیس سیر) ہوئی۔ اور یہی نصاب عشر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہوا۔ اس سے کم پیداوار ہوا ہو تو عشر واجب نہیں۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج میں خود فرماتے ہیں کہ دونوں قول ہیں۔ یعنی نصاب کا اعتبار اور عدم اعتبار۔ پس بیت المال اور قوم کے لئے جو اصلح اور مفید ہو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ یعنی وہ خود بھی امام صاحب کے قول پر عمل کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور احوط بھی یہی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کر کے قلیل اور کثیر سب کا عشر ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ قوم کے لئے اصلح اور مفید یہی ہے۔ اور احتیاط بھی اسی کی مقتضی ہے۔

عشر کے شرائط

غلوں اور پھلوں کا عشر ان چیزوں کی زکوۃ ہے۔ اس لئے عشر کا مصرف وہی ہے جو مصارف زکوۃ کے ہیں۔ لیکن اور مالوں پر جو زکوۃ فرض ہے۔ ان کے لئے جو شرائط ہیں ان کے اعتبار سے عشر کے واجب ہونے کے جو شرائط ہیں وہ ان سے جداگانہ ہیں۔ اسلئے

ذکرہ ابو عمر و ھو مروی عن ابن عباس و ھو قول داؤد۔ واصحابہ فیما لا یوسق وحدہ یحیی ابن ادم بسند جید عن عطاء ما اخرجتہ الارض فیہ العشر او نصف العشر وقالہ ایضا حفص ابن غیاث عن اشعث عن الحکم وعن ابی بردہ فی الرطبۃ صدقۃ الخ (عمدۃ القاری صفحہ ۲۲۴/۴)

اور یہی روایت کی گئی ہے حضرت ابن عباس سے۔ اور یہی قول ہے داؤد کا اور ان کے اصحاب کا ان چیزوں میں جن کا وسق سے اندازہ نہیں کیا جاتا ہے۔ اور جید سند سے یحیی ابن آدم عطا سے روایت کرتے ہیں کہ ما اخرجتہ الارض الخ یعنی زمین سے جو کچھ نکلے اس میں یا تو عشر ہے یا نصف عشر ہے۔ نیز حفص بن غیاث اشعث عن الحکم اور ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں کہ "فی الرطبۃ صدقۃ" یعنی ہر قسم کی رطب چیز میں صدقہ ہے۔

عشر کے شرائط یہاں لکھے جاتے ہیں:-

(۱) جس شخص پر عشر واجب ہے، اس کا صرف مسلمان ہونا شرط ہے یعنی کافروں پر عشر فرض نہیں ہے۔ کیونکہ عشر زکوٰۃ ہے، اور زکوٰۃ وہ عبادت ہے جو مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص ہے۔ کفار اس نعمت سے محروم ہیں، اور صرف مسلمان اس لئے لکھا گیا کہ عاقل بالغ ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے نابالغ اور مجنون کی زراعت میں بھی عشر فرض ہے۔ اور دین سے فارغ البال ہونے کی بھی شرط نہیں ہے۔ اس لئے عشر بہر حال فرض ہے، دین ہو یا نہ ہو اور اگر ہو تو عشر نکالنے کے بعد دین ادا کیا جائیگا۔ اور جس پر عشر واجب ہے، اس کیلئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اس زمین کا مالک بھی ہو۔ اس لئے عاریتہً اور اجارۃً کاشت کرنے والوں پر نیز موقوفہ کے کاشت کرنے والوں پر بھی عشر فرض ہے (اگر وہ لوگ مسلمان ہوں) ایک سال پورا گزرنا بھی شرط نہیں ہے۔ اس لئے اگر کسی زمین میں سال کے اندر چند مرتبہ پیدا ہوا ہو یعنی چند فصل ہوتی ہو۔ تو ہر مرتبہ اور ہر فصل میں عشر فرض ہے۔ یہ بھی شرط نہیں کہ کیا چیز ہو۔ اور کتنے پیداوار اور کس قدر ہونا چاہئے۔ یعنی اس کے لئے نصاب شرط نہیں ہے، جیسا کہ اوپر گزرا۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

(۲) وجوب عشر کے لئے پیداوار ایسی زمین کی ہونی چاہئے کہ جس پر مسلمان بادشاہ، یا خلیفۃ المسلمین یا ان کے قائم مقام کی طرف سے باصول شریعت خراج مقرر نہ ہو۔ اور اگر کبھی مقرر ہوا ہو تو پھر کسی وقت میں وہ تقرر باقی نہ ہو۔ پس خراج مذکور الصدر جس زمین پر ہوگا، اس کی پیداوار میں عشر نہ ہوگا۔ لیکن یہ مسلک ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اور وہ اسی بنا پر ہے کہ خراج شرعی اور عشر شرعی دونوں ایک زمین پر نہیں ہونا چاہئے۔

دیگر ائمہ رحمہم اللہ کا یہ مسلک ہے کہ خراجی زمین کی پیداوار میں بھی عشر ہے۔ کیونکہ آیات و احادیث جو وجوب عشر میں وارد ہیں، ان میں زمین کی تفصیل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ خراج زمین کا ٹیکس ہے جو عبادت نہیں ہے۔ اور عشر زکوٰۃ ہے جو عبادت ہے۔ اس لئے دوہرا ٹیکس نہیں ہوا۔ بہر کیف یہ شرط مختلف فیہ ہے۔

ف البحر الرائق۔ ہدایہ۔ عالمگیری۔ الغرض تمام کتب فقہ کے باب عشر میں یہ سب

اصول اور مسائل مندرج ہیں، لبسبب اختصار عبارتیں نہیں لکھی جاتی ہیں۔

ہمارے ائمہ حنفیہ رحمتہ اللہ علیہم کے قول کی بنا پر اب یہ معلوم کرنا ضروری ہوا کہ شرعاً کس قسم کی زمینیں خراجی ہوتی ہیں۔ اور خراجی ہونے کے بعد کن حالات میں خراج شرعی ساقط ہو جاتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ کن مسلمانوں کی کس قسم کی زمین زراعت پر عشر واجب ہے۔ اس لئے زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے باعث جو اصول ہمارے فقہائے کرام نے لکھے ہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ ان کے بعد دیگر اصول بیان کر کے ہندوستانی زمین کے احکام بیان کئے جائیں گے کہ عشری ہیں یا نہیں؟

زمین کے عشری و خراجی ہونے کا بیان

شرعاً زمین کے خراجی ہونے کی ابتداً حسب ذیل صورتیں ہیں:۔

(۱) جب کفار کے ملک و بلاد کو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کر لیا لیکن زمین مسلمانوں میں تقسیم نہیں کی گئی، بلکہ زمین ان ہی کافروں کی ملک میں چھوڑ دی گئی تو اس زمین پر مسلمان حاکم خراج مقرر کریگا۔ کتاب الخراج امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کا حوالہ صفحہ میں گذر چکا ہے۔

(۲) کسی شہر، گاؤں یا ملک کے کافروں نے بغیر لڑائی و جہاد مسلمانوں کی اطاعت کر لی ہو اور صلح کر لی ہو تو اس صورت میں بھی ان مقامات کی زمین کافروں ہی کی ملک ہوگی اور اس پر خراج لگایا جائیگا۔ اس کے متعلق بھی کتاب الخراج کا حوالہ صفحہ میں گذر چکا ہے ان صورتوں میں خراجی زمین ابتداءً کافر ہی کی ملک و قبضہ اور تصرف میں ہوگی مسلمانوں کے نہیں۔

عشری ہونے کی ابتداءً پانچ صورتیں ہیں۔

(۱) اول یہ کہ کسی شہر اور گاؤں کے حربی کفار مسلمان ہو گئے۔ تو وہ شہر اور گاؤں عشری ہوگا۔ یعنی ان کی اپنی تمام زمینوں کی پیداوار میں عشر (جو زکوٰۃ ہے) ادا کرنا ہوگا۔

(۲) دوم یہ کہ ملک عجم کے بلاد کو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کر لیا۔ اور وہاں کی زمین مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دی گئی۔ تو وہ بھی عشری ہوگی۔ ان دونوں صورتوں کے متعلق

کتاب الخراج امام ابو یوسف کا حوالہ صفحہ ــــ میں گزر چکا ہے۔

(۳) سوم یہ کہ عرب کے بت پرستوں پر مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح پائی تو وہاں کی سب زمین عشری ہوگی۔ اگرچہ وہ زمین مسلمانوں کے درمیان تقسیم نہ کی جائے۔ کیونکہ جزیرۂ عرب میں کفار کے قیام کی کوئی صورت ہی نہیں ہے جو ان پر خراج لگایا جائے۔ ان کے لئے ارض مقدس میں صرف یہ حکم ہے کہ مسلمان ہو جاؤ یا نہیں تو اپنے کفر پر اپنی جانیں ضائع کرو۔ چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:۔

وکذٰلک کل من لا تقبل منہ الجزیۃ ولا یقبل منہ الا الاسلام او القتل من عبدۃ الاوثان من العرب فارضھم ارض عشر وان ظھر علیھا الامام لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد ظھر علی ارضین من ارض العرب وترکھا فھی ارض عشر حتی الساعۃ (ص ۶۲)

تمام وہ لوگ جن کے متعلق قانون اسلام کی رو سے یہی فیصلہ ہے کہ وہ اسلام قبول کریں یا قتل کر دیئے جائیں۔ (اور وہ عرب کے بت پرست ہیں) تو ان کی کل زمین عشری ہے۔ اگرچہ امام المسلمین بزور شمشیر فتح کرے۔ اور بین المسلمین زمین تقسیم نہ کرے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عرب کی زمین کو فتح کیا اور مسلمانوں پر تقسیم نہیں کیا پس وہ سب قیامت تک کیلئے عشری ہیں۔

(۴) اسلامی مقبوضہ کی پڑتی زمین جس پر کسی کا قبضہ نہ ہو، اس کو کسی مسلمان کا آباد کرنا اور عشری زمین سے اس کا قریب ہونا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کو عشری بناتا ہے اور امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر وہ عشری پانی سے سیراب ہو تو عشری ہے۔ یا خراجی اور عشری دونوں پانی سے سیراب ہوتی ہو تب بھی عشری ہے۔

(۵) کسی مسلمان نے اپنے گھر کی زمین کو باغ[عہ] یا کھیت بنایا تو اس پر بہر حال عشر واجب ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اس کی سیرابی صرف خراجی پانی سے نہ ہوتی ہو۔

الغرض پانچوں صورتوں سے ظاہر ہے کہ ابتداءً جو زمین عشری ہوتی ہے وہ زمین ہے کہ جس کے مالک مسلمان ہوتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ مسلمانوں کے قبضہ میں

عہ عموماً سکونتی مکان میں ایک دو درخت پھلدار ہوا کرتے ہیں۔ وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔ لہٰذا اس میں عشر واجب نہ ہوگا۔ عالمگیری میں ہے وفی دار رجل نخلۃ مثمرۃ لا عشر فیھا۔ کذا فی شرح المجمع لابن الملک (کتاب الزکوٰۃ

ابتداءً جو زمین اگر کھیت ہو یا باغ ہو تو اس پر عشر ہی واجب ہے۔ اور یہاں کی کُل زمینیں عشری ہوتی ہیں۔

عشری اور خراجی کا تغیّر و تبدّل

بعض صورتیں ایسی ہیں کہ عشری زمین خراجی ہو جاتی ہے۔ مثلاً جب کسی مسلمان نے اپنی عشری زمین کو کسی کافر کے ساتھ بیع صحیح کیا۔ اور وہ زمین کافر کی ملک صحیح ہو گئی۔ اور کسی دوسرے مسلمان کی ملک میں بذریعہ حق شفعہ وغیرہ منتقل نہ ہوئی ہو تو وہ زمین اب خراجی ہوگی۔ یعنی اس کافر پر جس نے مسلمان کی زمین کو خریدا کیا اس پر شرعاً خراج ہی واجب ہوگا۔ کیونکہ کافر پر عشر جو زکوٰۃ و عبادت ہے فرض نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس زمین کا ٹیکس (خراج) لیا جائے گا۔ اس کے بعد اس زمین کو اگر کوئی مسلمان پھر خرید کرے تو ہمارے فقہاء حنفیہ کے نزدیک اس مسلمان پر بھی خراج ہی واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے خود خراج کی ذات کو دلی خوشی سے گوارا کیا۔ اسی طرح بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے خراجی زمین عشری ہو جاتی ہے۔ مثلاً خراجی زمین کا مالک بغیر وارث مر گیا۔ اس لئے وہ سلطانی خزانہ میں داخل ہو گئی۔ اب بیت المال کے منتظم یا سلطان اسلام سے جو مسلمان اس زمین کو خرید کرے گا تو اس پر عشر واجب ہوگا۔ بعض فقہاء نے غلطی سے یہ لکھ دیا تھا کہ اس صورت میں عشر واجب نہیں ہے۔ اس کی تردید ابن عابدین رحمتہ اللہ علیہ نے بہت زور دار الفاظ میں کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

قلت ولا یخفی ما فیه لانهم قد صرحوا بان فریضة العشر ثابتة بالکتاب والسنة والاجماع والمعقول۔ وبانه زکوٰة الاثمار والزروع۔ وبانه یجب فی الارض الغیر الخراجیة وبانه یجب فیما لیس بعشری ولا خراجی کالمفاوز

میں کہتا ہوں کہ جو یہ کہا گیا ہے کہ جو زمین بیت المال کی ملکیت میں آگئی اور بیت المال سے خریدی گئی اور پھر منتقل کی گئی اس پر عشر کا واجب ہونا منقول نہیں ہے یعنی صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ تمام فقہاء کرام نے تشریح فرمائی ہے کہ عشر کی فرضیت کتاب اللہ۔ احادیث اجماع و قیاس سے ثابت ہے اور اس کی بھی تصریح فرمائی ہے کہ عشر پھلوں اور کھیتوں کی زکوٰۃ ہے

الجبال - وبان سبب وجوبه الارض
النامية بالخارج حقيقة وبانه
يجب في ارض الصبي والمجنون و
المكاتب لانه مؤنة الارض
وبان الملك غير شرط فيه
بل الشرط ملك الخارج فيجب
في الاراضي الموقوفة لعموم قوله
تعالى انفقوا من طيبات ما كسبتم
ومما اخرجنا لكم من الارض وقوله
تعالى واتوا حقه يوم حصاده
وقوله صلى الله عليه وسلم
ما سقت السماء ففيه العشر
وما سقي بغرب او دالية ففيه
نصف العشر ولان العشر
يجب في الخارج لا في الارض فكان
ملك الارض وعدمه سواء
كما في البدائع ولا شك ان
هذه الارض المشتراة وجد
فيها سبب الوجوب وهو الارض
النامية وشرطه وهو ملك الخارج
ودليله وهو ما ذكرنا وقول المتن
يجب العشر في مسقي سماء وسيح الخ
فالقول بعدم الوجوب في خصوص
هذه الارض يحتاج الى دليل خاص

اور یہ کہ عشر ارض غیر خراجی میں واجب ہے - بلکہ
جو زمین نہ خراجی ہے اور نہ عشری ، اس میں بھی عشر
واجب ہے - جیسے جنگل اور پہاڑ کی پیداوار پر اور
اس کی بھی تصریح ہے کہ عشر کے واجب ہونے کا
سبب وہ زمین ہے کہ جس میں خارج زمین کا نمو ہو
اور یہ کہ عشر بچے اور مجنون اور مکاتب کی زمین پر بھی
واجب ہے - کیونکہ ایک معنی سے زمین کی شرعی لگان ہے
اور یہ بھی تصریح کی گئی ہے کہ وجوب عشر میں زمین
کی ملکیت شرط نہیں ہے - بلکہ زمین کی پیداوار کا مالک ہونا
شرط ہے - اس لئے موقوفہ زمین میں بھی عشر واجب
ہے - کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عام ہے کہ خرچ کرو
اپنے پاک وطیب کسب سے - اور ان چیزوں سے جو
ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے - اور یہ بھی
اللہ کا حکم عام ہے کہ زمین کی پیداوار کا وہ حق
ادا کرو جو اس کے کاٹنے کے دن تم پر لازم ہو گیا اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو زمین آسمانی
پانی سے سیراب ہو اس میں پورا دسواں حصہ زکوٰۃ ہے
اور جو زمین ڈول یا رہٹ سے سیراب کی جائے ، اسمیں
بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے - اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ
عشر پیداوار میں واجب ہے نہ کہ زمین میں - اس لئے زمین
کا مالک ہونا - نہ ہونا دونوں برابر ہے - جیسا کہ بدائع
میں مذکور ہے - بلاشبہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ
جو زمین بیت المال سے خریدی گئی ، اسمیں عشر کے وجوب کا سبب پایا گیا
اور وہ ارض نامیہ ہے - اور وجوب عشر کی شرط بھی پائی گئی اور

ونقل صاحب المنتهى مختصراً
(شامی ص ۔۔۔ باب العشر والخراج والجزیہ)

اسکی پیداوار کا مالک ہوتا ہے۔ لہذا اس مخصوص زمین میں عشر کا واجب ہونا خاص دلیل کا محتاج ہے اور نقل صریح تو جانبا ہے

علامہ شامی کی اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ خراجی زمین جب اراضی سلطانیہ میں جائز طور پر شامل ہو جائے تو وہ بھی عشری ہو جاتی ہے۔

عشر کے بعض جزئی مسائل

(۱) جس قدر کھیت اور باغ میں پیدا ہو۔ اس کے کُل کا دسواں حصّہ یا بیسواں حصّہ عشر نکالنا چاہیے۔ یعنی اگر آسمانی اور دریائی پانی سے سیرابی ہوتی ہے تو دسواں حصّہ اور اگر ڈول، لاٹھا کنڈی وغیرہ سے ہوتی ہو۔ یا پانی مول لینا پڑتا ہو تو بیسواں حصّہ عشر نکالنا چاہیے۔ کنواں کا مالک خود ہی ہو۔ یا زمیندار ہو۔ اور پانی حکومت سے مول لینا پڑتا ہو۔ یا کسی دوسری کمپنی یا مہاجن سے۔

(۲) مزارعت کے جملہ اخراجات مزدوری۔ بیج۔ ہل اور بیل۔ یا خرچ محافظت ہو۔ یا کُل اندازی یا زمین کی اجرت ہو۔ یا اسی طرح کی دوسری الغرض کوئی خرچ منہا نہیں ہوگا۔ بلکہ زمین کی پیداوار کے جتنے حصّہ کا مالک ہو اس کو لینے ملو کہ غلہ اور پھل کا عشر یا نصف عشر نکالنا ہوگا۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ کُل اخراجات یا بعض کو وضع کرکے عشر ہونا چاہیے۔ یا ان کی یہ خواہش ہوتی ہے تو یہ کوئی نئی خواہش یا نیا شبہ نہیں ہے۔ پہلے بھی لوگوں کو ہوا ہے۔ اور جو جواب فقہاء کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے دیا ہے، وہی جواب آج بھی ہے بحوالہ "درر" علامہ شامی پہلے اس مسئلہ کو اس طرح لکھتے ہیں:۔

یجب العشر فی الاوّل ونصف فی الثانی بلا رفع اجرۃ العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحافظ ونحو ذلك (درر)

یعنی آسمانی اور دریائی سیرابی کی صورت میں دسواں حصّہ زکوٰۃ واجب ہے اور رہٹ وغیرہ کے ذریعہ سیرابی کی صورت میں بیسواں حصّہ زکوٰۃ واجب ہے۔ بغیر منہا دیگر اخراجات جیسے مزدور کی اجرت بیلوں کے اخراجات وغیرہ

اس کے بعد علامہ شامی اخراجات کے متعلق لکھتے ہیں:-

قال في الفتح يعني لا يقال بعدم
وجوب العشر في قدر الخارج
الذي بمقابلة المؤنة بل يجب
العشر في الكل لانه عليه الصلوٰة
والسلام حكم بتفاوت الواجب
لتفاوت المؤنة ولو رفعت
المؤنة كان الواجب واحداً
وهو العشر دائماً في الباقي لانه
لم ينزل الى النصف الا للمؤنة
والباقي بعد رفع المؤنة لا مؤنة
فيه فكان الواجب دائماً العشر
لكن الواجب قد تفاوت شرعاً
فعلمنا انه لم يعتبر شرعاً عدم
عشر بعض الخارج وهو القدر
المساوي للمؤنة اصلاً الخ

(رد المحتار ص ۵۱ ج ۲ باب العشر)

صاحب فتح القدیر نے کہا ہے کہ یہ خیال بھی نہیں کیا
جا سکتا ہے کہ جس قدر زراعت میں خرچ ہو۔
اس مقدار کے موافق پیداوار کا حصہ عشر سے بری
ہوگا۔ اور خرچ کو وضع کرنے کے بعد جو مقدار بچے
اسی پر عشر ہوگا۔ بلکہ عشر پورے پیداوار میں واجب ہے
اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عشر کے
دو درجے متفاوت (دسواں اور بیسواں حصہ) مقرر
فرمایا ہے تو وہ خرچ کے مراتب کے لحاظ کی بنا پر ہے
اور اگر خرچ کو وضع کر کے عشر مقصود ہوتا تو ہر حال
میں وجوب عشر کی مقدار ہمیشہ بعد وضع اخراجات دسواں
حصہ ہوتی لیکن شرعاً واجب متفاوت ہے۔ تو
اس سے معلوم ہوا کہ اخراجات کو وضع کر کے عشر نکالنا
شرعاً معتبر نہیں ہے۔ بلکہ کل کا کل عشر یعنی دسواں حصہ
یا بیسواں حصہ نکالنا چاہیے۔ (ملخصاً)

(۳) جو کھیت بٹائی پر ہو۔ یعنی جو پیداوار زمین مالک اور کاشتکار کے درمیان تقسیم ہوتی ہے، عام ازیں کہ نصفا نصف ہو یا کمی بیشی کے ساتھ، تو ایسی صورت میں ہر ایک کو اپنے اپنے حصہ کا عشر نکالنا چاہیے۔ یعنی جتنے غلے کا مالک ہو وہ اسی قدر کا عشر ادا کرے۔ کیونکہ عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ اور پیداوار دونوں کے درمیان مشترک ہے اس لئے دونوں پر عشر واجب ہے۔ یہ صاحبین کا مسلک ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(۴) نقدی کھیت کی پیداوار کا عشر کاشتکار کے ذمہ ہے۔ مالک پر نہیں۔ کیونکہ پیداوار کا مالک کاشتکار ہے۔

(۵) کسی مسلمان نے اپنا کھیت کسی دوسرے مسلمان کو کاشت کرنے کے لیے عاریتہً دیا تو عاریتہ لینے والے کے ذمہ عشر ہوگا۔ کیونکہ وہی پیداوار کا مالک ہے۔ اور اگر کسی غیر مسلم کو عاریتہً دیا تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک عاریت دینے والے پر عشر ہے۔ کیونکہ اس نے کافر کو اپنا کھیت دیکر عشر کے سقوط کا باعث ہوا ہے۔ کیونکہ کافر پر عشر نہیں۔

(۶) جو شخص اپنے کھیت کو بٹائی پر کاشت کرنے کے لیے غیر مسلم کو دیگا تو عشر اُسی کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ امام صاحب کے قول پر عموماً مالک زمین کے ذمہ عشر ہے۔ بدائع میں ہے:۔

اما علی مذهب ابی حنیفه فالمزارعة فاسدة ولو كان يجيزها لوجب على مذهبه جميع العشر على صاحب الارض الا ان فی حصته جميع العشر يجب فی عينه وفی حصة المزارع يكون دينا فی ذمته

(صفحہ ۵۶ ج ۲)

امام ابو حنیفہ کے مذہب پر مزارعت فاسد ہے۔ اگر اس کو جائز رکھے تو امام صاحب کے مذہب پر پورا عشر مالک زمین پر ہوگا۔ لیکن اس کے اپنے حصہ میں عین پیداوار پر واجب ہوگا۔ اور بٹائی کرنے والے کے حصہ میں پیداوار کی قیمت اس کے ذمہ ہوگی۔

(۷) جو چیز زیادہ دن تک باقی نہیں رہتی ہے۔ مثلاً کھیرا۔ ککڑی۔ کدو۔ اور اسی طرح کی چیزیں تو ان سب کا عشر نکال کر مقامی طور پر فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دینا چاہیے۔ اور بیت المال میں اطلاع حساب کی دی جائے۔ تاکہ قومی حیثیت موجود رہے۔

(۸) زمین کی ہر پیداوار جو مقصود بالذات ہو اس میں عشر واجب ہوگا۔ چاہے وہ غلہ ہو پھل ہو نیشکر ہو۔ نیز اس میں بانس کی قسم کی چیز بھی داخل ہوگی۔ قاضی خاں میں ہے:۔

ولو جعل ارضه مشجرة او مقصبة يقطعها ويبيعها فی كل سنة كان فيه العشر

اگر زمین میں درخت لگایا۔ یا بانس لگایا جس کو سال بسال کاٹ کر بیچتے ہوں تو اس میں عشر ہوگا۔

(۹) سرکاری لگذاری یا زمینداری لگذاری یا اور کوئی ٹیکس جو اندرونی وصول کیا جاتا ہو۔ یا یہ کہ خواستہ ناخواستہ حکومت وصول کرے تو ان تمام مطالبات ادا کرنے پر بھی عشر ساقط نہیں ہوگا کیونکہ عشر زکوٰۃ ہے۔ وہ اس قسم کے محصولات میں وضع نہیں ہو سکتا جس طرح کسی کا دیا

جمع ہو یا تمسکی ہو تو حکومت ان تمام روپیوں پر انکم ٹیکس وصول کرتی ہے۔ اور تمام مسلمان دیتے ہیں تو کیا درست ہے کہ انکم ٹیکس دینے سے روپیہ کی زکوٰۃ ادا ہو گئی؟ ہرگز نہیں۔

پس اسی طرح زمین پر جا ہے جس قسم کے ناجائز ٹیکس لگائے جائیں اور مسلمانوں کو مجبوراً دینا پڑے تو اس دینے سے غلہ کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ اور وہ عند اللہ مواخذہ سے بری نہیں ہوں گے۔

(۱۰) پیداوار اگر کسی ایسے سبب سے ہلاک ہو جائے جس میں کاشتکار کے تغافل کو دخل نہ ہو۔ تو اگر کل پیداوار ہلاک ہو جائے تو عشر بالکلیہ ساقط ہو جائیگا۔ اور اگر کل پیداوار ہلاک نہ ہو۔ بلکہ کچھ حصہ ہلاک ہو جائے[عہ] تو اتنے ہی حصہ کا عشر ساقط ہو گا۔ (عالمگیری)

(۱۱) جس شخص پر عشر فرض ہو اور وہ بغیر ادا کئے ہوئے عشر کے مر جائے تو اس کے مال متروکہ سے عشر لیا جائے گا۔ خواہ وہ وصیت کر گیا ہو یا نہیں۔

عہ ہلاک ہونے میں "سرقہ" اور "غصب" بھی داخل ہے۔ اور اسی حکم میں سرکاری مالگذاری بھی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کے متعلق مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب دہلی سے استفتاء کیا تو مفتی صاحب نے توثیق فرمائی۔ ذیل میں جواب مع استفتاء ملاحظہ ہو۔

استفتاء

بسم اللہ تعالیٰ

عشری زمین پر کاشتکار کو جو خراج قانوناً ادا کرنا پڑتا ہے۔ کیا شرعاً یہ جائز ہو گا کہ اس رقم کو پیداوار سے کاشتکار مجرا کر کے بقیہ پیداوار کا عشر ادا کرے یا شرعاً اس پر لازم ہے کہ جملہ پیداوار کا عشر ادا کرے۔؟

(عبد الصمد رحمانی)

الجواب

عشری زمین پر وظیفہ شرعیہ صرف عشر ہے۔ سرکاری طور پر جو مالگذاری ادا کرنی پڑتی ہے وہ ایک بھری غیر شرعی لگان ہے جو مجبوراً ادا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا پیداوار میں سے اتنی مقدار گویا ہلاک ہے جس کا عشر بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ مثلاً سو من غلہ پیداوار ہوا۔ اور سرکار کو جو مالگذاری دینی پڑی وہ چالیس من کی قیمت کی ہے۔ تو گویا چالیس من غلہ کاشتکار کے حق میں ہالک ہے۔ اور صرف ساٹھ من اس کو ملا۔ لہٰذا اس پر ساٹھ من کا عشر یعنی چھ من ادا کرنا واجب ہے۔

(محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی)

تنبیہ:۔ نمبر ۹ کا مفہوم یہ ہے کہ سرکاری مالگذاری دینے سے غلہ کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہو سکتی۔ یعنی اس زمین کی عشری حیثیت باقی رہیگی اعشار لازم آئیگا۔ خراجی نہیں ہوگی۔ اور نمبر ۱۰ کا حاصل یہ ہے کہ جو غلہ بذریعہ جبر وہ غلہ ہلاک ہو جائے تو اسی غلہ کے عشر کی ادائیگی ساقط ہو جائیگی۔

(عبد الصمد رحمانی)

(۱۲) جس غلہ اور جس پھل پر عشر واجب ہو گیا ہو، اس کا استعمال بغیر عشر ادا کیے شرعاً جائز نہیں۔ اور اگر کوئی شخص استعمال میں لائیگا تو وہ شرعاً مستوجب تاوان ہوگا۔ یعنی عشر کی رقم اس کے ذمہ باقی رہے گی اور ادا کرنا واجب ہوگا۔

(۱۳) عشر میں بھی اس کا اختیار ہے کہ خواہ وہی چیز دے جس پر عشر واجب ہوا ہے خواہ اس کے بدلے میں قیمت دے۔

(۱۴) عشر کے وجوب کا تعلق کس وقت ہوتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ غلہ کا جب اساون ہو جائے یعنی دانہ الگ اور بھوسا الگ کر دیا جائے اور پھل درخت سے توڑا جائے۔ اس وقت عشر کے وجوب کا تعلق ہوتا ہے۔ بدائع میں ہے:-

وعند محمدؒ وقت التنقیة والجذاذ فانه قال اذا کان الثمر قد حصد فی الحظیرة وذری البر وکان خمسة اوسق ثم ذھب بعضه کان فی الذی بقی منه العشر فھذا یدل علی ان وقت الوجوب عندہ ھو وقت التصفیة فی الزرع ووقت الجذاذ فی الثمر۔ ھو یقول تلک الحال ھی حال تناھی عظم الحب والثمر واستحکامھما فکانت ھی حال الوجوب۔ (بدائع صفحہ ۶۳ ج ۲)

(وجوب عشر کا وقت) امام محمد کے نزدیک غلہ کے اساون اور پھل کے توڑنے وقت ہے۔ اس لئے کہ ان کا قول ہے کہ پیداوار جب کھلیان میں جمع ہو جائے۔ اور دانہ جیسے گیہوں بھوسہ سے الگ کر دیا جائے۔ اور اس کی مقدار پانچ وسق ہو۔ پھر اس میں سے کچھ ضائع ہو جائے تو جو کچھ باقی رہے گا۔ اس میں سے عشر نکالا جائیگا پس یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ وجوب عشر کا وقت ان کے نزدیک وہ وقت ہے جبکہ غلہ کا اساون ہو چکا ہو۔ اور پھل توڑے جا چکے ہوں اور یہی وقت ہے جب دانہ اور پھل اپنی بالیدگی اور استحکام کے منزل کو پہنچ جاتا ہے، اس لئے وجوب کا وقت یہی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ وجوب عشر کے تعلق کا وقت غلہ اور پھل کی تیاری کا وقت ہے۔

وابو یوسف یحتج بقوله تعالیٰ واٰتوا حقه یوم حصادہ ویوم حصادہ ھو یوم ادراکه فکان ھو وقت

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ واٰتوا حقه یوم حصادہ" سے استدلال کرتے ہیں (اور وہ کہتے ہیں) کہ کٹنے کا دن ہی غلہ اور پھل کی تیاری کا دن ہے۔ لہٰذا عشر کے وجوب کا

الوجوب (۵) بھی وہی قیمت ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ عشر کے وجوب کا تعلق اس وق
ہو جاتا ہے، جب زراعت زمین سے نکل آتی ہے۔ اور درختوں میں پھل کا ظہور ہو جاتا
ولابی حنیفۃ قولہ تعالیٰ انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض امر اللہ تعالیٰ بالانفاق مما اخرجہ من الارض فدل علیٰ ان الوجوب یتعلق بالخروج (ایضاً)

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشا ومما اخرجنا لکم من الارض ہے۔ اس آیت م اللہ تعالیٰ نے ہر اس چیز کو جس کو زمین نکالے نکالنے کا حکم فرمایا ہے۔ پس اس آیت کے لفظ اخرجنا الخ کی دلالت اس پر ہے کہ وجوب کا و خروج پیداوار سے تعلق رکھتا ہے۔

زکوٰۃ کی تیسری قسم

فی زکوٰۃ التجارۃ

زکوٰۃ کی تیسری قسم "تجارتی مال کی زکوٰۃ" ہے۔ اس کی فرضیت کے متعلق اڈ
کے تحت میں قرآن و حدیث سے دلیل گذر چکی ہے۔ اس لئے اس جگہ ہم تجارتی
کی زکوٰۃ کے متعلق چند ضروری مسائل پر اکتفا کرتے ہیں۔

تجارتی اموال کے بعض ضروری مسائل

(۱) جو مال بہ نیت تجارت خریدا جائے۔ اور اس مال پر پورا سال گذر جائے تو ا
زکوٰۃ ہے، بشرطیکہ مال کی قیمت بقدر نصاب ہو۔

(۲) تجارتی مال کا نصاب اس کی قیمت[ع] کے اعتبار سے معتبر ہے۔ مال کی قیمت

ع (فی الہدایہ) الزکوٰۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت اذا بلغت قیمتہا نصا
من الورق او الذہب۔ بقولہ علیہ السلام فیہا یقومہا فیؤدی من کل مائتی درہم خمسۃ درا
(کتاب الزکوٰۃ)

چالیس روپیہ (للعہ) یا اس سے زیادہ ہو تو نصاب متحقق ہے۔ اور زکوٰۃ فرض ہے۔ اس سے کم ہو تو زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۳) تجارتی مالوں پر مہاجن کا دین ہو یا اور کسی کا دین ہو تو جو نقد روپے موجود ہوں ان کو دین میں پہلے مہا کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد مال کی قیمت بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ فرض ہے، ادا کرنا چاہیئے۔ اور نقد روپے نہ ہوں۔ یا ہوں مگر کافی نہ ہوں تو تجارتی مال کی قیمت لگا کر دیکھنا چاہیئے کہ کل قیمت سے دین ادا کر کے کس قدر بچتا ہے۔ اگر بقدر نصاب بچے تو زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔

(۴) جو مال تجارت کی نیت سے خریدا گیا ہو بعد خریدنے کے تجارت کی نیت فسخ کر دی گئی ہو۔ اور وہ مال سال بھر ٹھہرا رہا ہو تو اس مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ اگر وہ مال سونا۔ چاندی اور سائمہ جانور کے علاوہ کوئی چیز ہو۔ اور اگر وہ مال سونا۔ چاندی یا سائمہ جانور ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ لیکن سونا چاندی میں جب سے خریداری ہے۔ اس وقت سے سال کا حساب ہوگا۔

(۵) اگر سونا۔ چاندی۔ یا نقد روپیہ کا نصاب پورا نہ ہوتا ہو لیکن دونوں ملا کر نصاب پورا ہوتا ہو تو ملا کر نصاب پورا کر کے زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ مثلاً کسی کے پاس دس روپیہ نقد ہے۔ یا دس روپیہ کا زیور ہے۔ اور فروخت کرنے کی نیت سے ایک گھڑی لی گئی ہے کہ جس کی قیمت تیس روپیہ ہے تو علیحدہ علیحدہ کسی کا بھی نصاب نہیں۔ لیکن گھڑی کی قیمت جو تجارتی ہے اور نقد کے ملانے سے نصاب چالیس روپیہ پورا ہو جاتا ہے۔ تو زکوٰۃ فرض ہے۔

(۶) تجارتی مال کہ جس پر بلحاظ تجارت کے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ وہ وہ مال ہے جو تجارت کی نیت سے خریدا گیا ہو۔ پس اگر کوئی مال ترکہ میں ملا ہو۔ یا کسی نے ہبہ کیا ہو اور اس کو فروخت کرنے کا قصد ہو تو وہ تجارتی مال نہیں ہے جب تک فروخت نہ ہو جائے گا۔ اور جس وقت سے فروخت شروع ہو اس وقت سے اس کا سال شروع ہوگا۔

(۷) تجارتی مال کے اصل مع نفع پر زکوٰۃ ہے۔ اگرچہ منافع کے تمام اجزاء پر پورا سال نہ گذرا ہو۔ بشرطیکہ ابتدائے سال و انتہائے سال میں پورا نصاب ہو۔ اور بعد

ادائے دین باقی رہتا ہو

(۸) اگر تجارتی مال چند لوگوں کی شرکت میں ہو۔ اور ہر ایک کا حصہ علیحدہ علیحدہ کر کے نصاب پورا ہو تو ہر ایک کے حصہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اور اگر کسی کے حصہ کا مال نصاب کے موافق نہ ہو تو کسی پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ اور اگر بعض کے حصہ کا مال نصاب کے موافق پورا ہو۔ اور بعض کا کم۔ تو اس حصہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ جس کا مال نصاب کے موافق پورا ہے۔

(۹) تجارتی مال میں اُدھار بھی لگ جاتا ہے۔ لہٰذا جو دَین ایسا ہو کہ دائن کے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہو۔ اور مدیون اس دین کا منکر بھی نہ ہو۔ اور یہ دین ایسے مال کا عوض ہو جس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جب بائع کو اس کی قیمت میں چالیس روپے مل جائیں گے۔ تو اس کو ان مقبوضہ روپیوں کی زکوٰۃ اس وقت سے دینا ہوگی جب سے وہ اصل مال جس کی یہ قیمت ہے، اس کے پاس تھا۔

زکوٰۃ کی چوتھی قسم

فی زکوٰۃ السائمۃ

جانوروں کی زکوٰۃ کا مختصر بیان

(۱) گائے۔ بیل۔ بھینس۔ اونٹ۔ بکری جو سال کا اکثر حصہ چر کر جیتے ہیں تو وہ سائمہ کہلاتے ہیں۔ اور ان پر زکوٰۃ ہے۔ اگرچہ تجارت کے لئے خریدے نہ گئے ہوں سوائے ان بیلوں۔ اونٹوں اور بھینسوں کے جو اپنی ضرورت سے کھیت جوتنے کیلئے پالے گئے ہوں۔ سائمہ جانوروں کے لئے یہ شرط ہے کہ سال کا اکثر حصہ چرائی پر رہتے ہوں۔ اور جہاں رہتے ہوں اُس میں چرائی کی ممانعت نہ ہو۔ اور وہ جانور دودھ دینے اور اس کی نسل کی افزائش کے لئے رکھے گئے ہوں۔

(۲) مسلمانانِ بہار سائمہ جانوروں کے مالک کم ہیں اسلئے مختصر طور پہ بکری بھیڑ

گائے اور بھینس کے حساب دی زکوٰۃ کو لکھا جاتا ہے۔

(۳) گائے۔ بھینس۔ اگرچہ دو صنف ہیں۔ مگر دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ ان کا نصاب تیس عدد ہے۔ دونوں ملا کر یا علیحدہ ہوں۔ ہر حال میں تیس عدد ہونے پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ ایک سال کا بچہ گائے کا ہو یا بھینس کا، دینا ہوگا۔ جو زیادہ ہو اسکا بچہ دینا چاہیے۔ یعنی بیس گائے۔ ۱۰ بھینس ہوں تو گائے کا بچہ دینا چاہیے اور اگر اس کا عکس ہو۔ یعنی ۲۰ بھینسیں ہوں اور ۱۰ گائیں تو بھینس کا بچہ دینا چاہیے۔

(۴) ۳۰ گائے سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ غیر تجارتی ہو۔ لیکن جب چالیس عدد ہو تو دو برس کا ایک بچہ دینا چاہیے، اسی قاعدے سے جیسا کہ گزرا۔

(۵) اور جب ساٹھ راس گائے۔ بھینس ہوں تو ایک ایک سال کے دو بچے زکوٰۃ میں ادا کرنا چاہیے۔ یعنی چالیس اور ساٹھ کے درمیان جو زیادہ ہے، وہ معاف ہے۔ پھر جب ساٹھ سے بھی زیادہ ہوں تو ہر تیس پر ایک سال کا بچہ۔ اور ہر چالیس پر دو برس کا ایک بچہ حساب کر کے زکوٰۃ نکالنا چاہیے۔

(۶) بکری۔ بھیڑ اگرچہ دو صنف ہیں۔ مگر حکم ان کا ایک ہے۔ اگر ان کو گھر کھلانا نہ پڑتا ہو بلکہ چرائی پر رہتی ہوں تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اگرچہ تجارت کی نیت نہ رہو بلکہ اپنے مصرف کے لئے ہوں۔ ان کا نصاب چالیس راس ہے۔ اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اب چالیس صرف بکری اور بکری ہوں یا صرف بھیڑ (نر و مادہ) ہوں یا دونوں ملا کر چالیس راس ہوتے ہوں۔ الغرض جس طرح سے چالیس پورے ہوتے ہوں نصاب ہو گیا۔ اور سال تمام ہونے پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

(۷) چالیس راس بھیڑ۔ بکری میں ایک بکری یا ایک بھیڑ زکوٰۃ فرض ہے اور ایک سو اکیس (۱۲۱) راس میں دو بھیڑ و بکری زکوٰۃ ہے۔ یعنی چالیس کے بعد ایک سو بیس تک میں زیادتی معاف ہے۔ اور دو سو ایک راس میں تین بھیڑ، بکریاں زکوٰۃ ہونگی۔

(۸) اور جو جانور تجارت کی نیت سے خریدے گئے ہوں تو وہ سائمہ ہوں یا نہ ہوں بعد سال تمام ہونے کے ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اور ان کی زکوٰۃ باعتبار قیمت کے ہوگی یعنی

ان کا نصاب زکوٰۃ کی رو سے حساب کیا جائیگا۔ مد کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور ان کی قیمت بمقدار نصاب سونا۔ چاندی کے ہو تو چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہوگی۔

مصارف زکوٰۃ

شریعت اسلام میں صدقات کی دو قسمیں ہیں۔ صدقات واجبہ اور صدقات نافلہ۔ صدقات نافلہ میں صدقہ کرنے والے کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس کے لئے اپنی پسند سے مصرف طے کرے، اور اس پر خرچ کرے۔ لیکن صدقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ۔ عشر۔ صدقہ فطر۔ کفارہ وغیرہ اس میں صدقہ دینے والے کو اختیار نہیں ہے کہ اپنی پسندیدگی سے اس کے لئے مصرف تجویز کرے، اور اس میں خرچ کرے۔ بلکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود مصرف مقرر فرما دیا ہے۔ اور طے فرما دیا ہے کہ ان مدات کے سوا دوسری جگہہ ان کو خرچ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا صدقات واجبہ یعنی زکوٰۃ۔ عشر۔ صدقہ فطر وغیرہ کی رقم کو اگر کوئی شخص خداوند تعالیٰ کے مقرر کردہ مدات کے علاوہ کسی دوسرے مد میں یا دوسرے مصرف میں خرچ کریگا تو وہ صدقہ یعنی زکوٰۃ۔ عشر۔ صدقہ فطر کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ بلکہ فرضیت اور وجوب کی ذمہ داری اس کے ذمہ باقی رہیگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا مواخذہ ہوگا۔ لہٰذا اس میں بہت سخت احتیاط کرنا چاہیے۔ اور اپنی پسند سے مصرف کا تقرر نہ کرنا نہیں چاہیئے۔ حضرت زیاد بن حارث رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

فاتاہ رجل فقال اعطنی من الصدقۃ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیھا ھو فجزاھا ثمانیۃ اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک (ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرد آیا۔ اور اس نے کہا کہ مجھ کو صدقہ سے کچھ عنایت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ صدقات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نہ تو نبی کے حکم کو پسند فرمایا اور نہ غیر نبی کے حکم کو۔ یہاں تک کہ خود اس کے بارے میں حکم فرمایا۔ اور آٹھ حصوں میں تقسیم کیا۔ لہٰذا اگر تم ان آٹھ حصوں میں داخل ہو تو میں تم کو دوں۔

حاصل یہ کہ مصارف زکوٰۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس کا اختیار نہیں دیا ہے کہ

وہ اپنی پسند سے جہاں چاہیں خرچ کریں۔ حتیٰ کہ اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ جو قانون الٰہی کے شارح اور مفسر ہیں۔ اور جن کے ذمہ وحی الٰہی کے منشا کی تفسیر و تبیین ہے۔

وہ مصارف جن کو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ عشر کیلئے متعین فرمادیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل (توبہ ع ۸ پ ۱۰)

صدقات صرف فقیروں کے لئے ہے۔ اور مساکین کے لئے اور عاملین کے لئے اور تالیف قلوب کے لئے اور غلام کی گردن چھڑانے کے لئے۔ اور قرضدار کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لئے

اسی آیت میں آٹھ قسم کے لوگ بیان ہوئے ہیں جن کو زکوٰۃ۔ عشر۔ صدقہ فطر کا مال دینا جائز ہے۔ ان کے سوا کسی اور کو دینا جائز نہیں ذیل میں مختصر تشریح ہر ایک کے متعلق کی جاتی ہے۔

فقیر ایسے شخص کو کہتے ہیں جو بقدر نصاب ایسے مال کا تو مالک نہیں ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے لیکن وہ بالکل تہیدست بھی نہیں ہے۔ احکام القرآن للجصاص رازی میں ہے:۔

الفقیر الذی لا یسئل والمسکین الذی یسئل وروی ابن سماعۃ عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ فی حد الفقیر والمساکین مثل ہذا۔ وہذا یدل علی انہ رای المسکین اضعف حالاً وابلغ فی جہد الفقر والعدم من الفقیر وروی عن ابن عباس والحسن وجابر بن زید والزہری ومجاہد قالوا الفقیر المتعفف الذی لا یسال والمسکین الذی یسال فکان قول ابی حنیفۃ موافقاً لقول ہؤلاء السلف ویدل علی ہذا قولہ تعالیٰ للفقراء الذی

فقیر وہ شخص ہے جو سوال نہیں کر سکتا ہے۔ اور مسکین وہ ہے جو سوال کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رح سے فقیر اور مسکین کی تعریف اسی کے مثل روایت کی ہے۔ اور یہ اس پر دال ہے کہ امام صاحب کے نزدیک مسکین اپنی حالت کے اعتبار سے فقیر سے زیادہ کمزور اور ضعیف ہے۔ اور باعتبار فقر کے مسکین زیادہ مبتلائے مشقت اور افلاس ہوتا ہے۔

اور ابن عباس رض اور حسن اور جابر بن زید اور زہری اور مجاہد سے روایت ہے کہ ان لوگوں کا قول ہے کہ فقیر وہ محتاط شخص ہے جو سوال سے بچتا ہے اور مسکین وہ ہے جو سوال کرتا ہے۔ پس امام ابو حنیفہ رح کا قول ان سلف صالحین کے موافق ہے۔ اور اس کا پر دلالت کرتا ہے

احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف تعرفہم بسیماہم لایسئلون الناس الحافا ۔۔۔ فقراء وصفہم بالتعفف (ص ۱۳۲ / ۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد للفقراء الذین احصروا الخ اس آیت میں صحابہ کرام کی ایک جماعت کو فقراء سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کی صفت تعفف بیان کی گئی ہے۔

بہرحال فقیر باعتبار مسکین کے بہتر حالت میں ہوتا ہے۔ اور مسکین اس سے زیادہ بدتر حالت میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے فقیر کو سوال کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ اور مسکین کو سوال کی حاجت پڑ جاتی ہے۔ یعنی اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف کی روایت سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہی رائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اجلۂ تابعین کی ہے۔ اور اسی کی تعبیر امام کرخی رح نے ان الفاظ میں کی ہے:

وکان شیخنا ابو الحسن کرخی رحمۃ اللہ یقول المسکین ھو الذی لا شیء لہ والفقیر ھو الذی لہ ادنی بلغۃ

ہمارے شیخ کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسکین وہ ہے جس کے لیے کچھ نہ ہو۔ اور فقیر وہ ہے جس کے لیے ادنیٰ شے ہو یعنی کچھ ہو۔

(احکام القرآن للجصاص ص ۱۲۲ / ۲۴)

یعنی فقیر تو وہ ہے جس کو ادنیٰ شے حاصل ہو۔ اور مسکین وہ ہے جس کو کچھ نہ ہو۔ اور یہی تعریف ہماری فقہ کی کتابوں میں ہے۔ اور ادنیٰ شے کی تفسیر و تشریح دون نصاب سے کی گئی ہے۔ یعنی دون نصاب سے اس کے پاس مال کم ہو۔ اسی کو ہم نے اپنے لفظوں میں فقیر کی تعریف میں بیان کیا ہے۔

مسکین: وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ یہاں تک کہ دوسرے وقت کا کھانا بھی اس کے پاس نہ ہو۔ اسی بناء پر مسکین کے لئے سوال کرنا جائز۔ اور فقیر کے لئے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں فقیر کو صدقہ قبول کر لینا جائز ہے۔ اور یہی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

قد تقدم ان فی مذہبہ من ملک مائتی درہم یحرم علیہ اخذ الصدقۃ

یہ گذر چکا ہے۔ اور معلوم ہو چکا ہے کہ امام صاحب کے مذہب میں جو شخص دو سو درہم کا مالک ہوگا اس پر صدقہ

ومن لہ قوت یومہ یحرم علیہ السوال ففرق بین الاخذ والسوال۔
(مرقاۃ ص۵۶ ج۲)

لینا حرام ہے۔ اور جو شخص ایک دن کا کھانا اپنے ملک میں رکھتا ہو اور اسکی ملکیت میں ہو تو اس پر سوال حرام ہے۔ پس صدقہ کے قبول کرنے میں اور سوال کرنے میں امام صاحب نے فرق کیا ہے

امام صاحب کی یہ رائے کہ جس کو ایک دن کا کھانا حاصل ہے، اس کے لئے سوال کرنا حرام ہے۔ اس حدیث پر مبنی ہے۔

عن سہیل ابن الحنظلیۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سال وعندہٗ مایغنیہ فانما یستکثر من النار۔ قال النفیلی۔ وھو احد روایۃ فی موضع اخر۔ وما الغنی الذی لا ینبغی معہ المسئلۃ قال قدر مایغدیہ ویعشیہ۔ و قال فی موضع اخر ان یکون لہ شبع یوم اولیلۃ ویوم (رواہ ابوداؤد)

سہیل بن حنظلہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس اتنی چیز ہو جو اس کو کافی ہو۔ اور وہ سوال کرے تو وہ آگ کو افزائش کے ساتھ جمع کر رہا ہے۔ نفیلی (راوی کا نام) نے پوچھا کہ غنا کی وہ کیا مقدار ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا سزاوار نہیں ہے۔ کہا ایک رات دن کا کھانا دوسرے موقع میں ہے کہ اس کے لیے ایک دن کا بھر پیٹ کھانا ہو۔ یا ایک رات اور دن کا بھر پیٹ کھانا ہو۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

عاملین زکوٰۃ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو امیر کی طرف سے زکوٰۃ کی تحصیل اور حساب و کتاب کے لئے مقرر کئے گئے ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرح موطا میں لکھتے ہیں:۔

وصنف سوم عاملان است بر صدقہ کہ امام ایشاں را بر قریات یا قبائل بفرستند۔ پس بر حسب اجتہاد امام ایشاں را باید داد۔ حساب کنندگان و پیادہا کہ تحصیل کنند وعامل کہ بحکم او کار کنند و نگاہ بانان بیت المال قسمت کنندگان

تیسری قسم عاملان صدقہ کی ہے کہ امام ان کو گاؤں میں یا قبائل میں بھیجتا ہے۔ پس حسب اجتہاد امام کے ان کو دینا چاہیے۔

حساب کرنے والے۔ اور تحصیل کرنے والے اور وہ عامل جو امام کے حکم سے کام کرتے ہیں۔ اور بیت المال کے محافظین اور فقراء پر تقسیم کرنے والے سب کے سب اسی

آن بر فقرا رسیدہ نیز درین صنف داخل اند۔ (مصفی ص ۲۱۱ ج ۱)

قسم میں داخل ہے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

تفسیر "فتح البیان" میں ہے :-

ولا ینحصر العامل فی الساعی والجابی اذ منہ القاسم والکاتب الذی یکتب ما اعطاہ ارباب الاموال والحاشر الذی یجمع المستحقین والعریف والحاسب۔

(فتح البیان ص ۱۲۲ ج ۴)

عامل کا انحصار صرف ساعی اور جابی میں نہیں ہے بلکہ عامل ہی کی قسم میں زکوٰۃ کے محرر بھی ہیں جو ارباب مال کی زکوٰۃ کو لکھتے ہیں۔ اور وہ جمع کرنے والے بھی ہیں جو فقراء و مستحقین کو جمع کرتے ہیں۔ اور اسی میں عریف بھی ہیں اور حساب کرنے والے بھی ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

مولفۃ القلوب اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تالیف قلب کے خیال سے دیتے تھے یا تو اس لئے کہ ابھی حدیث الاسلام ہیں۔ یعنی ان کو اس لئے دیا جاتا تھا کہ ان کے دل میں اسلام کی جڑ مضبوط ہو جائے۔ یا کبھی قبائل کے سردار کو اس غرض سے عنایت فرماتے تھے کہ یہ شر و فساد نہ کریں۔ یا ایسے لوگوں کی اس کے ذریعہ تالیف قلب کی جاتی تھی۔ جن سے توقع ہوتی تھی کہ ان کے دل میں اس سے اسلام کی محبت پیدا ہوگی۔ اور وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہتیرے واقعات اس قسم کے مروی ہیں۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب اس قسم کے لوگ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن لوگوں سے کہا :-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعطیکموہ لیتألفکم علی الاسلام والآن فقد اعز اللہ الاسلام واغنی عنکم فان ثبتم علی الاسلام والا فبیننا وبینکم السیف۔

(فتح القدیر ص ۲۰...)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کو اس لئے دیتے تھے کہ تمہارے اندر اسلام کی محبت پیدا کریں۔ اور موجودہ حالات میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب بنا دیا ہے۔ اور اعزاز بخشا ہے۔ پس اگر تم اسلام پر ثابت رہے تو خیر ورنہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار ہے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

س پر ان لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جاکر شکایت کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ
عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور ان کے حصے کو ساقط کر دیا۔ اور
یہ واقعہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا۔ اس لئے ان کے حصہ کے سقوط پر صحابہ کرام رض
کا اجماع ہو گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل فتح القدیر وغیرہ میں مفصل موجود ہے۔ یہاں ملخصاً
ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ فمن شاء الاطلاع فلیرجع الیہا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال یہ تھا کہ حسب مراد قرآن مجید
تالیف قلوب کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ دیتے تھے۔ اس سے مقصد اعزاز اسلام
تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اسلام کا اعزاز ان کے دینے ہی میں تھا۔
اور اب اسلام کے عموم غلبہ اور تبدل احوال کی بناء پر دین اسلام کا اعزاز اسی
میں ہے کہ ان کو نہ دیا جائے۔ اسی علت کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے
الفاظ "فقد اعز اللہ الاسلام" میں اشارہ فرمایا ہے۔ گویا علت تالیف اعزاز
اسلام ہے۔ لہذا مدار حکم اسی پر رہے گا۔ اسی بناء پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ
عنہم نے اس کو قبول کیا۔ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی نئی بات اپنے عہد
میں پیدا نہیں کی۔ بلکہ اسی علت اور مقصد کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں
تھا باقی رکھا۔ لہذا یہ شبہ نہیں ہوگا کہ اجماع صحابہ کے ذریعہ قرآن اور حدیث
کے حکم میں نسخ سے کام لیا گیا۔ اور صحابہ کے اجماع کو قرآن و حدیث کے لئے ناسخ
قرار دیا۔

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:-

ھذا تقریر لما کان فی زمن النبی
علیہ الصلوٰۃ والسلام من حیث
المعنی وذلک ان المقصود بالدفع
الیھم کان اعزازالاسلام لضعفہ
فی ذلک الوقت لغلبۃ اھل الکفر
وکان الاعزاز فی الدفع فلما

یہ اسی چیز کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی،
معنوی حیثیت سے ثابت کرتی ہے۔ اور یہ اس طور پر کہ
ان لوگوں کے دینے کا مقصد اسلام کا اعزاز تھا کیونکہ
اہل کفر کے غلبہ کی وجہ سے اسلام کو ضعف تھا
لہذا ان کو دینے میں اسلام کا اعزاز تھا۔ پھر جب حالات
کی تبدیلی اہل اسلام کے غلبہ کی وجہ سے ہو گئی تو اب

متبدل الحال بدلبة اهل الاسلام صار الاعزاز في المنع فكان الاعطاء في ذلك الزمان والمنع في هذا الزمان بمنزلة الالة لاعزاز الدين والاعزاز هو المقصود وهو باق على حاله فلم يكن نسخا (عنايه صفحہ ۲/۲۰ برحاشيه فتح القدير)

اسلام کا اعزاز ان کو نہیں دینے میں ہے بس دراصل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دینا۔ اور عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں نہ دینا یہ دونوں باتیں بطریق واسطہ اعزاز دین کے نقطۂ نظر سے تھا۔ اور یہی دراصل مقصود تھا۔ بس یہ حکم بہر حال ہر زمانہ میں رہا۔ کیونکہ یہی چیز پیش نظر تھی۔

* * * * * * * * * * *

یہی مسلک حنفیہ کا ہے جو صحیح ہے اور اس بنا پر میرا خیال ہے کہ زمانہ کے احوال کے پیش نظر عملی صورت کی تعیین امیر کے اجتہاد پر مفوض رہے گی۔ ماحول کے پیش نظر اگر اسکے اجتہاد کا مقتضا یہ ہوگا کہ اعزاز اسلام اعطاء میں ہے تو تالیف قلوب کی بنا پر دیگا۔ ورنہ نہیں دے گا۔ واللہ اعلم بالصواب ان اصبت فمن اللہ وان اخطأت فمني ومن الشيطان۔

رقاب (غلام) رقاب کے معنی غلام ہیں۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک مطلق غلام مراد نہیں ہے۔ بلکہ غلام کی ایک خاص قسم "مکاتب" مراد ہے۔ مکاتب کے سوا نہ تو کسی اور قسم کے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ نہ زکوٰۃ کے مال سے غلاموں کا خرید کر آزاد کرنا جائز ہے۔ مطولات میں اس پر سیر حاصل بحث ہے۔ امام حسن بصری رض سے منقول ہے کہ اکثر اہل علم کا مذہب یہی ہے جو حنفیہ کا مذہب ہے۔

احکام القرآن میں اس پر مفصل بحث ہے۔ بعض دلیل ان کی یہ ہے:۔

قال ابو بكر لا نعلم خلافا بين السلف في جواز اعطاء المكاتب من الزكوة فثبت ان اعطاءه مراد بالآية والدافع اليه صدقة صحيحة قال الله تعالى انما الصدقات للفقراء الى قوله وفي الرقاب وعتق الرقبة

ابو بکر جصاص رح کہتے ہیں زکوٰۃ کے مال سے مکاتب کو دینے کے بارے میں ہم نہیں جانتے ہیں کہ سلف میں یعنی عہد صحابہ اور تابعین میں کسی کا اختلاف ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ غلام مکاتب کو زکوٰۃ کا مال دینا آیۃ کریمہ میں مقصود ہے۔ اور اسی کو دینا صحیح معنوں میں صدقہ کرنا ہے اور غلام کو خرید کر کے آزاد کرنے کو صدقہ دینا

لا يسمى صدقة وما اعطى في ثمن الرقبة فليس بصدقة لان بائعها اخذه ثمنا لعبده فلم تحصل بعتق الرقبة صدقة والله تعالى انما جعل الصدقات في الرقاب فما ليس بصدقة فهو غير مجزئ

نہیں کہا جاتا ہے۔ اور غلام کی قیمت میں جو کچھ دیا جاتا ہے۔ وہ صدقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ بائع نے تو اپنے غلام کی قیمت لیا ہے۔ (اس نے صدقہ نہیں قبول کیا ہے) پس غلام کو خرید کر آزاد کرنے سے صدقہ دینا حاصل نہیں ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تو یہ قرار دیا ہے کہ صدقہ کو صدقہ کی حیثیت سے رقاب (یعنی غلام) میں صرف ہونا چاہئے۔ لہٰذا وہ صورت جسمیں صدقہ متصور نہیں ہوگا وہ صورت ادائیگی زکوٰۃ کے لئے جائز نہیں ہوگی۔

(وایضاً) ولیس هو ابتیاعها وعتقها لان الثمن حینئذ یاخذه البائع ولیس فی ذلک قربة، وانما القربة فی ان یعطی العبد نفسه حتی یفک به رقبته وذلک لا یکون الا بعد الکتابة لانه قبلها یحصل للمولی واذا کان مکاتبا فما یاخذه لا یملکه المولی وانما یحصل للمکاتب فیجزی من الزکوة (ص ۱۳۵ / ج ۳)

نیز اس کا خریدنا اور آزاد کرنا اس لئے صدقہ نہیں ہے کہ بائع جو ثمن یعنی غلام کی قیمت لیتا ہے یہ معاملہ وجہ قربت نہیں ہے قربت تو یہ ہو کہ غلام کی ذات کو دیدی جائے۔ جس سے وہ اپنی گردن کو غلامی سے چھڑائے۔ اور یہ صورت کتابت کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ کتابت کے پہلے جو کچھ غلام کو دیا جائے گا وہ مولی کا ہو جائے گا۔ اور جب مکاتب ہوگا تو جو کچھ وہ لے گا اس کا مالک مولی نہیں ہوگا۔ وہ خود مکاتب[ع] کو حاصل ہوگا۔ اسلئے وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے کافی ہوگا۔ اور صحیح و جائز ہوگا۔

قرضدار اس سے مراد ایسا مدیون ہے کہ جس پر اتنا قرض ہو کہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب مال نہ بچے ایسے شخص کو ادائے قرض کیلئے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے بہرحال یہاں قرضدار سے مطلق مدیون مراد نہیں ہے۔ موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے۔

وکذلک الغارم ان کان عنده وفاء بدینه وفضل تجب فیه الزکوٰة

قرضدار اگر اسکے پاس اتنی چیز ہو جس سے قرض ادا کرے اور اسکے بعد اتنی رقم بچ رہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب

ع مکاتب کے متعلق فقہاء کی اصطلاح یہ ہے۔ المکاتب هو العبد الذی قال له مولاه اذا ادیت الی مالا کذا فانت حر او کاتبتک علی ذلک۔ او نحو ذلک ۱۲ عبدالصمد رحمانی

لم یستحب لہ ان یاخذ منھا شیئا وھو قول ابی حنیفۃ — ہو جائے۔ تو اس کو زکوٰۃ لینا اچھا نہیں ہے۔ اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

(باب من لا تحل لہ الصدقۃ)

* * * * * *

فی سبیل اللہ اس سے مراد ایسے مفلس لوگ ہیں۔ جو دین کے کاموں میں لگے ہوئے ہوں، جیسے وہ غازی جو مفلسی کے سبب سے جہاد میں نہ جا سکتے ہوں یعنی مطلقاً غازی اور مجاہد اس میں داخل نہیں ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ موطا میں لکھتے ہیں:۔

والغازی فی سبیل اللہ اذ کان لہ عنھا غنی یقدر بغناہ علی الغز و لم یستحب لہ ان یاخذ منھا شیئا۔ — اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے جب کہ ان کو اتنی مقدرت ہو کہ اپنے مال سے جہاد کر سکیں۔ تو ان کے لئے صحیح نہیں ہے۔ کہ زکوٰۃ کے مال سے کچھ بھی لیں۔

"ہدایہ" میں ہے:۔

ولا یصرف الی اغنیاء الغزاۃ عندنا لان المصرف ھم الفقراء — ہمارے نزدیک اغنیا غازیوں پر زکوٰۃ صرف نہیں کیجا سکتی ہے۔ کیونکہ مصرف زکوٰۃ فقراء ہیں۔

(ہدایہ کتاب الزکوٰۃ)

* * * * * * * *

یہ مسلک امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد ایسے حاجی ہیں جو بارادہ حج گھر سے نکلے ہوں۔ اور اثناء راہ میں مفلس ہو گئے ہوں۔ نیز فی سبیل اللہ میں علم شرعی کے طالب علم بھی اس حیثیت سے داخل ہیں۔

شامی میں ہے:۔

لا یجوز دفع الزکوۃ الی من یملک نصابا الا الی طالب العلم والغازی ومنقطع الحج (ج۲ ص۶۵) — ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ جو خود نصاب کا مالک ہو۔ لیکن طالب العلم، غازی۔ اور مفلس حاجی کے لئے جائز ہے۔

مسافر اس سے مراد ایسا شخص ہے۔ جس کے ملک میں مال تو ہو، مگر اس کے قبضہ میں نہ ہو۔ اس سبب سے کہ وہ وطن سے باہر ہو یا اس سبب سے کہ ہے تو وطن میں مگر دوسرے پر قرض ہے، جس کے لینے پر قادر نہیں۔ شامی میں ہے:۔

والحق بہ کل من ھو غائب عن مالہ — اور ہر وہ شخص جو اپنے مال سے غائب ہو مسافر کے حکم

وان كان في بلده لان الحاجة
هي المعتبرة وقد وجدت لانه
فقير يدا وان كان غنيا ظاهرا
(رد المحتار ج۲ ص۶۶)

میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے وطن ہی میں ہو۔ اس لئے کہ اصل میں اعتبار حاجت اور ضرورت کا ہے اور یہ بات اس میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ عملاً اس وقت چونکہ اسکے قبضے میں نہیں ہے فقیر ہے۔ اگرچہ بظاہر غنی ہے

اس باب کے ضروری مسائل

ان آٹھ مصارف کے جان لینے کے بعد اس باب کے چند ضروری مسائل یہ ہیں:۔

(۱) صدقہ دینے میں اس کا اختیار ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے آٹھوں قسم کے لوگوں کو دیجائے یا کسی ایک قسم کو دی جائے۔

(۲) زکوٰۃ کی رقم حسب ذیل کاموں میں خرچ نہیں کیجاسکتی ہے:۔

میت کے لئے کفن بنانا۔ میت کا قرض ادا کرنا۔ مسجد بنانا۔ مسجد کے لئے جائے نماز گھڑی۔ لوٹے۔ گھڑے وغیرہ خرید کر مسجد میں رکھنا۔ مدرسہ۔ مکتب۔ اسکول۔ لائبریری وغیرہ کی عمارت بنانا۔ سڑک بنانا۔ راستہ کو درست کرنا۔ پل بنانا۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ان صورتوں میں تملیک؏ نہیں ہوتی۔ یا ان کے ملازمین کو (بغیر لحاظ مصارف زکوٰۃ) مشاہرہ

؏ حنفیہ کے نزدیک ادائے زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے۔ "بدائع" میں ہے۔

واما ركنه فهو التمليك لقوله تعالى
وآتوا حقه يوم حصاده. والايتاء
هو التمليك لقوله تعالى وآتوا الزكوة
فلا يتادي بطعام الا باحة
وبما ليس بتمليك راسا من بناء
المساجد ونحو ذلك مما ذكرنا
في النوع الاول وبما ليس
بتمليك من كل وجه وقد
مر بيان ذلك كله (بدائع ج۲ ص۳۹)

بہرحال اس کا رکن تملیک ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وآتوا حقہ یوم حصادہ ہے۔ اور لفظ ایتاء کے معنی تملیک (مالک بنانا) ہیں۔ اور اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد آتوا الزکوٰۃ ہے۔ پس کھانا کی اباحت یعنی کھانے کی اجازت ہو لیکن انکو مالک نہ بنایا گیا ہو۔ تو اس طرح کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اور ہر وہ صورت جس میں تملیک بالکلیۃ نہ ہو۔ جیسے مسجد بنانا۔ اور اسی طرح کی اور صورتیں جس میں تملیک نہ ہو۔ جسکا ذکر نوع اول میں ہم کر چکے ہیں۔ اور ایسے ہی ہر وہ صورت جس میں من وجہ تملیک ہو۔ اور من وجہ تملیک نہ ہو (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دینا حنفیہ کے یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور مفتی بہ ہے۔

(۳) زکوٰۃ کی رقم کو ایسی حالت میں کہ امیر کی طرف سے کسی کو زکوٰۃ کی رقم مستحقین پر صرف کرنیکا اختیار دیا گیا ہو۔ تو اس کے لئے اس شخص پر جس سے اُبوّت کا تعلق ہو۔ یا اس شخص پر جس سے بُنوّت یا عمومیت کا تعلق ہو صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے باپ۔ دادا۔ پردادا وغیرہ۔ یا دادی۔ پردادی وغیرہ۔ ماں اور باپ کے باپ۔ دادا وغیرہ۔ بیٹا۔ پوتا۔ بیٹی۔ نواسی۔ نواسہ۔ وغیرہ۔ نیز شوہر کا اپنی بیوی کو۔ اور بیوی کا اپنے شوہر کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے۔ ان مذکور الصدر ع۵ رشتہ داروں کے علاوہ جو اعزہ ہوں ان کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ بلکہ افضل ہے۔

⁂ ⁂ ⁂ اور ان سب کا بیان گذر چکا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار والحج والجہاد وکل مالا تملیک فیہ ولا یجوز ان یکفن بہا میت ولا یقضی بہا دین المیت کذا فی التبیین۔ (فتاویٰ عالمگیری مصری)

ع۵ یہ مسئلہ کہ ارباب اموال کے لئے مذکور الصدر رشتہ داروں کے علاوہ جو اعزہ ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ فقہ کی تمام کتب متداولہ میں مذکور ہے۔ نیز بعض تابعین اور صحابہ سے بھی ایسی روایتیں منقول ہیں۔ کہ وہ اعزہ کو دیتے تھے۔ اور دینے کا فتویٰ دیتے تھے۔ مثلاً حضرت ابن عباس اور حضرت عبید بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ کہ اذا وضعتہا انت فی مواضعہا ولم تعط منہا احدا تعولہ شیئًا فلا باس بہ۔

ان سب کی بناء تفویض عثمانی پر ہے۔ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد (جس پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے) یہ حضرات وکالتًہ مستحقین پر صرف کرتے تھے۔ اور اس کا فتویٰ دیتے تھے۔ اور اپنی تصنیفات میں بھی لکھتے تھے۔ یہ زکوٰۃ کے اجتماعی حکم کے منافی نہیں ہے۔ جس پر تفصیلی بحث اس کتاب کے دوسرے تیسرے باب میں گذر چکی ہے۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بعض استفسار کے جواب میں اس مسئلہ کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی انفرادیت پر ترجیحی دلیل کی حیثیت سے یہ کہکر پیش کیا گیا ہو کہ بکثرت حضرات صحابہ کا تعامل یہی تھا۔ کہ اپنے اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود اپنے اختیار اور رائے سے اپنے اعزہ اور اقرباء میں تقسیم فرماتے تھے۔ حالانکہ یہ عمل تفویض کی بناء پر تھا نہ اپنے اختیار کی بناء پر۔ ([illegible])

صحابہ کرام اور تابعین کا تعامل وہ تھا جس کو ہم صفحہ ___ میں حضرت امام مالک رح کے مدونہ کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں کہ یہ حضرات امام کو زکوٰۃ دینے کا حکم کرتے تھے اور خود بھی امام ہی کو اپنی زکوٰۃ دیتے تھے۔

(۴) زکوٰۃ دینے والے کے لئے اس کی حاجت نہیں ہے کہ زکوٰۃ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ ان حضرات کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ وصیت جو آپ نے زکوٰۃ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کی تھی مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

قال ابوبکر فیما یوصی بہ عمر من ادی الزکوٰۃ الی غیر ولاتہا لم تقبل منہ زکوتہ وصدقتہ ولو تصدق بالدنیا جمیعا (باب من قال لدفع الزکوٰۃ الی السلطان علی)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جو وصیت فرمائی اسمیں یہ بھی فرمایا کہ جو شخص زکوٰۃ کو امیر کے سوا دوسرے کو ادا کرے گا تو اس کی زکوٰۃ اور اس کا صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ پوری دنیا کو صدقہ کر دے

اسی طرح اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ سے بھی انفرادیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ یہ حضرات معلوم نہیں اموال ظاہرہ کے لئے اس نص قطعی کے مقابلہ میں کس دلیل کی بنا پر جواب میں یہ فتویٰ ارشاد ہوا ہے۔ "کہ لقبۂ مواشی کی زکوٰۃ اور عشر کی اجتماعی صورت سے ادا کرنا بطور قانون فرض تھا" جبکہ آتوا الزکوٰۃ مطلقاً ہر قسم کی زکوٰۃ کو شامل ہے اور یہ ان کے خیال میں انفرادیت کو داعی ہے۔ اور اگر اموال ظاہرہ کی اس قانونی حیثیت کے لئے کوئی دلیل ہے تو مستدل کو اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ وہ اموال باطنہ کو بھی شامل ہے یا نہیں؟ جیسا کہ امام طحاوی نے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ ورنہ مقسم کی انفرادیت تمام اقسام میں قوام کی حیثیت سے پائی جائے گی۔ فتدبر۔

اسی طرح کسی خاص سبب سے ایک موقع میں ایک شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دینار کی زکوٰۃ کے متعلق یہ فرمانا کہ "لے جاؤ اور خود تقسیم کرو" مطلقاً اموال باطنہ کی انفرادیت کی دلیل میں پیش کرنا اصولی غلطی ہے۔ کیونکہ اموال ظاہرہ کے متعلق بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حکم ثابت ہے مصنف ابن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

جاء رجل بزکوٰۃ مالہ الی علی فقال لہ علی تاخذ من عطائنا شیئا۔ قال لا۔ قال لا نجمع علیک الا نعطیک ونأخذ منک فامرہ ان یقسمہا (ص ۵۰ قلمی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر آیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کہ تم ہم سے کچھ وظیفہ پاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! تو آپ نے فرمایا کہ ہم تم پر بار نہیں ڈالیں گے۔ ہاں ہم دیں گے تو لیں گے۔ پھر آپ نے اس کو حکم فرمایا کہ وہ خود اس کو تقسیم کر دے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دیتے وقت کہے کہ زکوٰۃ کا مال دیتا ہوں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماسبق) یہ واقعہ تفویض عثمانی کے بعد کا ہے۔ جب کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ ارباب مال وکالۃً خود مستحقین پر صرف کرتے تھے۔ اور فقط اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ بیت المال میں داخل کرتے تھے لہٰذا یہ قرینہ ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیت المال میں دینے کے لئے جو کچھ لایا گیا تھا اس کا تعلق اموال ظاہرہ سے تھا۔ نیز ان کے اس تخیل پر بھی کہ تعامل یہ تھا کہ بیت المال میں اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ داخل ہوتی تھی۔

پس حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے یہ اقوال۔ اموال باطنہ اور اموال ظاہرہ کی انفرادیت کو مستلزم نہیں ہیں۔ کیونکہ ان دونوں روائتوں سے عملی زندگی کا عام دستور یہ معلوم ہوا کہ اس قرن میں مسلمان اپنے اموال کی زکوٰۃ چاہے' اموال باطنہ ہوں یا اموال ظاہرہ' امیر کی خدمت میں حاضر کرتے تھے۔ اس زمانہ کی ذہنیت یہ نہ تھی کہ صاحب اموال کو بذات خود اس کا اختیار ہے۔ کہ وہ زکوٰۃ کی رقم کو بذات خود مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کر دیں۔

ہاں یہ دونوں روائتیں اس بات کی البتہ دلیل ہیں کہ امیر کو خاص محل میں اپنے اختیار کی تفویض کا حق ہے۔ چاہے اس کا تعلق اموال باطنہ سے ہو یا اموال ظاہرہ سے۔ اموال باطنہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو اس بات کے ثبوت کے لئے پیش کرنا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی حیثیت انفرادی تھی۔ اور وہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ یہ ان تمام تصریحات کے خلاف ہے۔ جن کو ہم دوسرے اور تیسرے باب میں نقل کر آئے ہیں جس میں یہ مذکور ہے کہ عہد نبوت میں اور عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ اور مصدق جا کر کے خود وصول کرتا تھا۔ بلکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسوہ کی بنا پر۔ کہ انھوں نے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی کے لئے عمال مقرر کیا تھا۔ اس مسئلہ کو حجت اور اجماعی مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۶۹)

بلکہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی وصولی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اہتمام تھا کہ وہ چاندی کی زکوٰۃ میں (جب چاندی نہ ملتی تھی تو بدلے میں اسی قیمت کا) سامان لے لیتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۵) بنی ہاشم کے تین خاندان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ ابو طالب۔ حارث۔ حضرت عباسؓ۔ سادات ابو طالب کے خاندان سے ہیں لہٰذا ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ع۹

ع۹ لیکن علامہ طحاوی نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ عبدالصمد رحمانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماسبق)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ میں سامان لے لیتے تھے۔	ان عمر کان یاخذ العروض فی الصدقۃ من الورق وغیرھا

(باب ماتاویل فی اخذ العروض فی الصدقۃ) ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

اور صفحہ ۱۱۱ میں فرمان صدیقی گذر چکا ہے کہ وہ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ دونوں کو شامل تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے جس خط کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کا اموال باطنہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خود حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے عہد میں یہ فرمان تھا۔ کہ مسلمانوں سے اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرو۔ اور یہ اس بنا پر تھا کہ انہوں نے اپنے فرمان میں یہ تصریح کر دی ہے کہ یہی فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ کے عمال کو تھا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے شرح معانی الآثار سے اس کتاب کے صفحہ ۹۲ میں حوالہ گذر چکا ہے۔

لہٰذا ان کی طرف انتساب کر کے جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ بناء فاسد علی الفاسد کے اصول پر ہے۔ اس کے علاوہ کتاب و سنت سے اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی انفرادیت پر کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی ہے بلکہ ذیل کی روایت سے دانستہ یا نادانستہ بالکلیہ چشم پوشی کر کے موقع استدلال میں چند انکاری دعوے کو دلیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

مثلاً "نسائی" میں حضرت علیؓ کی مرفوع روایت ہے:۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ کو معاف کیا۔ پس تم لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ میں دو سو درہم میں پانچ درہم ادا کرو۔	عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد عفوت عن الخیل والرقیق۔ فادوا زکوۃ اموالکم من کل مائتین خمسۃ (باب زکوۃ الورق ۳۴۲)
علامہ سندھی کا قول ہے۔ کہ عفوت یعنی میں نے معاف کیا	(قال سندی) قولہ (قد عفوت عن

(۶) کافروں کو زکوۃ عشر-صدقہ-صدقہ فطر-کفارہ-نذر کا مال دینا جائز نہیں۔

الخیل والرقیق) ای ترکت لکم اخذ زکوتھا وتجاوزت عنہ الخ — کے معنی ہیں۔ کہ ان کی زکوۃ کا لینا تم لوگوں سے چھوڑ دیا اور اس سے درگذر کیا۔

یہ مرفوع حدیث اس امر پر صریح دلیل ہے کہ اموال باطنہ کی زکوۃ کا مطالبہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے تھے۔ پھر اس کتاب کے صفحہ میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرح معانی الآثار کی یہ روایت مذکور ہو چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کے لئے عامل مقرر فرمایا تھا۔ نیز اسی صفحہ میں بدائع الصنائع کی یہ تصریح بھی گذر چکی۔ عام مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور تفویض سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اموال باطنہ کی زکوۃ کا مطالبہ کرتے تھے۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۷۶ میں مبسوط سرخسی کا یہ حوالہ مذکور ہے کہ عہد نبوت اور عہد شیخین میں اموال باطنہ کی زکوۃ مصدق وصول کرتا تھا۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ قرن اول میں اموال باطنہ کی زکوۃ امیر کے بیت المال میں داخل کی جاتی تھی۔ اور ارباب مال خود سے فقراء کو نہیں دیتے تھے۔ اور نہ ان کو اس کا اختیار تھا۔ بلکہ اموال ظاہرہ کی طرح اموال باطنہ کی زکوۃ کی وصولی کے لئے بھی عامل اور مصدق مقرر تھا جو ان سے وصول کرتا تھا۔ یوں بعض اصحاب خود بھی براہ راست بذات خود بیت المال میں اپنی زکوۃ لیکر حاضر ہوتے تھے۔ مگر ان تمام روایات اور تصریحات کے مقابلہ میں بغیر کسی دلیل اور کتاب وسنت کی تصریح کے صرف انکاری دعوے کئے گئے ہیں۔ مثلاً :۔

(۱) عہد نبوت اور عہد خلفاء راشدین میں ایک واقعہ بھی اس کا منقول نہیں ہے۔ کہ عاملین زکوۃ نے لوگوں کے گھر پہنچ کر ان کے سونے چاندی نکلوائے ہوں۔ اور زیورات کا وزن کیا ہو۔ یا دکان میں جاکر اموال تجارت کا حساب کیا ہو۔ (اللہ اللہ گویا عامل کا جانا وصول کرنا ان جزئیات کے ثبوت پر موقوف ہے۔ ع عقل انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے) حالانکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اموال تجارت کے حساب کے متعلق یہ تصریح موجود ہے :۔

عن عبد الرحمن بن عبد القاری — عبد الرحمن بن عبد القاری کی روایت ہے۔ وہ حضرت
کان علی بیت المال فی زمن عمر — عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عبد اللہ بن ارقم کے

(۷) خاندان بنو ہاشم کے لوگوں کا عامل بنانا تو جائز ہے۔ مگر زکوۃ و عشر کے مال سے ان کو تنخواہ دینی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا لینا ان کے لئے مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن ان کو تنخواہ ایسے مال سے دی جائے جس کا لینا ان کو جائز ہو۔

مع عبد اللہ بن ارقم واذا خرج	جانا بیت المال کے افسر تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ
العطاء جمع عمر اموال التجار	وظیفہ نکالتے تھے تو تاجروں کے مالوں کو جمع کرتے تھے
فحسب عاجلها وآجلها ثم یاخذ الزکوۃ	پھر زکوۃ وصول کرتے تھے۔

من الشاهد والغائب (باب ما قالوا فی العطاء اذا اخذ)

اس کا تعلق مقامی تجارت سے ہے کیونکہ منتقلہ تجارت کا تعلق عاشر سے ہوتا تھا۔

(۲) اموال باطنہ کی زکوۃ نہ دینے والوں پر کسی نے کوئی نکیر نہیں کیا۔ (حالانکہ یہ بھی کوئی صحیح نہیں ہے کما مر)۔

(۳) اموال باطنہ کا کوئی حساب و نگرانی عاملین صدقہ پر نہ تھی (پھر یہ عاملین اور مصدقین جا کر کیا کرتے تھے؟)

(۴) نہ ارباب اموال کے ذمہ تھا۔ کہ وہ اموال باطنہ کی زکوۃ بیت المال میں جمع کریں (دیکھ مطالبہ کے کیا معنی ہوں گے۔؟ جس کی تصریح گذر چکی ہے)

(۵) اور طرز عمل حضرات صحابہ یہ تھا۔ کہ بعض حضرات بیت المال میں دیتے تھے اور بعض نہیں دیتے تھے (حالانکہ تفویض عثمانی سے پہلے تمام صحابہ اپنی ہر قسم کی زکوۃ بیت المال میں داخل کرتے تھے۔ ہاں تفویض عثمانی کے بعد یہ طرز عمل البتہ اموال باطنہ کے متعلق صحابہ کرام کا تھا)

بہر حال ساری الجاری دعوے۔ ایسی روایات اور تصریحات کے مقابلہ میں ہیں جس میں بغیر کسی ابہام کے یہ تصریح ہے کہ قرن اول میں ہر قسم کی زکوۃ امیر کے بیت المال میں داخل کی جاتی تھی اتنا یہ کہ فقہی تصریحات سے بھی فتوے دیتے وقت آنکھ بند کر لی گئی ہے۔ حالانکہ اس امر پر کہ اموال باطنہ کی زکوۃ عہد نبوت اور صدیقی اور عہد فاروقی اور قبل تفویض عہد عثمانی میں امام کے ہاں داخل کی جاتی تھی۔ اور امام ان سے لیتا تھا۔ قطع نظر اور کتابوں کے، فتح القدیر کا حوالہ ص ۹۱ عنایہ کا حوالہ ص ۹۱ میں جصاص رازی کے احکام القرآن کا حوالہ ص ۶۲ اور ص ۶۴ میں موطا امام مالک کا حوالہ ص ۶۵ اور ص ۶۳ میں۔ بدائع الصنائع کا حوالہ ص ۸۰ میں مبسوط کا حوالہ ص ۸۲ میں اسی کتاب العشر والزکوٰۃ

(۸) کسی فقیر کو زکوۃ کا مال بقدر نصاب دینا۔ یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے لیکن اگر دے دیا جائے تو جائز ہے (کما فی الھدایہ)

قد وقع الفراغ من تسوید ھذا الکتاب قبل لیف تامن رجب المرجب سنہ ۱۳۶۱ بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیق والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ وصحبہ ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ ما سبق) میں مذکور ہے۔ قارئین کتاب ورق لوٹ کر پھر دیکھ لیں۔

مگر ان سب کے باوجود تمام تصریحات کے خلاف غیر ذمہ دارانہ جسارت سے پوری بیباکی کے ساتھ بغیر دلیل کے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ

عــ۱ قانون شریعت نے صرف اموال ظاہرہ کی زکوۃ کو اجتماعی صورت میں لیا ہے۔ اور اموال باطنہ کی زکوۃ کو خود ارباب اموال کے حوالہ کر کے انفرادی صورت ادا کرنے کا طریقہ جاری فرمایا ہے۔

عــ۲ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سونے چاندی اور وہ اموال تجارت جو منتقل نہیں کئے جاتے۔ ان سب اموال کی زکوۃ کا عام قانون یہی تھا کہ انفرادی طور پر ادا کی جائے۔

عــ۳ قرون اولیٰ میں بھی اموال باطنہ کی زکوۃ انفراداً ادا کی جاتی تھی۔

مذکورہ بالا تصریحات کے ساتھ ان دعاوی کو پڑھ کر بجز اس کے اور کیا کہا جائے۔

رستہ دکھا رہا ہے مرا راہبر غلط ۱۲

عبد الصمد رحمانی

ضمیمہ صدقۂ فطر

صدقات واجبہ میں صدقہ فطر، مسلمانوں کی عملی زندگی کا ایسا مسئلہ ہے۔ جو زکوۃ ہی کی طرح ناگزیر ہے۔ بلکہ ترتب آثار کی جہت سے زکوۃ سے زیادہ عمومیت اور ہمہ گیری اس کو حاصل ہے۔ کیونکہ مسلمانوں میں سترفی صدی ایسے افراد ضرور ہوتے ہیں جن پر ہر سال صدقہ فطر ضرور واجب ہوتا ہے۔ اسلئے باوجود اس کے کہ "کتاب العشر والزکوۃ" کے دائرہ سے یہ مسئلہ خارج ہے، اسکی اہمیت کے پیش نظر ہم اس کو اس کتاب کا ضمیمہ بنا رہے ہیں۔

صدقہ فطر کی اہمیت

صدقات واجبہ میں زکوۃ کے بعد اس کی یہ اہمیت ہے کہ اسکے وجوب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان کراتے تھے۔ ترمذی شریف میں ہے کہ صدقہ فطر کے متعلق مکہ معظمہ کی گلیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کے ذریعہ اعلان فرمایا۔ کہ مرد و عورت پر یہ صدقہ واجب ہے۔ اس صدقہ کے اندر بہت سے دینی اور دنیاوی مصالح مضمر ہیں۔

(۱) روزہ داروں کے روزہ کا تکملہ ہوتا ہے۔ یعنی آداب صیام کی نگہداشت میں جو کچھ غلطیاں ہوئی ہوں گی، ان کا کفارہ ہو جائے گا۔

(۲) صدقہ فطر کے جمع و صرف کا یوم عید میں جو مظاہرہ ہوگا۔ اس سے اسلامی جمعیت اسلامی حمیت اور اس کی اخلاقی شوکت کا اظہار ہوگا۔ اور اس کا اثر غیروں کے قلوب پر بھی اچھا پڑے گا۔

(۳) عید الفطر کے دن روزہ حرام ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر صاحب نصاب پر یہ واجب کر دیا گیا ہے کہ وہ غرباء تک صدقہ پہنچا دیں۔ تاکہ اس روز کوئی مسلمان بھوکا نہ رہے۔ اور عید کی خوشی میں شریک ہو سکے۔ اور فارغ البال ہو کر دوگانہ عید کی ادائیگی کے لئے عید گاہ میں حاضر ہو۔

(۴) پھر اس میں اللہ تعالیٰ کے احسان و کرم کا شکریہ بھی ہے۔ کہ اس نے احکام رمضان یعنی روزہ، تراویح کی بجا آوری کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

صدقۂ فطر کا وجوب

(۱) یہ صدقہ ہر ایسے مسلمان مرد۔ عورت پر واجب ہے۔ جو عید کے روز مالک نصاب ہو۔ یعنی حوائج اصلیہ اور دین سے فارغ۔ کم سے کم ایک نصاب کی مالیت اس روز اس کے پاس موجود ہو یعنی کم از کم چالیس روپیہ کی مالیت اس روز ان کے پاس موجود ہو۔ مگر رہنے کے مکان۔ کاشت کے ہل و بیل۔ جہاد کے ہتھیار و گھوڑے۔ ملبوسی کپڑے۔ مصرفی ظروف کے علاوہ ہو کیونکہ یہ سب حوائج اصلیہ میں داخل ہیں۔

(۲) صدقہ فطر اپنی طرف سے ادا کرنا واجب ہے۔

(۳) اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے واجب ہے۔

(۴) اور بالغ اولاد کی طرف سے بھی بشرطیکہ وہ فقیر ہوں۔

(۵) نابالغ اولاد اگر مالدار ہوں تو ان کے مال سے ادا کیا جائے گا۔ اور اس صورت میں ماں باپ پر صدقہ کرنا واجب نہیں ہے۔ اگر ادا کریں گے تو احسان ہوگا۔

(۶) بی بی کی طرف سے بھی صدقہ کرنا واجب نہیں ہے لیکن شوہر ادا کر دے تو جائز ہے۔

(۷) صدقہ فطر کا وجوب عید الفطر کی فجر طلوع ہونے پر ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص قبل طلوع فجر کے مر جائے یا فقیر ہو جائے اس پر صدقہ فطر واجب نہیں۔ اسی طرح جو شخص بعد طلوع فجر کے اسلام لائے یا مال پا جائے۔ یا جو لڑکا بعد طلوع فجر کے پیدا ہو اس پر بھی صدقہ واجب نہیں۔ ہاں جو لڑکا قبل طلوع فجر کے پیدا ہو یا جو شخص قبل طلوع فجر کے اسلام لائے۔ یا مال پا جائے اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔

(۸) صدقہ فطر کے واجب ہونے میں روزہ دار ہونا شرط نہیں جس شخص نے کسی عذر کے سبب سے روزہ نہ رکھا ہو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔ جو بدبخت مسلمان بے عذر ترک کریگا۔ اس کے ذمہ بھی صدقہ فطر واجب ہوگا۔

صدقہ فطر کی مقدار

صدقہ فطر میں گیہوں یا اس کا آٹا۔ یا ستو آدھا صاع ہر شخص کی طرف سے ہونا چاہئے

یعنی ایک فطرہ ان تینوں چیزوں سے آدھا صاع ہے اور چھوہارا منقّیٰ۔ جو ان سبھوں سے فی شخص ایک صاع ہے۔

اہل ہند کے لیئے یہ عجیب بات معلوم ہوگی کہ چھوہارا اور منقّیٰ کو جَو کے برابر کر دیا گیا ہے اور گیہوں اور اس کے آٹا اور اس کے ستّو کو بھی منقّیٰ اور چھوہارے سے بڑھا دیا گیا ہے اور قیمتی سمجھا گیا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ ان چیزوں کے اندر اجتہاد کو دخل نہیں ہے ان تعینات کے مصالح حقیقۃً تو شارع علیہ السلام جانتے ہیں۔ ہم لوگ اپنی سمجھ سے ان کے نکتہ کے متعلق بجز قیاس آرائی کے اور کیا کہہ سکتے ہیں اور یہ ان پر جو دونوں ملکوں کی حالتوں سے واقف ہیں، ظاہر ہے۔

ان اشیار کے سوا اگر کوئی چیز فطرہ میں دی جائے تو قیمت لگا کر دی جائے مثلاً چاول اگر دینا ہو تو آدھا صاع گیہوں کی قیمت لگائی جائے اور اس قیمت کے عوض میں جسقدر چاول حاصل ہو اتنا چاول صدقہ فطر میں دیا جائے۔

ایک صاع کا وزن ہمارے ہندوستان کے پختہ وزن سے یعنی اسّی روپیہ کے سیر کے حساب سے تقریباً ۲۰۱۲ (ڈھائی سیر) ہوتا ہے، اور نصف صاع ۱ مار (سوا سیر) جبکہ روپیہ ۱۱ ماشہ کا ہو۔ اور اگر ساڑھے دس ماشہ کا ہو تو نصف صاع تقریباً ۱۰ مار ہوگا۔ صاع کے وزن میں علمائے ہندوستان کا اختلاف ہے۔ بعض صاع کا وزن پونے تین سیر۔ اور بعض تین سیر بھی کہتے ہیں۔ مگر ہماری اور ایک کثیر جماعت محققین کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع ۲۰ مار ہے۔ پس واجب ہے کہ کم از کم اسی حساب سے فطرہ دیا جائے۔ اور احتیاط کی بنا پر زیادہ جس قدر بھی دیا جائے گا ثواب ہی ہوگا، گناہ تو ہوگا نہیں۔

صدقۂ فطر اور اُس کا نظم

احادیث و آثار کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر کے جمع و تقسیم کا قرن اُولیٰ میں خاص نظم تھا۔ اور یہ بے ترتیبی و بدنظمی نہ تھی جو اس دور میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ حسب ذیل آثار اس کے شاہد ہیں:۔

عہ ہم نے اسّی روپیہ کو نمبری سیر کے مقابلہ میں جو وزن کیا تو اس اسّی روپیہ میں بعض روپیہ گیارہ ماشہ کا پایا

(بقیہ صفحہ ۱۲۲ پر دیکھئے

(۱) اخبرنا مالک حدثنا نافع ان ابن عمر کان یبعث بزکوٰۃ الفطر الی الذی یجمع عندہ قبل الفطر بیومین او ثلاثۃ (موطا امام محمد)۔

امام محمد امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ان کو حضرت نافعؒ نے خبر دی کہ البتہ حضرت ابن عمرؓ اپنے صدقہ فطر کو دو یا تین دن قبل ہی اس شخص کے پاس بھیجدیتے تھے جس کے پاس صدقہ فطر جمع کیا جاتا تھا۔

(۲) عن ایوب قلت لنافع متی کان ابن عمر یعطی (ای صدقۃ الفطر) قال اذا قعد العامل

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت نافع سے پوچھا کہ حضرت ابن عمرؓ صدقہ فطر کب نکالتے تھے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ جب عامل جمع کرنے کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) گیارہ ماشہ کا پایا۔ اور بعض روپیہ ساڑھے دس ماشہ کا پایا لیکن احتیاط چونکہ ساڑھے دس ماشہ میں ہے۔ اس لئے ہم ذیل میں اسی کو اختیار کرکے صدقہ فطر کا شرعی حساب لکھتے ہیں:۔

سب سے پہلی بات یہ یاد رکھنی چاہئے۔ کہ ہر روپیہ ساڑھے دس ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے نمبری سیر جس کا وزن اسی روپیہ کے برابر ہے۔ ایک سیر کے (۸۴۰) ماشے ہوئے۔ اب اگر یہ معلوم ہوجائے کہ نصف صاع کے کتنے ماشے ہوتے ہیں۔ تو اس کا حساب اس نمبری سیر کی رو سے سمجھ لینا آسان ہوگا۔

اس کے لئے سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے۔ وہ درہم ہے۔ علامہ شامی کی تصریح کی بنا پر صاع کا وزن (۱۰۴۰) درہم ہے۔ لہذا نصف (۵۲۰) درہم ہوگا۔

تعلم ان الدرھم الشرعی اربعۃ عشر قیراطا۔ والمتعارف الان ستۃ عشر فاذا کان الصاع الفا واربعین درھما شرعیا یکون بالدرھم المتعارف تسعۃ مائۃ وعشرۃ۔ (شامی جلد دوم باب صدقۃ الفطر)

شرعی درہم ۱۴ قیراط کا ہوتا ہے۔ لیکن اسوقت کا مروجہ درہم ۱۶ قیراط کا ہے۔ لہذا صاع جو ایک ہزار چالیس درہم شرعی کا ہوتا ہے متعارف درہم کے اعتبار سے نوسو دس درہم کا ہے۔

اب ان درہموں کو ماشہ کی شکل میں لانے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ اس کو قیراط بنالیں اور قیراط کو جو بنالیں اور جو کو رتی بنالیں۔ اور رتی کو ماشہ بنالیں۔

ہر درہم حسب تصریح مذکور (۱۴) قیراط کا ہوتا ہے۔ اس بنا پر (۵۲۰) درہم کو (۱۴) میں ضرب

قال متی کان یقعد العامل قال — بیٹھ جاتا پھر میں نے پوچھا، کہ عامل کب بیٹھتا تھا تو
قبل الفطر بیوم او بیومین — انھوں نے جواب دیا کہ یوم عید سے ایک یا دو دن پہلے۔
(رواہ ابن خزیمہ من طریق الوارث)

اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ایک شخص کے پاس فطرہ جمع ہوتا تھا۔ اور تقسیم کیا جاتا تھا۔ بلکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) ضرب دینے سے اس کا حاصل ضرب (۷۲۸۰) ہوتا ہے۔ جو نصف صاع کا کل قیراط ہے۔ حساب ملاحظہ ہو اور ہر قیراط پانچ جو کا ہوتا ہے ←

۵۲۰
۱۴
۲۰۸۰
۵۲۰
۷۲۸۰

والدراہم اربعة عشر قیراطا — ایک درہم ۱۴ قیراط ہوتا ہے۔ اور ایک قیراط پانچ
والقیراط خمس شعیرات — جو کا ہے۔
(درمختار باب زکوٰۃ الاموال)

لکن المعتبر فی قیراط الدرھم — متعارف درہم کے خلاف۔ شرعی درہم کے قیراط کے
الشرعی خمس حبات بخلاف قیراط — بارے میں پانچ جو معتبر ہے۔
الدرھم العرفی (شامی ج۲ ص۳۱)

اس لئے (۷۲۸۰) قیراط کو (۵) میں ضرب دینے سے جو اس کا حاصل ضرب (۳۶۴۰۰) ہوتا ہے
یہ نصف صاع کا مجموعہ جو ہے حساب ملاحظہ ہو ← ۷۲۸۰ × ۵ = ۳۶۴۰۰ (چھتیس ہزار چار سو جو)

اب ان جو کو رتی بنا کر ماشہ بنانا ہے۔ تو حسب تصریح علامہ شامی ایک رتی چار جو کی ہوتی ہے

کل خرنوبة اربع شعیرات او اربع — ہر خرنوبہ یعنی رتی چار جو یا چار گیہوں کے برابر ہوتا ہے
قمحات لانا اختبرنا الشعیرة — اس لئے کہ متوسط درجہ کے جو اور گیہوں کو ہم نے جانچا
المتوسط مع القمحة المتوسط فو — تو دونوں برابر پایا۔
جدناھما متساویین (شامی جلد دوم باب زکوٰۃ الاموال)

اس لحاظ سے نصف صاع کی کل رتی (۹۱۰۰) ہوتی ہے۔ جو (۳۶۴۰۰)
کو چار پر تقسیم کرنے کا حاصل تقسیم ہے۔ حساب ملاحظہ ہو ← ۴) ۳۶۴۰۰ (۹۱۰۰
۳۶
۴
۴

اب چونکہ ماشہ آٹھ رتی کا ہوتا ہے۔ نصف صاع کے کل ماشے مع کسر ۱۱۳۷ ماشے ۴ رتی

بعض شراح بخاری نے اس کی تصریح کردی ہے اور یہ لکھا ہے کہ جس کے پاس جمع ہوتا تھا وہ امام کا مقرر کردہ ہوتا تھا۔ (ضیاء الساری)

نیز بخاری شریف کی حدیث ابوہریرہؓ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ رمضان کی حفاظت کی خدمت میرے سپرد کی جس سے بظاہر مراد صدقۂ فطر ہے۔

صدقۂ فطر کے وجوب کا منشا یہ ہے۔ کہ اس روز کوئی مسلمان بھوکا نہ رہے۔ اور نماز عید سے پہلے ہر شخص کھا پی لے۔ اس لئے بلحاظ تکمیل مقصد بہتر صورت یہ ہے کہ رمضان کے اندر ہی یا کم از کم علی الصباح نماز عید سے بہت پہلے ہر شخص اور ہر گھر کا فطرہ ہر گاؤں و محلہ میں ایک جگہ جمع کیا جائے اور فقرا مساکین و اہل حاجت میں تقسیم کیا جائے۔ پھر اہل حاجت کو کم از کم ایک فطرہ کی مقدار دیا جائے۔ در در بدر گھومنے والے اور بھیک مانگنے والے فقرا بہت زیادہ ایسے ہوتے ہیں جو مالدار غنی ہوتے ہیں۔ وہ پانے کے مستحق نہیں ہوتے ہیں۔ اُن کے دینے میں غیر مصرف میں خرچ ہونے کا اندیشہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) ہوتے ہیں۔ جو ۹۱۰۰ کو (۸) پر تقسیم کرنے کا حاصل، ۱۱۳۷ (۹۱۰۰ ÷ ۸) تقسیم ہے۔

حساب ملاحظہ ہو

الحاصل :- یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ نصف صاع کے کل (۱۱۳۷ ماشے ۴ رتی) ہوئے۔ اور ایک سیر کے کل ماشے (۸۴۰) ہوتے ہیں۔ اب کتنا اس پر اضافہ کیا جائے۔ جس سے دونوں برابر ہوجائیں چھ چھٹانک کا جو صدر کے حساب کی بنا پر ۳۱۵ ماشے ہوتے ہیں۔ اگر اضافہ کردیا جائے تو ایک سیر چھ چھٹانک کے (۱۱۵۵) ماشے ہوجائیں گے۔ اور حساب کی رو سے ہم کو کل (۱۱۳۷ ماشے ۴ رتی) دینے ہیں یعنی اس میں ساڑھے سترہ ماشے یعنی (۱۷ ماشے ۴ رتی) زیادہ ہیں۔ بہرحال ایک سیر چھ چھٹانک گیہوں ادا کرنے میں صدقۂ فطر (۱۷ ماشے ۴ رتی) کی زیادتی کے ساتھ ادا ہوجائیگا۔ اور بہتر یہ ہے کما لا یخفی۔

بعض روپیہ گیارہ ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے اسی روپیہ ۸۰ کے سیر سے صدقۂ فطر ہوگا ہم نے احتیاطاً کل روپیہ کو ساڑھے دس ماشہ کا رکھا ہے۔ گرچہ اس میں بعض گیارہ ماشہ کا ہو۔ تاکہ احتیاط پر عمل رہے۔

صدقہ فطر کے مصارف

صدقہ فطر کے مصارف وہی ہیں۔ جو زکوٰۃ کے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ غیر مستحق اشخاص کو صدقہ فطر نہ دیا جائے۔ اگر دیا جائے گا تو صدقہ فطر ادا نہ ہو گا اور وجوب کی ذمہ داری کا سقوط نہیں ہو گا۔ شرعی مسائل نہ جاننے کی وجہ سے بعض لوگ مساجد یا کمیٹی کو بھی صدقہ فطر دیدیا کرتے ہیں۔ اس سے صدقہ فطر ادا نہ ہو گا۔

ارزانی کے زمانہ میں نقد دینا بہتر ہے اور گرانی کے زمانہ میں کھانے کی چیز دینا افضل ہے۔ صدقہ فطر فقرا د مستحقین کو رمضان سے پہلے یا رمضان میں ادا کر دے تو جائز ہے۔ نیز عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ایک صدقہ فطر ایک محتاج کو دیا جائے۔ ہاں بلحاظ ضرورت ایک محتاج کو چند آدمی کا صدقہ فطر بھی دیا جا سکتا ہے۔

جدول برآوردِ زکوۃ بر مسلک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

رقم نصاب	رقم زکوۃ	رقم نصاب	رقم زکوۃ
للعہ ۴۰	عصہ	ما ۱۳۶	ے ۶/ ۸ دام
للعہ ۴۸	عصہ ۳/ ۴ دام	ما للعہ ۱۴۴	ے ۹/ ۱۲ دام
صہ ۵۶	عصہ ۶/ ۸ دام	ما صہ ۱۵۲	ے ۱۲/ ۱۶ دام
للعہ ۶۴	عصہ ۹/ ۱۲ دام	ما ۱۶۰	للعہ
معہ ۷۲	عصہ ۱۲/ ۱۶ دام	ما ۱۶۸	للعہ ۳/ ۴ دام
لـہ ۸۰	عـہ	ما معہ ۱۷۶	للعہ ۶/ ۸ دام
لـہ ۸۸	عـہ ۳/ ۴ دام	ما للعہ ۱۸۴	للعہ ۹/ ۱۲ دام
لعہ ۹۶	عـہ ۶/ ۸ دام	ما لعہ ۱۹۲	للعہ ۱۲/ ۱۶ دام
ما للعہ ۱۰۴	عـہ ۹/ ۱۲ دام	مار	صہ
ما عہ ۱۱۲	عـہ ۱۲/ ۱۶ دام	للعما	عـہ
ما عہ ۱۲۰	سے	سما	عـہ
ما عہ ۱۲۸	سے ۳/ ۴ دام	لبہا	عـہ
		الـ	عـہ

نوٹ:- ہزار سے اوپر جتنی رقم بھی ہو۔ ہر دو سو پر پانچ روپیہ کا اضافہ ہوگا۔ دو سو سے کم کی رقم پر جو زکوۃ لازم آتی ہے۔ اسکی تفصیل اوپر لکھی ہوئی ہے۔ درمیانی نصاب کا حساب اسی سے کر لیا جائے۔

صاحبین کے مسلک پر چالیس روپیہ جتنی رقم بھی زیادہ ہو۔ کل رقم کا چالیسواں حصہ نکالنا چاہیئے۔ مثلاً للعہ پینتالیس روپیہ میں صاحبین کے مسلک پر عصہ زکوۃ ہوگی۔ یعنی چالیس روپیہ کا چالیسواں حصہ ایک روپیہ ہوا اور پانچ روپیہ کا چالیسواں حصہ ۲ ر ہوا۔ جملہ ایک روپیہ دو آنے ہوئے۔

امام صاحب کے نزدیک للعہ پینتالیس روپیہ میں صرف ایک روپیہ زکوۃ دینی ہوگی۔ پانچ روپیہ پر کچھ لازم نہیں آئیگا۔ تا آنکہ آٹھ روپیہ ہو جائے۔

عبد الصمد رحمانی

ضمیمہ (۲) ماخذ کتاب العشر والزکوۃ

اس لحاظ سے کہ "کتاب العشر والزکوۃ" کا تعلق فقہی مسائل سے ہے۔ اس کا ماخذ کتاب و سنت اور ان کی تشریحات یعنی تفاسیر اور شروح احادیث اور کتب فقہیہ ہیں۔

کتاب اللہ قرآن مجید کے سوا چاہے وہ کتب احادیث ہوں یا کتب فقہ۔ سب ایک درجہ کی نہیں ہیں۔ اس لئے ذیل میں ان کے تفاوت درجات پر تنبیہہ کے لئے بعض کتابوں کی مختصر کیفیت ارباب علم کے لئے نہیں۔ بلکہ ان قارئین کتاب کے لئے لکھدی جاتی ہے۔ جو فرق مراتب سے ناواقف ہیں۔ تاکہ ان کے لئے اس کا مظنہ نہ رہے۔ کہ وہ اس غلطی کے شکار ہو جائیں کہ ادنیٰ کو اعلیٰ پر مقدم کر دیں۔ اور اعلیٰ کو ادنیٰ کے مقابلہ میں گرا دیں۔ اور مقبول و مرجوح۔ اور معروف و مجہول اقوال میں امتیاز باقی نہ رکھیں۔

کتابوں کے نام	مختصر کیفیت
قرآن مجید:	انہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید هدی للناس و بینات من الهدی والفرقان (بقرہ ۲۲۰) — قرآن بڑی عالی رتبہ کتاب ہے۔ باطل نہ آگے سے اس کے پاس آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ حکیم و حمید خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ ساری اقوام دنیا کے لئے ہدایت نامہ ہے اور ہدایت و فرقان کے لئے بینات (حجت و برہان) ہے۔

تفاسیر

تفسیر معالم التنزیل: اس کے مصنف امام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی (المتوفی ۵۱۶ھ) ہیں۔ ان کی تفسیر کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ یہ تفسیر میں صحابہ اور تابعین۔ اور سلف صالحین کی تفسیر کو پیش نظر رکھتے ہیں اور پورے احتیاط کے ساتھ اپنی سند سے روایت ذکر کرتے ہیں۔

تفسیر کبیر: یہ علامہ امام فخر الدین رازی ابو عبد اللہ محمد بن عمر (المتوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیر ہے۔ اس کا نام "مفاتیح الغیب" ہے۔ مگر اپنی کثرت مباحث اور اس دور کے نقلی اور عقلی مناظروں کی جامعیت کے لحاظ سے تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔ اور تعارف سے بے نیاز ہے۔

تفسیر بیضاوی: یہ قاضی ناصر الدین عبد اللہ بن عمر بیضاوی (المتوفی ۶۹۱ھ) کی تفسیر ہے۔ جو درس نظامیہ میں داخل ہے اور متداول تفسیروں میں مقبول تفسیر ہے۔ لیکن نقل روایت میں محتاط نہیں ہے۔

مختصر کیفیت

کتابوں کے نام

تفسیر مدارک

یہ امام حافظ الدین عبد اللہ بن احمد (المتوفی ۷۰۱ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ متوسط درجہ کی تفسیر ہے۔ اس میں اہل سنت وجماعت کے اقوال کا ہر جگہ خیال رکھا گیا ہے۔ اور اقوال باطلہ اور تاویلات اہل بدعت سے پاک ہے۔ علم بدیع کے وقائع۔ اور وجوہ اعراب سے اس میں کافی بحث ہے۔

تفسیر خازن

اس کے مصنف صوفی شیخ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی ہیں۔ یہ آٹھویں صدی کے بزرگ ہیں۔ اس تفسیر کی تالیف سے وہ ۷۲۵ھ میں فارغ ہوئے اور غالباً ۷۴۱ھ میں وفات پائے۔ یہ اپنے ماقبل کی تفسیروں کا مجموعہ بھی ہے اور خلاصہ بھی ہے۔ نقل احادیث میں موضوعات سے اجتناب کرتے ہیں۔ اور صوفیانہ اور واعظانہ طرز کے دلچسپ نکات لکھتے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر

یہ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل المعروف بابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ) کی تفسیر ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ یہ تفسیر بالحدیث ہے۔ اور اس لحاظ سے اس کو خاص اہمیت ہے۔

شیخ زادہ

یہ تفسیر بیضاوی کا حاشیہ ہے۔ اور نہایت بہتر اور عمدہ ہے۔ اس کے مصنف مولٰنا محی الدین محمد المعروف بشیخ زادہ (المتوفی ۹۵۰ھ) ہیں۔

تفسیر روح البیان

یہ شیخ اسمٰعیل حقی کی (۱۱۳۷ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ تفسیر میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔ اور اصلاح روح کا مسئلہ ہر جگہ پیش نظر رہا ہے۔ اس میں فارسی ابیات بہ کثرت ہیں۔

تفسیر روح المعانی

یہ علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ بغداد کے مفتی تھے۔ اور عراق میں مرجع خلائق تھے۔ متاخرین کی تفسیروں میں جامع تفسیر ہے اور اہل علم کے لئے لائق مطالعہ۔

تفسیر فتح البیان

یہ والی بھوپال نواب سید صدیق حسن خاں (المتوفی ۱۳۰۷ھ) کی تفسیر ہے۔ اور ان کی شخصیت ہندوستان کے لئے محتاج تعارف نہیں۔

احادیث

موطا امام مالک ۱۷۹ھ

احادیث کے مختلف معیار کے جتنے مجموعے مرتب ہوئے۔ ان میں سب سے پہلی کتاب "موطا امام مالک" (المتوفی ۱۷۹ھ) ہے۔ اسی لحاظ سے میں نے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا۔ ان کی جلالت قدر پر یحی بن معین کا یہ قول کافی ہے کہ امام مالک حدیث میں مسلمانوں کے بادشاہ ہیں۔ سفیان بن عیینہ کا قول ہے۔ کہ امام مالک بجز صحیح حدیث کے کسی حدیث کو مرفوع نہیں بیان کرتے ہیں۔ اور بجز ثقات کے دوسرے سے روایت نہیں کرتے ہیں۔ ۹۳ھ کی ولادت ہے اور سنہ وفات ۱۷۹ھ ہے۔

موطا امام محمد ۱۸۹ھ

امام محمد کا پورا نام ابو عبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی ہے۔ واسط میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں نشو و نما پائی۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے فقہ حاصل کیا۔ اور موطا کو امام مالک سے سماعت کی۔ کچھ دنوں بغداد میں حدیث کا درس دیا۔ "رقہ" میں قاضی رہے۔ پھر ہارون رشید کی معیت میں "رے" گئے۔ وہیں ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ میراث میں تیس ہزار درہم ملے تھے۔ پندرہ ہزار نحو و ادب پر صرف کیا۔ اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ پر۔ یہ لغت کے امام ہیں۔ امام شافعی کا مقولہ ہے کہ میں نے محمد سے زیادہ سمجھدار اور ذکی آدمی نہیں دیکھا۔ امام احمد کا مقولہ ہے کہ محمد عربیت میں تمام لوگوں سے زیادہ صاحب بصیرت ہیں۔ ابو عبید کا قول ہے میں نے کتاب اللہ کا محمد سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ امام احمد سے ایک شخص نے پوچھا کہ یہ دقیق مسائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوئے تو کہا امام محمد کی کتابوں سے۔

دارمی

یہ عبداللہ بن عبدالرحمن بن بہرام بن عبدالصمد تمیمی دارمی سمرقندی (المتوفی ۲۵۵ھ) کی تصنیف ہے۔ ان سے مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ان کی وفات کی خبر امام بخاری کو ملی۔ تو رو پڑے۔ اور سر جھکا کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

مسند امام احمد بن حنبل

حضرت امام احمد بن حنبل (المتوفی ۲۴۱ھ) نے اس کتاب کو بیاض کی شکل میں جمع کیا تھا۔ اور اپنی حیات میں اس کو مرتب نہ فرما سکے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ نے اس کی ترتیب دی۔ مسند کے متعلق مشہور ہے۔ کہ اس میں تیس ہزار حدیثیں تھیں۔ لیکن ان کے صاحبزادہ کی زیادت کو ملا کر اب اس میں چالیس ہزار حدیثیں ہیں۔

مختصر کیفیت

صحیحین

بخاری و مسلم کتب احادیث میں صحیحین کے نام ملقب ہیں۔ ان کے متعلق محدثین کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ ان کے رواۃ حدیث ثقات و عدالت میں متفق علیہ ہیں۔ اس مجموعہ میں کوئی موضوع روایت نہیں ہے۔ بطریق شاذ کسی روایت میں ضعف ممکن ہے۔ بعض لحاظ سے ان دونوں میں بعض نے بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) کو ترجیح دیا ہے۔ بعض نے مسلم (المتوفی ۲۶۱ھ) کو ترجیح دیا ہے۔

ابوداؤد و ترمذی

صحاح میں صحیحین کے بعد ابوداؤد اور ترمذی کا درجہ ہے۔ ابوداؤد (المتوفی ۲۷۵ھ) کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس کی تمام حدیثیں کسی نہ کسی امام۔ محدث یا فقیہ کی معمول بہا ہیں۔ گو روایت میں صحیح و مرفوع روایت کے ساتھ ضعیف و مرسل کو بھی بیان کرتے ہیں۔ لیکن وہ روایت کا نقص و کمال ظاہر کر دیتے ہیں تالیف میں سنن ابی داؤد کو ترمذی سے تقدم کا شرف ہے۔ ترمذی بھی ان ہی خصوصیات کا جامع ہے۔ مزید یہ کہ وہ صحابہ۔ تابعین اور فقہاء کے مذاہب کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اور ایک حدیث نقل کر کے اُس کے دوسرے طرق کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ سنہ وفات ۲۷۹ھ ہے۔

نسائی و ابن ماجہ

صحاح میں ان کا درجہ ابوداؤد۔ ترمذی کے بعد ہے۔ نسائی کے مصنف ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی (المتوفی ۳۰۳ھ) ہیں۔ اس کے پہلے سنن کبرے کے نام سے یہ کتاب لکھی تھی۔ اس کے متعلق بعض امرا نے پوچھا کہ کیا اس میں صحیح حدیثیں ہیں۔ تو کہا نہیں۔ امیر نے کہا تو ایک ایسی کتاب میرے لئے تالیف کر دیجئے۔ جس میں سب صحیح حدیثیں ہوں۔ اس پر یہ کتاب نسائی جس کا نام مجتبیٰ ہے ملخص کی گئی۔ ابن ماجہ کے مصنف ابو عبداللہ محمد بن زید عبداللہ ابن ماجہ قزوینی (المتوفی ۲۷۳ھ) ہیں۔ اس میں ہر طرح کی حدیثیں ہیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام حدیثوں میں اختصار مد نظر ہے۔ اور تکرار نہیں ہے۔

نووی

یہ صحیح مسلم کی شرح ہے۔ اس کے مصنف شیخ الاسلام یحیٰ بن شرف بن حسن بن حسین محی الدین نووی ہیں۔ ان کی ولادت ۶۳۱ھ کی ہے۔ اور وفات ۶۷۶ھ میں ہوئی ہے۔ یہ حافظ حدیث تھے۔ اور تمام انواع حدیث کے عارف تھے۔ انکی تصانیف بہت ہیں اور سب مقبول ہیں۔

مشکوٰۃ

جامعین احادیث کی جمع حدیث میں مختلف اغراض پیش نظر رہی ہیں۔ مثلاً صاحب مسانید کی غرض یہ تھی کہ استنباط احکام کے لئے الفاظ حدیث محفوظ کردئے جائیں۔ ان کے سامنے نقد رجال کا مسئلہ نہ تھا۔ صاحب صحاح کی غرض یہ تھی۔ کہ نقد رجال پیش نظر رکھ کر صحیح احادیث جمع کی جائیں اور استنباط احکام کے لئے ترجمۃ الباب قائم کردیا جائے۔ بعض جامعین کی غرض یہ تھی کہ عمل کے لئے ترغیب و ترہیب کے ساتھ ایسی حدیثیں بغیر سند کے جمع کردی جائیں جو احکام شرعیہ پر متضمن ہوں۔ اسی تیسری قسم میں مشکوٰۃ ہے اس کے مصنف ابو محمد حسین بن مسعود بن بغوی (المتوفی ۵۱۶ھ) ہیں۔ یہ ہر حدیث کے آخر میں یہ بتادیتے ہیں کہ یہ حدیث کس کتاب سے لی گئی ہے۔ اپنی افادیت کے لحاظ سے مقبول خاص و عام ہے۔

عینی

یہ علامہ بدالدین عینی ابو محمد محمود کی تصنیف ہے۔ اپنی جلالت قدر کے اعتبار سے یہ ائمہ حنفیہ میں اور طبقہ اہل علم میں ایسی معروف شخصیت ہیں۔ جو تعارف سے بے نیاز ہیں۔ ان کی ولادت ۷۶۲ھ کی ہے۔ اور وفات ۸۵۵ھ کی ہے۔

مرقاۃ

یہ مشکوٰۃ کی شرح ہے۔ اس کے مصنف علی بن سلطان محمد ہروی ہیں۔ یہ علی القاری الحنفی سے مشہور ہیں۔ ان کی ولادت ہرات کی ہے تعلیم کے ایام میں مکہ معظمہ میں آئے۔ اور یہیں ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف بکثرت ہیں۔ اور اہل علم میں مقبول و مستند ہیں۔ ان کو الف اول کا مجدد بھی سمجھا جاتا ہے۔

کتب فقہیہ

کتب فقہیہ حنفیہ اور ان کے مصنفین کی مختصر حالت کے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اصحاب حنفیہ میں جن کتابوں کا مختصر ذکر ہم ذیل میں کرینگے۔ ان کے چھ طبقے ہیں

طبقہ اول مجتہدین فی المذہب ہے۔ جیسے امام ابو یوسف۔ امام محمد رحمہم اللہ اور وہ حضرات جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے مقرر کردہ اصول پر احکام کے استخراج پر قادر ہوں یہ لوگ فروع میں تو امام سے اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن اصول میں مقلد رہتے ہیں۔

طبقہ ثانیہ مجتہدین مسائل ہے۔ جیسے خصاف۔ طحاوی۔ کرخی۔ سرخسی۔ حلوائی بزودی۔ وغیرہ۔ جو اصول و فروع میں امام کی مخالفت نہیں کرتے ہیں لیکن ایسے احکام جن کے متعلق کوئی روایت امام سے نہ ہو امام کے اصول پر احکام استنباط کرتے ہیں۔

طبقہ ثالثہ اصحاب تخریج ہے۔ جو اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن وہ بہ سبب احاطہ اصول اور ضبط ماخذ مجمل اور محتمل قول کی تفصیل کرتے ہیں اور اس پر قادر ہوتے ہیں۔

طبقہ رابعہ اصحاب ترجیح ہے۔ جو اپنے حسن درایت سے بعض روایت کو بعض پر ترجیح و تفضیل دیتے ہیں۔ اور اس کی قدرت رکھتے ہیں۔ جیسے قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ۔

طبقہ خامسہ طبقۃ المقلدین ہے۔ جو قوی و ضعیف۔ اور مرجح و ضعیف اور ظاہر روایت اور روایت نادرہ کی تمیز رکھتے ہیں۔ جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب کنز۔ صاحب وقایہ۔ صاحب ہدایہ۔ صاحب مجمع۔ وغیرہ۔

طبقہ سادسہ وہ لوگ ہیں جو ان کے علاوہ ہیں۔ جو کھرے کھوٹے کی تمیز نہیں رکھتے ہیں۔ (والتفصیل فی المطولات ہذا ماالخصتہ من رسائل ابن عابدین)

ظاہر روایت وہ مسائل کہے جاتے ہیں۔ جو امام محمدؒ کی چھ کتابوں (مبسوط زیادات جامع صغیر۔ جامع کبیر۔ السیر الصغیر السیر الکبیر) میں مذکور ہیں حنفیہ کے اصول پر قاضی اور مفتی کے لئے لازم ہے۔ کہ وہ ظاہر روایت ہی پر حکم کرے۔ ائمہ حنفیہ کی روایت شاذہ پر حکم نہ کرے۔ مگر صرف ایسی صورت میں کہ فقہائے نے کسی خاص وجہ کی بنا پر یہ نص کردیا ہو کہ فتویٰ اسی پر ہے۔

مختصر کیفیت

نام کتاب

کتاب الخراج

یہ کتاب قاضی القضاۃ امام ابو یوسف بن ابراہیم بن حبیب کوفی (المتوفی ۱۸۲ھ) کی ہے۔ جس میں ہارون رشید کے سوالات کے جواب ہیں۔ جو خراج۔ عشر زکوۃ اور اس طرح کے دوسرے مسائل مالیات سے متعلق ہیں۔ اسلام میں یہ پہلے شخص ہیں۔ جو قاضی القضاۃ کے منصب پر مامور ہوئے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر اصول فقہ کی کتاب لکھی۔

شرح معانی الآثار

یہ امام احمد بن محمد بن سلامہ ابو جعفر طحاوی ازدی کی تصنیف ہے ان کے متعلق بعض محققین کی رائے یہ ہے۔ کہ یہ اپنے فضل علم کے اعتبار سے مجتہدین فی المذہب کے درجہ میں ہیں۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دہلوی نے لکھا ہے۔ کہ یہ مذہب حنفی کے مقلد محض نہیں تھے۔ ان کے متعلق بعض نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ یہ "مجتہدین منتسبین" میں تھے۔ جو امام معین کی طرف منسوب تو ہوتے ہیں۔ مگر وہ اصول و فروع میں مقلد محض نہیں ہوتے ہیں۔ بہر حال اپنے زمانہ میں یہ اعیان حنفیہ کے رئیس تھے۔ سنہ ولادت ۲۲۹ھ۔ اور سنہ وفات ۳۲۱ھ ہے۔

احکام القرآن

یہ امام الحنفیہ احمد بن علی ابو بکر رازی جصاص کی تصنیف ہے۔ ان کا درجہ اعیان حنفیہ میں "مجتہدین فی المذہب" کا ہے۔ ان کی ولادت بغداد میں ۳۰۵ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۳۷۰ھ میں ہوئی۔

مبسوط و شرح سیر کبیر

یہ دونوں کتابیں محمد بن احمد بن ابی سہیل ابو بکر شمس الائمہ سرخسی (المتوفی ۴۸۳ھ) کی ہے۔ مبسوط ایسی حالت کی تصنیف ہے۔ کہ وہ اس جرم میں کہ اپنے بادشاہ کو نصیحت کی تھی۔ ان کو باورجند کے کنواں میں قید کر دیا گیا تھا۔ اسی حالت میں تلامذہ کی جماعت کنواں پر جمع ہوتی تھی۔ اور یہ ان کو کنواں کے اندر سے بغیر کسی کتاب کے "املا" کراتے تھے۔ یہ کتاب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر الروایۃ پر مبنی ہے۔ یہ ماوراء النہر کے اجلۂ علماء سے تھے۔ اور مجتہدین فی المسائل کے طبقہ کے بزرگ تھے۔ یہ آخر شخص تھے جن سے تفقہ کی تحصیل کی گئی۔

کتابوں کے نام | مختصر کیفیت

مبسوط یہ علامہ محمد بن محمد الملقب برضی الدین السرخسی (المتوفی ۵۴۴ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ اپنے وقت کے امام تھے۔ اور علوم نقلیہ اور عقلیہ کے جامع تھے۔ انہوں نے اس کتاب میں بلحاظ ترتیب کے پہلے مسائل ظاہر روایت کو مبسوط سے لکھا ہے۔ پھر اس کے بعد مسائل الجامع کو لکھا ہے۔ پھر مسائل الزایادات کو لکھا ہے۔ اور پوری کتاب کے ہر باب میں اس ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔ متاخرین مصنفین کی طرح ظاہر روایت اور غیر ظاہر روایت کو اختلاط نہیں کیا ہے۔

بدائع الصنائع یہ ملک العلماء ابو بکر بن مسعود بن احمد علاء الدین کاسانی کی تصنیف ہے ذہبی نے لکھا ہے۔ کہ ملک نور الدین کے زمانہ میں دمشق میں یہ حنفیہ کے ائمہ سے تھے۔ حلب میں ۱۰ رجب ۵۸۷ھ کو انتقال ہوا۔

ھدایہ یہ امام علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی (المتوفی ۵۹۳ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ اپنے وقت کے امام۔ فقیہ۔ حافظ۔ محدث۔ مفسر۔ جامع علوم تھے۔ اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ کہ یہ "طبقہ اصحاب ترجیح" سے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک یہ مجتہد فی المذہب کے درجہ میں ہیں محققین علماء کا ان کی تصانیف کے متعلق یہ فیصلہ ہے۔ کہ ان کی جملہ تصانیف مقبول و مستند ہیں۔ خصوصاً ہدایہ جو ہمیشہ علماء اور فقہاء کا مرجع فکر رہا ہے۔

بدایۃ المجتہد یہ علامہ ابو الولید محمد ابن احمد بن محمد رشید قرطبی اندلسی (المتوفی ۵۹۵ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ معقول اور منقول دونوں کے جامع تھے۔ اس کتاب کے تقریباً ہر باب میں وہ فقہاء امت کے اقوال جاہے۔ وہ صحابہ کرام کے عہد کے ہوں یا اس کے بعد کے ہوں ذکر کرتے ہیں اور ہر ایک کے قول کے ساتھ اس کے مستند کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اور اکثر مرجح قول کی تصریح بھی کر دیتے ہیں۔

کنز الدقائق یہ عبد اللہ بن محمود ابو البرکات حافظ الدین نسفی کی تصنیف ہے۔ یہ اپنے زمانہ میں امام تھے۔ کمال علم میں عدیم النظیر تھے۔ فقہ و اصول میں مرجع

خواص و عوام تھے۔ اور حدیث و معانی میں بھی علماء عصر پر فوقیت رکھتے تھے سنہ وفات ۸۱۰ھ ہے۔

عنایہ شرح ہدایہ

اس کے مصنف علامہ محمد بن محمود اکمل الدین بابرتی (المتوفی ۷۸۶ھ) ہیں۔ یہ اپنے وقت کے امام۔ محقق۔ مدقق۔ متبحر۔ حافظ۔ وضابط۔ صرف و نحو۔ لغت۔ معانی میں ید طولی رکھتے تھے۔ عنایہ کے علاوہ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ چند مرتبہ ان کے لئے عہدہ قضا پیش کیا گیا۔ مگر قبول نہیں کیا بابرتا بغداد کے نواح میں ایک گاؤں ہے۔

الجوہرۃ النیرۃ

یہ مختصر القدوری کی (جس کے مصنف احمد بن محمد بن احمد ابو الحسین البغدادی (المتوفی ۴۲۸ھ ہیں اور اصحاب الترجیح کے طبقہ سے ہیں) شرح ہے جوہرۂ نیرۂ قدوری کی نہایت معتبر شرح ہے۔ ایجاز مخل۔ اور تطویل مُمل سے پاک ہے۔ اس کے مصنف علامہ ابوبکر بن محمد الحدادی العبادی الیمینی (المتوفی ۸۰۰ھ) ہیں۔

فتح القدیر

یہ ہدایہ کی شرح ہے۔ علامہ محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید کمال الدین الشہیر بابن ہمام اسکندری سیواسی کی تصنیف ہے۔ علامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق نے انکو "اہل ترجیح" سے لکھا ہے۔ دوسرے علماء نے ان کو طبقہ اہل اجتہاد میں شمار کیا ہے۔ مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی رائے قرین صواب ہے۔ ان کی ولادت ۷۹۰ھ کی ہے۔ اور وفات ۸۶۱ھ میں ہوئی ہے۔

البحر الرائق

اس کے مصنف علامہ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم حنفی (المتوفی ۹۷۰ھ) ہیں۔ یہ اپنے وقت کے صاحب افتار اور درس ہونے کے علاوہ صوفی بھی تھے۔ عبد الوہاب شعرانی کا بیان ہے۔ کہ میں دس سال ان کی صحبت میں رہا۔ مگر کوئی بات برائی کی نہیں دیکھی۔ ان کی تصانیف میں سے "اشباہ و نظائر" مشہور کتاب ہے۔

رد المحتار

یہ در مختار (علامہ علاؤ الدین حصکفی) کا حاشیہ ہے اس کے مصنف خاتمۃ المحققین علامہ السید محمد ابن عمر الشہیر بابن عابدین (المتوفی ۱۲۵۲ھ ہیں) اپنی افادیت کے لحاظ سے علماء کی نگاہ میں اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

کتاب العشر والزکوٰۃ پر علمائے کرام کی آرائے گرامی

(۱)

مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ العالی دہلی

صدیق محترم مولانا مولوی عبدالصمد صاحب مونگیری ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار نے جو ایک مخلص اور جید عالم اور امارت شرعیہ صوبہ بہار کے متدین اور پرجوش کارکن ہیں اپنی جدید کتاب "کتاب العشر والزکوٰۃ" کا مسودہ فقیر کے سامنے پیش کیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں قلت فرصت کے باعث اسے تفصیلی نظر سے نہ دیکھ سکا۔

تاہم ایک طائرانہ اجمالی نظر اس پر ڈالنے کا موقع نکالا۔ اور اس کے متعلق اس قدر کہنے کے قابل ہوگیا ہوں کہ مولانا نے عشر اور زکوٰۃ کے متعلق وہ مسائل جنکی عوام مسلمین کو ضرورت رہتی ہے جمع کرنے اور اُن کو بحث و تدقیق کے بعد واضح کرنے کی سعی مشکور فرمائی ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کے ثواب اور مانعین زکوٰۃ کی مذمت، اور اسکے عذاب کے متعلق تو کوئی بات کہنی ہی نہیں۔ کہ یہ متفق علیہا امور ہیں۔ البتہ ہندوستان کی تمام[ع]

ع اس کتاب کے صفحہ ۱۲۸ میں زیر عنوان "ہندوستان کی زمین کا حکم" مسلمانوں کی تمام زمینوں کی تیرہ صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ جن میں حسب آئین اسلامی کے اصول پر دس صورتیں عشری ہونے کی ہیں۔ اور تین صورتیں خراجی ہونے کی ہیں۔ اس تصریح کے بعد، حنفیہ کے مسلک پر یہ لکھا گیا ہے۔

"لیکن ان تمام تفصیلات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی زمین کے خراجی ہونے کی بہت کم صورتیں ہیں۔ اور ان کی تحقیق بھی بہت مشکل ہے۔ اس لیے ظاہر حال کا لحاظ کرکے مسلمانوں کو احتیاط کے مسلک پر تمام زمینوں کی پیداوار میں عشر نکالنا چاہیے"

اور دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ میں بھی مسلمانوں کی تمام زمینوں پر عشر واجب بتایا گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی ہر زمین کے عشری ہونے میں کلام کرنے کی گنجائش ہے ۱۲ منہ

(عبدالصمد رحمانی)

زمینوں پر عشر کا وجوب زمینوں کی تقسیم۔ نصاب زکوٰۃ وغیرہ مسائل میں علما کے اختلاف کی گنجایش ہے ممکن ہے بعض علماء کو بعض مسائل میں حضرت مولانا کی تحقیق سے اتفاق نہو۔ مگر میرے خیال میں اس سے کسی کو اختلاف نہوگا کہ مولانا نے وقت کی ایک بڑی ضرورت کو محسوس کیا۔ اور امارت شرعیہ کی ایک بیش بہا خدمت انجام دی ہے۔

یہ امر یقینی ہے کہ امیر کو مسلمانوں سے عشر اور ہر قسم کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے اور اس کو نظام کے ساتھ مصارف شرعیہ میں صرف کرنے کا اُسے اختیار ہو۔ اور موجودہ دور تشتت میں یہ حق زیادہ موکد ہوگیا ہے۔ ہندوستان کے صوبوں میں سے صوبہ بہار ہی ایک ممتاز اور خوش نصیب صوبہ ہو جس میں امارت شرعیہ قائم ہے۔ اور اس کے متعدد شعبے منظم طریق پر کام کر رہے ہیں۔ پس مسلمانان بہار کا حتمی فریضہ ہے کہ وہ امارت کی بقا و تقویت کے لیے اپنی تمام مساعی وقف کردیں اور اس کتاب کو حرز جاں بنا کر اس کے مضامین پر عمل کریں۔

چاندی کے نصاب میں یہاں کے وزن سے جو مقدار بیان کی گئی ہے یعنی **۳۶** تولہ ۵ ماشہ ۴ رتی یہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر مبنی ہے میرے خیال میں اس میں ایک بنیادی فروگزاشت ہوگئی ہے۔ میرے نزدیک صحیح مقدار ۵۴ تولہ ۲ ماشہ سے کم نہیں، اسی طرح سونے کے نصاب اور پھر صاع کی مقدار میں فرق ہو جائے گا۔

بہرحال میری دعا ہے کہ حق تعالیٰ "کتاب العشر والزکوٰۃ" کو قبول عام کی خلعت فاخرہ سے نوازے اور مولانا کی سعی مشکور فرمائے اور ان کو اجر عظیم عنایت کرے۔ اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فقیر **محمد کفایت اللہ** کان اللہ لہ

دھلی

۱۴ / ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ ہجری

(۲)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد فخرالدین احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد احقر نے "کتاب العشر والزکوۃ" مرتبہ فاضل مولانا عبدالصمد صاحب مونگیری کے چند معرکۃ الآراء مواقع کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ احقر کی نظر میں کتاب اپنے موضوع میں کامیاب ہے۔ مضامین کی تفصیل۔ دلائل کی قوت۔ اقوال فقہاء رحمہم اللہ اجمعین کا صحیح اندراج۔ پھر نتائج کا اخراج۔ ایسی صفائی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ بے اختیار زبان سے نکلتا ہے کہ ؎ این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند +

بے شک اموال ظاہرہ ہوں یا باطنہ۔ امام کو ہر ایک کی زکوۃ اور عشر کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ بلکہ فی زمانہ اس کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ آج نظام شرعی کی برہمی کی تمام تر ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے۔ کہ مسلمانوں نے اس فریضہ کو پس پشت ڈال دیا اور بطور خود بلا رعایت نظم و قانون من مانی کارروائیاں کرنے لگے۔ کاش اگر دوسرے صوبوں کے مسلمان بھی اپنے یہاں صوبہ بہار کی طرح نظام شرعی قائم کرلیتے اور عشر و زکوۃ کا باقاعدہ انتظام ہوجاتا۔ تو ہماری مشکلات کا بڑی حد تک حل نکل آتا۔

ہندوستانی زمینیں عشری ہیں۔ ان پر عشر واجب ہے۔ جس کی تحصیل امام کے فرائض میں داخل ہے۔ بطور خود نہ کوئی عشر ادا کرسکتا ہے۔ نہ عند طلب الامام بطور خود دینے سے سبکدوشی ہوسکتی ہے۔ خداوند کریم مولف علام کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی سعی کو مشکور اور بارآور کرے۔ آمین ؎

این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد +

حررہ فخرالدین احمد صدر مدرس

مدرسہ شاہی مرادآباد

(۳)

استاذ العلما حضرت مولٰنا عبد الحق صاحب مدنی ناظم مدرسہ شاہی مراد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد کتاب العشر والزکوٰۃ مرتبہ حضرت العلامہ مولانا عبد الصمد متع اللہ المسلمین بفیوضہ وعلومہ اپنے موضوع بینظیر ونہایت مفید ہونے کے علاوہ اس کی اس زمانے میں مسلمانوں کو بے حد ضرورت ہے اللہ تعالےٰ مصنف فاضل کو جزائے خیر عطا فرمائے جو مسلمانوں کی اشد ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا قیمتی وقت اس کی تالیف میں صرف کیا۔ جو آپ کے لئے انشاء اللہ ذخیرہ آخرت ہوگا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

حررہ العبد الضعیف **عبد الحق** المدنی

(۴)

حجۃ الاسلام حضرت مولٰنا عبد الشکور صاحب فاروقی، لکھنؤ

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ اس حقیر نے جناب مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی مونگیری۔ صاحب تالیف متعددہ کی کتاب موسوم بہ "کتاب العشر والزکوٰۃ" کو بہ نیت استفادہ مطالعہ کرنا چاہا۔ فہرست تو پوری پڑھ لی۔ لیکن کتاب کو کہیں کہیں سے پڑھ سکا۔ کتاب کو نہایت مدلل اور مفصل معلوم ہوتی ہے آیات قرآنیہ سے بھی استشہاد ہے اور احادیث نبویہ سے بھی اور فقہ حنفی کی معتبر کتب سے بھی۔

نہایت رنج و افسوس کا مقام ہے کہ زکوٰۃ و عشر کی جتنی اہمیت کتاب اللہ میں ہے اتنی ہی غفلت مسلمانوں نے اختیار کی۔ اس کی اہمیت کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ نماز جس کے متعلق قرآن مجید میں سات سو آیتیں ہیں۔ منجملہ ان کے بتیس آیتوں میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے اتنی جگہ صرف زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کی اس غفلت کو دور کردیگی۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی سعی مشکور فرمائے اور مسلمانوں کو توفیق دے کہ اس پر عمل کریں۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

کتبہ احقر عباد اللہ محمد عبد الشکور عافاہ مولاہ۔

(۵)

حضرت مولانا سید محمد منت اللہ صاحب رحمانی سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ لَانَبِیَّ بَعْدَہٗ

اُستاذی حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی مدظلہ کی تازہ تالیف کتاب العشر والزکوٰۃ کے بالاستیعاب مطالعہ کا ابھی مجھکو موقع نہیں ملا۔ لیکن فہرست مضامین اور اس کے ساتھ جستہ جستہ مضامین کے مطالعہ کا مجھکو شرف حاصل ہوا ہے۔ اس لئے اس وقت تو میں اس لائق نہیں ہوں کہ زیر نظر کتاب پر تفصیلی رائے عرض کرسکوں۔ لیکن حضرت مولف مدظلہ اپنی دقّتِ نظر اور تحقیق مسائل شرعیہ میں جس ممتاز مقام کے مالک ہیں وہ اہل علم ونظر سے پوشیدہ نہیں، اس لیے کتاب کے تعارف اور اس کی تصدیق وتوثیق کے لیے یہی بہت کافی ہے کہ حضرت موصوف کی تالیف ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اس دور میں مسلمان اپنے اجتماعی مسائل کو فراموش کر چکے ہیں۔ اور اسی سلسلے میں زکوٰۃ وعشر کی اہمیت اور بڑی حد تک اس کے مسائل بھی نسیان کی نذر ہوچکے ہیں۔ اور یہ مرض اس طرح پھیلا کہ عوام تو عوام اہل علم طبقہ بھی اس سے محفوظ نہ رہا۔ ان حالات میں وقت کی بہت بڑی ضرورت یہ تھی کہ اسلامی اجتماعیات کے اس باب کو اس طرح مرتب کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے کہ ایک طرف عامۃ المسلمین کے لیے زادِ آخرت ہو اور دوسری طرف اس میں اہل علم ونظر کے لیے بھی سرمایہ تسکین موجود ہو۔ تاکہ عوام وخواص کا یہ دونوں طبقہ ملکر اسلام کے اس اہم اجتماعی مسئلہ کے احیاء واجراء کیلئے سرگرم عمل ہوسکے +

خدا حضرت مولف کو جزائے خیر دے کہ اُنھوں نے اپنی تحقیق وکاوش سے کتاب میں ان دونوں خوبیوں کو جمع کردیا ہے۔ کتاب کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ تحریر عام فہم ہے اور مسئلہ زیر بحث کے اکثر گوشوں کا احاطہ ہے۔ جو عوام کو استفادہ کی دعوت دیتا ہے اور زکوٰۃ وعشر کے تمام پہلوؤں پر تحقیقی بحث ہے اور اسکی قرآن حکیم احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مستند کتب فقہیہ اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے تصدیق ہے جو اہل علم ونظر کے انشراح صدر کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو کتاب کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین +

خانقاہ مونگیر ۲۲ر جمادی الاولیٰ سنہ ۶۲ہجری منت اللہ رحمانی

(٦)

حضرت مولانا ریاض احمد صاحب مدرس مدرسہ عزیزیہ۔ بہار شریف

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

احقر نے حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار کی تصنیف جدید۔ "کتاب العشر والزکوٰۃ" اجمالی طور پر دیکھی۔ موضوع کی اہمیت اور کتاب کی تحقیق و تفصیل کے ساتھ بحث، اس کی مقتضی تھی کہ غائر نظر سے مکرر و بہ دفعات اس کا مطالعہ و استفادہ کیا جاتا لیکن وقت کی تنگی نے اس کی اجازت نہ دی۔ زکوٰۃ و عشر کے مسائل مدت سے مبہم پڑے تھے۔ عشری زمینوں کی تفصیل، اور ولایت اخذ عشر و زکوٰۃ کی تحقیق دار الحرب میں بالخصوص ہندوستان میں طریقہ عمل یکجا طور پر متداولہ کتب میں موجود نہیں تھے اللہ تعالیٰ جل شانہ حضرت مولف کو جزائے خیر دے۔ آپ نے عوام و خواص کے دلوں سے ان مسائل کے متعلق جو شکوک و شبہات تھے ان کے ازالہ کی کتاب و سنت اور فقہائے امت کی تصریحات کی روشنی میں مشکور سعی فرمائی۔ ہاں بعض چیزوں میں تعیین مصداق و تشخیص عموم تو یہ الگ بحث ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ موجودہ دور اسلام کا اہم فریضہ جس تفصیل و تشریح کا مستحق تھا۔ حضرت ناظم امارت شرعیہ نے بہت بڑی حد تک یہ فرض ادا کر دیا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ شانہ نے بعجز و الحاح کے ساتھ دعا ہے کہ اس تصنیف منیف کو قبول فرمائے۔ اور مسلمانوں کو اس پر عمل کی توفیق دے۔ اور حضرت مولف کے لیے اور اس کے ساتھ ان کے مخلصین و محبین کے لیے ذخیرہ عاقبت بنائے آمین۔

ریاض احمد، بسنت پوری ضلع چپارن"

(۷)

حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب صدر مدرس مدرسہ امدادیہ دربھنگہ و مولانا عبدالرحیم

الحمد للہ الذی علّم ما لم نعلم و علّم ما لم تعلم والصلوٰۃ علیٰ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین
اما بعد کتاب العشر والزکوٰۃ، جس کو مولانا الحاج عبدالصمد صاحب رحمانی ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار و اڑیسہ نے تحریر فرمائی ہے۔ بعد امعان نظر اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ کتاب اس امت مسلمہ کے لیے اس دور میں کتنی ضرورت رکھتی تھی۔ خواص و عوام کل محتاج تھے۔ یہ مسئلہ زبان سلیس اردو میں ایک جگہ نہ ہونے کی بنا پر لوگ مختلف وادیوں میں بھٹکتے نظر آتے تھے۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مولانا ممدوح نے اس مشکل کام کو اس پیرایہ میں انجام دیا ہے جو بدیہی اولی کے مانند واضح نظر آتا ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مولف کے لئے ذخیرۂ آخرت فرمائے اور مسلمانوں کو عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے آمین ثم آمین ✣

احقر عبدالوہاب عفی عنہ مدرس امدادیہ دربھنگہ ✣ احقر عبدالرحیم عفا عنہ مدرس مدرسہ امدادیہ دربھنگہ

(۸)

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ جامع العلوم مظفر پور

حامداً للہ رب العلمین مصلیاً علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین
۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ ۲ جون ۱۹۴۳ء کو ہمارے محترم دوست حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی ناظم امارت شرعیہ مظفر پور تشریف لائے اور تالیف جدید کتاب العشر والزکوٰۃ مجھے دکھلائے افسوس میں بعض مجبوریوں سے پوری طور پر نہ دیکھ سکا۔ مگر جستہ جستہ دیکھکر دو باتوں کو اخذ کیا۔ (۱) مولف موصوف نمونۂ علمائے سلف ہیں (۲) یہ تالیف اہل علم کیلئے خزینۂ علوم ہے۔ پس بیساختہ یہ شعر زبان زد ہوا

وفی کل لفظ منہ روض من المنی ✣ وفی کل سطر منہ عقد من الدرر

میں نے قدیمانہ تعلقات پر یہ عرض کرنا نامناسب سمجھا کہ مجھ جیسے بے علم کے لئے اگر اس کا خلاصہ آپ ہی فرما دیتے تو بہت ہی بہتر ہوتا۔ الحمد للہ کہ مولانا نے اس عرضداشت کو قبول کر لیا جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ امت مرحومہ کو اس کتاب کا عامل بنائے اور جناب مولانا کو ثواب جزیل عطا فرمائے آمین ؎ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد ✣ جمیل احمد

(۹)

حضرت مولانا شاہ سید قاضی نور الحسن صاحب قاضی امارت شرعیہ صوبہ بہار و اڑیسہ

کتاب العشر والزکوٰۃ۔ مولفہ اخی محترم جناب مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار و اڑیسہ کو میں نے از اول تا آخر بغور پڑھا۔ کتاب اپنی نوعیت میں نہایت مکمل ہے۔ زکوٰۃ و عشر کے تمام اہم مسائل پر نہایت عمدگی سے بحث کی گئی ہے۔ اور معتبر کتابوں کے حوالے سے موثق کیا گیا ہے اور ہر قسم کے شکوک و شبہات جو فقہاء کے مختلف کتابوں کو سرسری نظر میں دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں ان کی تطبیق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور صحیح مسلک اور مفتی بہ مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا ہے کہ اس کو قبول فرمائے۔ اور امت مسلمہ کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین ۔

محمد نور الحسن، پھلواری

(۱۰)

حضرت مولانا شاہ سید محمد قمر الدین صاحب ناظم بیت المال امارت شرعیہ صوبہ بہار و اڑیسہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین ۔

کتاب العشر والزکوٰۃ۔ اپنے موضوع پر اپنی جامعیت کے اعتبار سے اردو میں پہلی کتاب ہے جو قرآن و حدیث اور فقہاء امت کی تشریحات کی روشنی میں مدلل لکھی گئی ہے اور اموال ظاہرہ اور باطنہ اور اس کے متعلق امام و امیر کی ولایت شرعیہ اور عشر وغیرہ کے متعلق جو مباحث ہیں وہ سب تشفی بخش ہیں۔ اور پوری تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ خدا اس کو قبول عام عنایت فرمائے۔ اور مسلمانوں کو توفیق عمل دے۔ آمین ۔

محمد قمر الدین قادری پھلواری

(۱۱)

حضرت مولانا شاہ سید محمد نظام الدین صاحب خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

اس کتاب کی جسقدر خوبیوں کو لکھا گیا ہے اس سے زیادہ خوبیوں کے ساتھ یہ کتاب متصف ہے ۔

محمد نظام الدین قادری کان اللہ لہ پھلواری

تاریخ طبع اوّل

از نتیجہ افکار گہر بار جناب مولٰینا حکیم محمد شعیب صاحب نیّر پھلواروی دام مجدہٗ

مدون شد کتابے خوب بہر مسلمانان
باحکام زکوۃ و عشر با ترتیب لاثانی

بسعی فاضل عبدالصمد علامہ دوراں
رسیدہ تا بحد انصرام از فضل رحمانی

بفکر سال تالیفش بگوشش رسید آخر
ندا از ملہم غیبی بدل الہام ربانی

ضمیرش خود خطابے کردہ گفت اے نیّر خوشخو
بفکر سال تالیفش چرا زینگونہ حیرانی

مسائل ہا کشف گردد ہم تاریخ تالیفش
کتابے مادر احکام زکوۃ و عشر گر خوانی

۱۲ھ ۶۲

ولہ ایضاً

تاریخ طبع دوم

بارک اللہ ایں صحیفہ بار دیگر طبع شد
فی البدیہہ نیّر خوشفکر تاریخش بگفت

۱۳ھ ۶۵

خطبات جمعہ

حضرت مولانا عبدالصمد صاحب نائب امیر شریعت نے ادارہ امارت شرعیہ سے "خطبات جمعہ" شایع کیا ہے۔ ہر خطبہ کا اردو میں ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے جس سے اسکی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔ ابتدا میں "گذارش" کے عنوان سے ایک اہم مقدمہ ہے جس میں اردو ترجمہ کے متعلق فقہاء حنفیہ کے مسلک کو بتایا گیا ہے اس کے بعد عقائد۔ تنظیم شرعی، نماز، زکوۃ۔ روزہ رمضان اور تراویح۔ اور اور امر بالمعروف الخ منکرات و مناہی، شادی اور معاشرت زوجین۔ عید الفطر، عید اضحےٰ کے متعلق ایک ایک خطبہ ہے، ہر خطبہ اپنے موضوع پر پوری جامعیت کا حامل ہے۔ آخر میں خطبہ نکاح۔ دعاء قربانی، دعاء عقیقہ اور عقیقہ کے ضروری مسائل بھی ہیں۔ حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ سید محمد محی الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس کے متعلق یہ ہے کہ

"میں نے "خطبات جمعہ" کو دیکھ لیا ہے
نہایت مفید اور اہم ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے
کہ جمعہ میں اسکو پڑھا کریں"

قیمت .... عمر

(ملنے کا پتہ)

مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ

تاریخ امارت

مولفہ مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت صوبہ بہار

"تاریخ امارت" اسلامی ہند کے سیاسی دور۔ اور اس کے "انقلابی اور آئینی" ماحول کے اثرات پر نہایت قیمتی تالیف ہے۔ اسلامی ہند پر امارت شرعیہ کا فریضہ کب عاید ہوا۔ کس طرح عائد ہوا۔ اور اکابر امت علمار کرام نے اس فریضہ کی ادائیگی میں کیا قربانیاں کیں۔ نظام امارت کا لائحہ عمل کیا ہے۔ تمام باتیں اس سلسلہ کی اس کتاب میں آگئی ہیں۔ مختصر یہ کہ تاریخ امارت سنہ ۱۸۰۳ء سے سنہ ۱۹۲۱ء تک کی اسلامی ہند کی انقلابی اور آئینی جد وجہد کی تاریخ ہے جو نظام شرعی کے احیار و تجدید کے لئے کی گئی اور اپنے اس اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔

(قیمت عہ)

ملنے کا پتہ

مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ